سماز کی لے تیز کرو

زبان و ادب

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سری نگر

سازکی لے تیز کرو

(حصّہ اوّل)

زبان و ادب

سلور جوبلی سیمنار کی روئیداد

(جموں : ۲۵، ۲۶، مارچ ۱۹۸۴ء)

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز۔ سرینگر

۱۹۸۵ء

ناشر:- سیکریٹری جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لینگویجز

مطبع:- فوٹو لیتھو ورکس دہلی۔

کتابت:- ولی محمد میر - ابو نر جس یوسف

ترتیب

۷

- نئی لسانی اکائیوں کا قیام
- شعبۂ گوجری
- شعبۂ پہاڑی
- زیور جھروکے کی کہانی
- آوازِ خزانہ
- خبرنامہ اکادمی

د۔

- فیلوشپ اور خلعت ہائے فاخرہ
- کتابوں کے انعامی مقابلے
- ڈراموں کے مسودات پر انعام

ہ۔

- ادبی محفلیں
- مذاکرے، مشاعرے اور
- افسانہ محفلیں۔
- عصرانے
- بزمِ شیرازہ
- کُل ہند کشمیری کانفرنس
- کُل ہند ڈوگری کانفرنس
- ہندی ادیبوں کی کل ہند کانفرنس
- کُل ہند اُردو کانفرنس
- آل انڈیا پنجابی کانفرنس

- لداخی ادیبوں کی کُل ہند کانفرنس
- کل دید سیمنار
- شیخ العالمؒ سیمنار

و

- مُصنّفوں کو مالی امداد
  (سبسڈی)
- ادبی اور تمدنی تنظیموں کو مالی اِمداد
- نامساعد حالات کے شکار ادیبوں
  اور فنکاروں کو مالی امداد

ز

- اکادمی ۔ ابتداء اور آئین
- تہذیب محل

عرضِ ناشر

۱۹۸۳ء میں اکادمی کی رجت جینتی یعنی جشنِ سیمین منایا گیا۔ اِس کی بہت سی تقریبات میں وہ دو سیمنار خاص اہمیت کے حامل تھے جو بالترتیب جموں اور سرینگر میں منعقد ہوئے۔ جموں کے سیمنار کا موضوع ادب اور زبانوں سے متعلق کلچرل اکادمی کی خدمات کے کیف و کم پر بحث کرنا تھا۔ یہ شاید ایک انوکھی پہل تھی جب کوئی ادارہ اپنے خرچے پر مقررین اور مندوبین حضرات کو بُلا کر اُن سے استدعا کر رہا تھا کہ وہ میزبان ادارے پر کڑی سے کڑی تنقید کریں۔

اِس سلسلے میں ہم نے کچھ معروف ادیبوں سے مقالات لکھنے کی استدعا کی تھی لیکن اُنہیں پوری آزادی تھی کہ وہ اپنی آراء کا بے کم و کاست اظہار کریں۔ البتہ ہم نے حوالے کی سہولیت کے لئے اپنے ریکارڈ اور لائبریری اُن کے لئے کھُلے رکھے۔ اِن مقالات میں اکادمی کے اثباتی کارناموں کے علاوہ اِس کے منفی پہلوؤں کی بھی نشاندہی کی گئی۔ لیکن سیمنار کا سب سے اہم حصہ اِن مقالات پر بحث و مباحثہ تھا۔ جس میں مندوبین اور دوسرے شُرکاء نے دل کھول کر گفتگو کی۔ اگرچہ بعض دوستوں نے جوشِ خطابت میں کبھی کبھی اکادمی کے اہلکاروں کے نجی اور گھریلو معاملات پر بھی طنز و تشنیع سے گُریز نہیں کیا۔ لیکن مجموعی طور پر یہ بحث بہت مفید رہی۔ ہم ان مقالات اور مباحث کو زیرِ نظر جلد میں شایع کر رہے ہیں

تاکہ اکادمی کی پچیس سالہ کارکردگی پر اکادمی کی سرکاری رپورٹ سے زیادہ معاصر ادیبوں کے حوالے سے ایک روئداد محفوظ ہو جائے۔ جو اکادمی اور ریاستی ادب کے آیندہ مؤرخ کے لئے حوالے کی دستاویز ثابت ہو۔ ہماری زبانوں کا بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے اہلِ ادب اور ادبی تحریکات کے بارے میں ہمیں بیسویں صدی کی ابتدا تک تقریباً کچھ بھی پتہ نہیں چلتا اور بعض اوقات جہاں اصل شعراء کا زمانہ تک متعین نہیں کیا جا سکتا وہاں کچھ فرضی قسم کے شعرا دوسروں کی متاع کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ اِس جلد کی اشاعت سے آیندہ کے قاری کے لئے بہت سے عقدے کُھل جائیں گے۔

کلچرل اکادمی کی کارکردگیوں کا تنوّع ان کا شمار اور انکا دائرہ اِسقدر وسیع ہے کہ اِس تفصیلی جائیزے میں بھی بعض اہم چیزیں چھوٹ گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مورّخ حسن کھویہامی کا پہلا یادگاری دِن اکادمی نے منایا، اُسکے مرقد پر لوح لگوائی اور اُس کی یاد میں "شیرازہ" کا خاص نمبر شائع کیا۔ اسی طرح محمد الدین فوق جیسے محسنِ کشمیر کی یاد میں اکادمی نے پہلی بار وادی کشمیر میں خاص دِن منایا جسمیں شیخ محمد عبد اللہ اور مرزا محمد افضل بیگ جیسی محرم راز شخصیتوں نے اُن کی قومی خدمات کی سراہنا کی۔ اُن کی یاد میں بھی ہم نے "شیرازہ" کا خاص نمبر شایع کیا۔ مرحوم نُور محمد تاجر کتب کشمیری زبان کے مُنشی نولکشور تھے۔ اُنکی یاد میں بھی اکادمی نے پہلا سیمینار منعقد کیا اور "شیرازہ" کا خاص نمبر شایع کیا۔ اکادمی نے حافظ نغمہ کی روایت کو تقریباً ساٹھ سال کے بعد زندہ کیا اور اُپا سنا کپور اور گُل افروز جیسی حسیناؤں نے سٹیج پر حافظ نغمہ پیش کر کے اِس شاندار رقص کی نفاستوں کو اُجاگر کیا۔

جنابِ وزیرِ اعلیٰ
کا
خطاب

وزیرِ اعلیٰ اور اکیڈیمی کے صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ سیمینار کے دوسرے روز یعنی ۲۶ مارچ ۱۹۸۴ء کو ریاستی ادیبوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کیلئے ایمنو تھیئٹر تشریف لائے۔ اُنہوں نے اپنی تقریر میں مندوبین حضرات کو اس بات کا یقین دلایا کہ اکیڈیمی ریاست کے ثقافتی ورثے کا ہمیشہ تحفظ کرے گی اور اس سلسلے میں اُن کی حکومت تمام در پیش رُکاوٹوں کو دُور کریگی۔ اُنہوں نے کہا کہ جس طرح کشمیر ماضی میں باہر کے دانشوروں اور مُفکروں کیلئے توجہ کا مرکز بنا رہتا تھا اُسی طرح آیئندہ بھی مختلف ممالک کے عالم اور دانشور ہمارے ثقافتی اور تمدنی ورثے کو پرکھنے اور اُس سے فیض حاصل کرنے کے لئے یہاں آنے چاہئیں۔ ایسا تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم متحرک ہو جائیں اور اس ریاست کو پھر سے علم و ادب کا گہوارہ بنائیں۔ وزیرِ اعلیٰ نے سیمنار میں شریک ادیبوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ اُن کے تمام تر جائز مطالبات کو پورا کیا جائے گا۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ ادیبوں کو اُن کی کتابیں شائع کرنے کے لئے دی جانے والی سبسیڈی کی رقومات میں سو فیصدی اضافہ کیا جائے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ اکیڈیمی جس طرح اپنے کلچرل ٹروپ باہر بھیجتی ہے اُسی طرح آیئندہ ادیبوں اور دوسرے دانشوروں پر مُشتمل تمدنی وفود بھی

باہر بھیجے جائیں گے تاکہ ہمارے ادیب اور شاعر بھی ملک کے تمدنی مرکزوں کا دورہ کر سکیں۔

اس موقع پر وزیرِ اعلیٰ نے اکیڈیمی کی تازہ مطبوعات جن میں مولانا ابوالکلام آزاد کے "ترجمان القرآن" کی پہلی جلد کا کشمیری ترجمہ 'ام القرآن' اور "احادیثِ نبوی" کا کشمیری ترجمہ شامل تھیں، جاری کیں۔ اس کے علاوہ 'گوجری ڈکشنری' کی پہلی جلد اور بلتی زبان میں مضامین کا گلدستہ بھی جاری کیا گیا۔ دوسری جاری کردہ مطبوعات میں 'کلیاتِ رسول میر' کشمیری زبان اور شاعری' 'سون ادب' 'استاادب' 'پہاڑی لوک کہانیاں' 'لوک گیت' شیرازہ گوجری کا 'شیر کشمیر نمبر' 'پہاڑی شیرازہ' اور بعض لداخی کتابیں بھی شامل تھیں۔

بعد دوپہر وزیر تعلیم جناب محمد شفیع کی طرف سے سیمنار میں شامل ادیبوں کو ایک عصرانہ دیا گیا۔

•

افتتاحی تقریر

جناب محمد شفیع، وزیرِ تعلیم ریاستِ جموں وکشمیر

محترم ٹینگ صاحب سکریٹری اکیڈیمی، خواتین وحضرات!

آج کے اِس سیمینار کا افتتاح وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو جو کہ اکادمی کے بھی صدر ہیں، کرنا تھا۔ لیکن اُنہیں کچھ ایسی مصروفیات پیش آئیں کہ وہ یہاں تشریف نہ لا سکے۔ اُنہوں نے میرے ذریعے اِس سیمینار کی کامیابی کے لئے نیک تمنائیں بھیجی ہیں۔

جیسا کہ ٹینگ صاحب نے ابھی اپنی رپورٹ میں بتایا کہ شخصی راج کے خاتمے کے بعد ریاست جموں وکشمیر کے سامنے باقی اصلاحات کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش رہا وہ اِس ریاست کی تہذیبی شیرازہ بندی کا تھا اور یہاں کی قومی قیادت نے ریاست کی سبھی تہذیبی اکائیوں کو ایک لڑی میں پروتے کے لئے اُنہیں احساسِ تحفظ دینے کے لئے اور اُن میں احساس شرکت پیدا کرتے کے لئے کلچرل اکیڈیمی کا قیام عمل میں لایا۔

پچیس سال کے عرصے میں جو کامیابیاں اکادمی کے حصّے میں آئی ہیں اور جس طرح سے ہر چھوٹی یا بڑی تہذیبی اکائی کو کلچرل اکادمی کے توسط سے اپنی زبان وادب کو آگے بڑھانے کا موقع ملا ہے اِس پر یقیناً کلچرل اکادمی فخر کرسکتی ہے اور اِس کے کام کو سارے ملک کے لئے بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے پڑوس میں میری مُراد پنجاب سے ہے ابھی تک جو لوگ پنجابی بولتے ہیں یہ فیصلہ نہیں کر پائے ہیں کہ وہ پنجابی زبان اپنی مادری زبان کے طور پر لکھوائیں یا ہندی کو۔ لیکن ریاستِ جموں وکشمیر میں ایک لاکھ سے کم آبادی والے ہمارے لداخی زبان بولنے والوں کو اپنی زبان کو اپنانے، بڑھاوا دینے اس کے بڑھانے یا پڑھنے کے لیئے کوئی دقت در پیش نہیں۔ اِسے شیرازہ بندی کہیئے یا نیا کشمیر کے خوابوں کی تکمیل، کوئی نام دیجئے۔ ایک بات ضرور ہے۔ کئی سیاسی طالع آزماؤں نے پچھلے ۲۵ سال کے درمیان لداخ کو کشمیر سے الگ کرنے اور جموّں کو کشمیر یا کشمیر کو جموّں سے الگ کرنے کی باتیں سوچیں۔ تحریکیں بھی چلائیں، فکری احساس بھی اسے دینے کی کوشش کی، لیکن یہاں کے ادیبوں اور دانشوروں نے کلچرل اکیڈیمی کے زیرِ سایہ رہ کر اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اِس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کی کوئی بھی تہذیبی اکائی آج یہ محسوس نہیں کر رہی ہے کہ اس کی زبان، اس کا ادب یا کلچر یا وہ باتیں جو اِس کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں کو کسی جانب سے کوئی خطرہ ہے یا اسے کسی حملے کا ڈر۔ آپ نے ابھی سُنا کہ اکادمی نے ریاست کی زبانوں جن میں بڑی اور چھوٹی سبھی زبانیں شامل ہیں، کی ترقی و ترویج کیلئے جو کام کیا ہے اور کر رہی ہے اِس نے ریاست کے اتحاد، استحکام اور فکری یگانگت پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ اور اس میں یہاں کے ادیبوں نے جو حصّہ ادا کیا ہے وہ ہماری تاریخ کے ایک شاندار باب کے طور پر لکھا جائے گا۔

آج کا یہ سیمینار جس میں آپ کو زبان و ادب کے مسائل کو زیرِ بحث لاتا ہے، آپ حضرات کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ آپ ۲۵ سال کے عرصے میں

اپنی کامیابیوں کے ساتھ اس کی بھی نشاندہی کریں جو آپ سے نہیں ہو سکا ہے اور آئندہ کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل بنائیں کہ ہر ایک زبان اور تہذیبی اکائی اپنی زبان، ادب، اپنی تہذیب و ثقافت کو جلد سے جلد ترقی سے ہمکنار کر سکے۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ صاحب کی حکومت نے عوام کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ سماجی انصاف کے ساتھ ساتھ اقتصادی طور ہی نہیں بلکہ ثقافتی طور پر بھی کسی امتیاز کے بغیر سبھی کو آگے بڑھنے کے مناسب اور یکسان مواقع میسر ہونگے۔ حکومت سے جتنا بھی ہوگا اُن کی مدد کرے گی۔

ٹینگ صاحب نے یہاں تہذیب محل کی تعمیر کا ذکر کیا۔ اُنہیں مالی دشواریوں کا علم ہے لیکن ہم نے یہ تہیہ کیا ہے کہ ہم مرحلہ وار ہی سہی، اس کام کو ضرور ہاتھ میں لیں گے۔ اسی طرح سے دستاویزی فلمیں بنانے کی تجویز اُنہوں نے پیش کی ہے۔ حکومت کو اپنے شاندار رنگارنگ تہذیبی ورثے کا احساس ہے اور اس معاملے میں، میں بھی یہی کہونگا کہ یہ ابتدا کریں حکومت کو یہ پیچھے نہیں پائیں گے۔ بھرپور امداد ہوگی، تاکہ ہمارا یہ تہذیبی ورثہ محفوظ بھی رہے، آگے بھی بڑھے اور اس کی رنگارنگی سے دوسرے بھی فیضیاب ہوں۔

آزادی حاصل کئے ہوئے تین دہائیوں سے بھی زیادہ عرصہ ہوا ہے۔ اب بھی زبانوں کے جھگڑے ملک میں موجود ہیں۔ اب بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو زبانوں کے مسئلے کو اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ تہذیبی اکائیوں کو خلط ملط کرنے یا ضم کرنے کی بات اتحاد کے خلاف ہے۔ ہم آہنگی، نشو و نما پانے، بڑھنے اور محفوظ رہنے کے لئے فضا اور ماحول موجود ہو تو اس سے اتحاد و استحکام بڑھے گا۔ تہذیبی اکائیوں کے احترام کا ایک عنصر اگر ہمارے نظام میں داخل ہو جائے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی ہو، تو

اِس سے استحکام و یک جہتی کو پیدا کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس ملک میں زبانی جمع و خرچ تو بہت ہوتا رہا ہے۔ ہم نے تو اپنے طور پر اس ریاست میں ایک مثال قایم کی ہے۔ آج بھی یو۔پی اور بہار میں اُردو بولنے والے زندگی اور موت کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہر الیکشن کی آمد پر انہیں کچھ وعدے ملتے ہیں جو ایفا نہیں ہوتے۔ آج بھی ملک کے کئی حصوں میں چھوٹی چھوٹی زبانیں بولنے والے موجود ہیں جو یہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ اِن کی تہذیب و ثقافت کسی حملے کا شکار نہ ہو جائے۔ ہمارے قومی تشریاتی اداروں کو اِس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ جنوب کا رہنے والا یہ نہ سوچے کہ شمال کی تہذیب اِس پر غلبہ پا رہی ہے۔ مشرق والا یہ نہ سمجھے کہ مغرب کا اس پر غلبہ ہو رہا ہے کہیں جموں و کشمیر کے یہ تہذیبی رنگا رنگی والے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ کوئی دیو مالائی تہذیب اُن کو ضم کر رہی ہے۔ جب تک ہر تہذیبی اکائی کے لیے ہم احساسِ تحفظ پیدا نہ کریں اور عملی طور پر اِس کی ضمانت نہ دیں اور قول و فعل کے تضاد کو ختم نہ کریں، یک جہتی اور استحکام کا عمل ادھورا رہے گا۔

ہماری چھوٹی سی ریاست کی دس زبانوں کے ادیب و دانشور جو آج یہاں جمع ہوئے ہیں اُنکا یکجا ہونا اور اس سیمینار میں شرکت کرنا بجائے خود ایک بڑی بات ہے جبکہ پڑوس میں اسی زبان کی بنیاد پر جھگڑا بڑی بھیانک صورت اختیار کر چکا ہے۔ اگر آج بھی وہاں کا پنجابی خود کو پہلے پنجابی اور بعد میں سکھ یا ہندو سمجھے تو شاید بہت سا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آج ہم ایک تاریخی موڑ پر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنی ریاست کی زبانوں اور تہذیب میں ہم آہنگی تو پیدا کرتی ہی ہے، اپنے لئے نئی راہیں کھولنی ہی ہیں، نئی منزلیں متعین کرنی ہی ہیں لیکن دوسروں کو بھی راستہ دکھاتا ہے۔ دوسروں

کے لئے بھی ایک شمع روشن کرنی ہے۔ گاندھی جی کو ۱۹۴۷ء میں بھی کشمیر سے ہی روشنی کی ایک کرن نظر آئی تھی اور مجھے امید ہے کہ آج کا ادیبوں اور دانشوروں کا یہ اجتماع یہاں سے ایک روشنی کی کرن پیدا کرے گا جو سارے ہندوستان کو روشن کرے گی۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی قیادت میں عوامی حکومت کی طرف سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے جو بھی مطالبات اور تجاویز ہیں انہیں ہم زبانی نہیں عملی طور پر کر دکھائیں گے۔ خدا کرے آج کا یہ سیمینار ہمارے لئے ایک نیا پروگرام، ایک نیا لائحہ عمل لیکر سامنے آئے اور آئندہ ۲۵ سال میں جب ہم اُن پر عمل کر کے دیکھیں کہ ہم نے اتنی منزلیں طے کی ہوں اور دنیا دیکھے کہ کتنی جلدی ہم نے ترقی کی ہے، آگے بڑھے ہیں اور اپنی تہذیبی سطح کو اونچا کیا ہے۔ مادی ترقی ہی کافی نہیں ۔۔ جب تک تہذیبی اعتبار سے بھی ہماری سطح اونچی نہ ہوگی چاہے ہم نے مادی طور پر کتنی ہی ترقی کیوں نہ کی ہو ہم ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ قوموں میں شامل نہ ہو پائیں گے۔ اسکے لئے ہمیں اپنی تہذیبی سطح کو اونچا کرنا ہے اور نئے حالات، نئے تقاضوں اور زمانے کے مطابق اپنے ادب اور اپنی زبان کو ایک طرح دینی ہے۔

مجھے امید ہے کہ ادیبوں اور دانشوروں کا یہ اجتماع اپنا وہ حق ادا کرے گا۔ آخر پر حضرت علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر سیمینار کی نذر کرتا ہوں:۔ ع

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

جموں (۲۵ر مارچ سنہ ۱۹۸۴ء)

●

جن کو دعویٰ ہے سخن کا.....

خطبۂ استقبالیہ

محمد یوسف ٹینگ
سیکریٹری اکادمی

معزز مہمانِ خصوصی وزیرِ تعلیم صاحب
ڈیلی گیٹ صاحبان، معزز خواتین وحضرات!

میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں کہ مجھے جموں وکشمیر کلچرل اکادمی کی سلور جوبلی کی اِس تاریخی تقریب میں آپ سب کو خوش آمدید کہنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اکادمی کی اِسوقت تک کی کامیابیاں اور ناکامیاں اِس سیمنار کا موضوعِ بحث ہیں۔ میں اِس ادارے کے ایک خدمت گُذار کی حیثیت سے اُن پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اِسے غالب کی طرفداری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اِن پر رائے دینے اور فیصلہ صادر کرنے کا اختیار اِس نمائندہ اِجتماع ہی کو حاصل ہے۔ ہم اکادمی کے خدمت گُذاروں کے لئے یہی مُناسب ہے کہ اِس معاملے میں اپنی زبان بند رکھ کر اپنے کان کُھلے رکھیں اور اپنے دفترِ عمل پر آپ کے فیصلوں کو سُن کر نہ صرف اپنی رفتار میں اِمکانی غلطیوں کو درُست کرلیں بلکہ اِس رفتار کو تیز تر کرنے اور پچیس سالہ

تجربات کی روشنی میں اِس کی سمت سنوارنے کی طرف بھی توجہ دیں۔ اداروں کی زندگی میں افراد عارضی کرداروں کی طرح آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ لیکن ادارے کی بقا اور اس کی تندرستی افراد سے بالاتر مقصد ہوتی ہے۔ اور اسلئے ہماری اکادمی کی کارکردگی کو بھی افراد کی سطح سے بلند ہو کر مقاصد اور نتائج کی کسوٹی پر دیکھنا ہو گا۔

کلچرل اکادمی کی کارکردگی کے متعلق تو اس سیمینار کی کاروائی کے بعد ہی ایک واضح تصوّر اُبھر سکے گا۔ لیکن خود اکادمی کا قیام ایک عظیم خواب کی تعبیر تھا۔ ریاستی عوام نے اپنی جد و جہدِ آزادی کے دوران جب اپنے مستقبل کا نقشہ چشمِ تصوّر کے سامنے لایا۔ تو اِس میں ایک تہذیبی شیرازہ بندی کا مقصد بڑا نمایاں تھا۔ ہماری دانشمند اور روشن خیال قیادت نے جب آج سے چالیس برس پہلے یعنی ۱۹۴۴ء میں مستقبل کی ریاست کا خاکہ "نیا کشمیر" کی شہرہ آفاق دستاویز میں کھینچا۔ تو اِس میں ایک کلچرل اکادمی کا قیام بھی شامل تھا۔ چنانچہ جب ۱۹۵۷ء میں ریاست کی دستور ساز اسمبلی نے ریاست کا آئین منظور کیا۔ تو اِس میں سرکار کے لئے کلچرل اکیڈیمی کے قیام کو ایک آئینی لازمہ بنایا گیا۔ اور کلچرل اکادمی کے قیام کا اعلان صدرِ ریاست یوراج کرن سنگھ کے اعلان نمبر 4/SR/58 مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۵۸ء کو کیا گیا۔ صدرِ ریاست نے ہی اکادمی کھولنے کی رسمِ افتتاح ۴ار اگست ۱۹۵۸ء کو سری نگر میں انجام دی۔ کلچرل اکیڈیمی کے پہلے دفتر کا افتتاح اکادمی کے بانی صدر بخشی غلام محمد مرحوم نے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو کیا۔ اُس وقت اکادمی کا پہلا بجٹ پچاس ہزار روپے پر مشتمل تھا۔ گذشتہ پچیس برسوں میں بجٹ کی یہ رقم ساٹھ لاکھ روپے سالانہ تک پہنچ گئی ہے جو ریاست کی
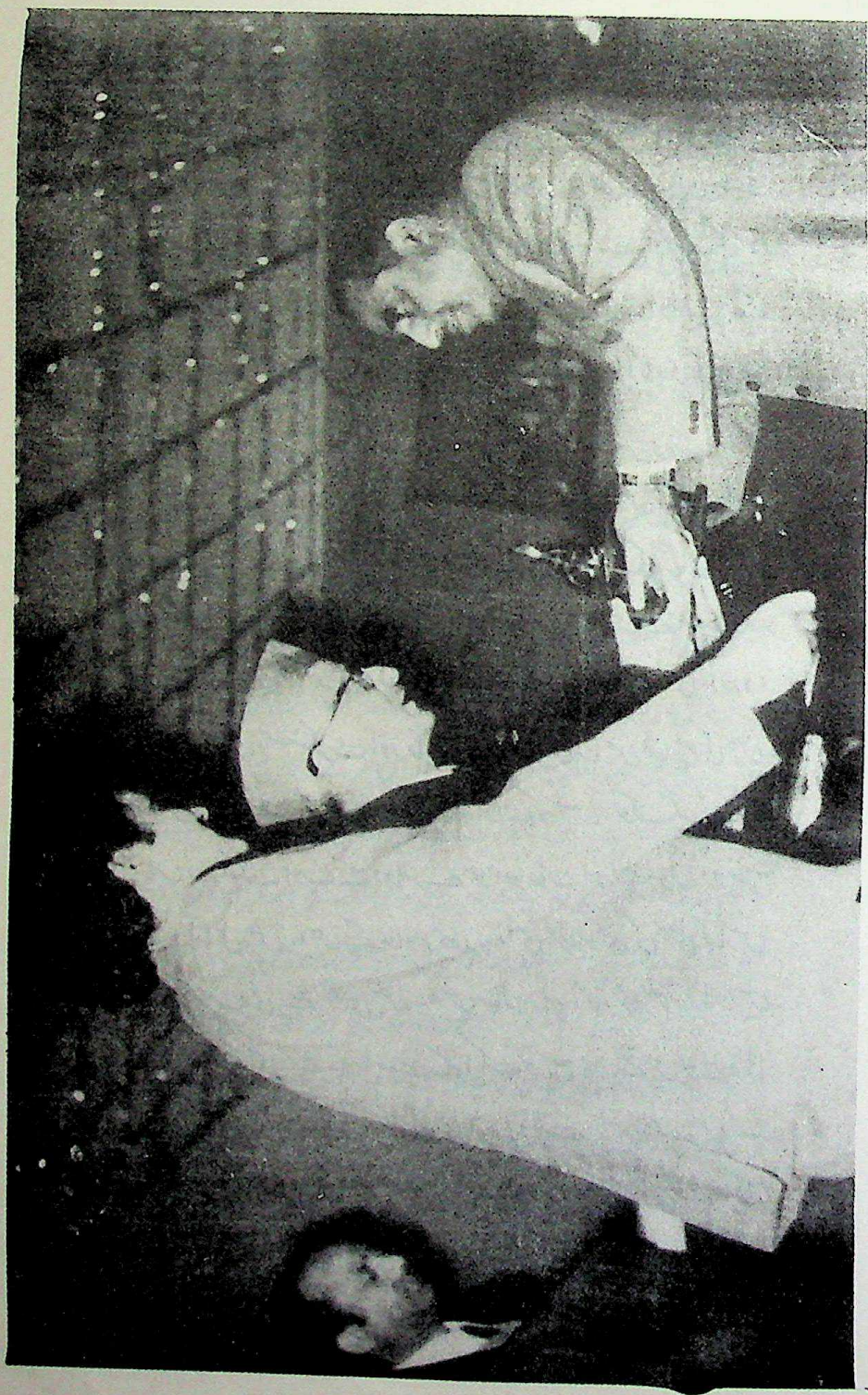
آبادی کے اوسط سے ملک بھر کی تمام اکادمیوں میں سب سے بڑا بجٹ ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری اکادمی اِس ریاست میں دس زبانوں میں ادب کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں ساہتیہ اکادمی کے علاوہ فنونِ لطیفہ کے دوسرے شعبوں کی ترویج کے لئے للت کلا اور سنگیت ناٹک اکادمیوں کا کام بھی کر رہی ہے۔ چونکہ آج کے سیمینار میں صرف زبان و ادب کے معاملات و مسائل پر بات ہوگی اسلئے میں بھی اپنی چرچا اکادمی کی اِن ہی خدمات تک محدود رکھوں گا۔

کلچرل اکادمی نے گذشتہ پچیس سال میں ریاست میں زبان و ادب کی خدمت کے لئے جو کچھ کیا اُس کو خشک اعداد و شمار کی زبانی پیش کرنا یا سمجھنا بس ایک خاص حد تک ہی ممکن ہے۔ اِس نے منصوبہ بند طریقے سے ڈوگری، کشمیری، لداخی، پنجابی، گوجری، پہاڑی، اُردو، ہندی، انگریزی، سنسکرت اور فارسی زبانوں میں کتابیں شایع کی ہیں۔ جنمیں گرائمر، ڈکشنریاں، محاورہ اور کہاوت کوش، لوک گیت، لوک کہانیاں اور لوک ادب کے دوسرے موضوعات اور بیسیوں دوسرے عنوانات شامل ہیں۔ اِس کے علاوہ بھدرواہی اور پوگلی کی پہلی کتابیں بھی اسی کی مساعی سے چھپی ہیں۔ اِس سال سے اکادمی بلتی زبان میں اپنا کھاتہ کھول رہی ہے۔ ریاست کے ایک وسیع علاقے میں بولنے والی اِس زبان کا "شیرازہ" اور سالانہ انتھالوجی اِس وقت پریس میں ہیں۔ اکادمی کا رسالہ "شیرازہ" اِس وقت کشمیری، ڈوگری، اردو، پنجابی، گوجری، پہاڑی، لداخی اور ہندی میں شایع ہو رہا ہے۔ اور اکثر صورتوں میں اِن زبانوں کا واحد ادبی رسالہ ہے۔ ریاست جموں و کشمیر

کے ادب اور تمدن پر لکھنے والوں کا کام اِس رسالے کی طرف توجہ کئے بغیر ہرگز مکمل نہیں کیا جا سکتا ۔ اکادمی کی کتابوں کی مدد سے ہی سرینگر میں کشمیری اور جموں میں ڈوگری کی ایم ۔ اے کلاسیں جاری ہو سکی ہیں اور اکادمی کی مطبوعات کی مقبولیت کا دایرہ اب ریاست اور ملک کی سرحدوں سے باہر پاکستان ، انگلستان ، فرانس ، جاپان ، امریکہ اور مشرقی افریقہ کے ملکوں تک پھیل چکا ہے ۔ تفصیلات بیان کرنے کی اس وقت گنجایش نہیں ہے ۔ لیکن چند سرخیوں کے بیان سے اکادمی کے کام کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ جاری مالی سال سے پہلے اکادمی نے کوئی پونے پانچ سو کتابیں اپنی طرف سے شایع کی ہیں جن میں ڈوگری اور کشمیری زبان کی مطبوعات کی تعداد ایک ایک سو سے زیادہ ہے ۔ اِن میں اِن زبانوں کی اولین ڈکشنریاں بھی ہیں اور لوک ادب کا تقریباً مکمل اور مفصل گنجینہ بھی ہے ۔ ڈوگری زبان میں ہی ہم نے لوک گیتوں اور لوک کہانیوں کی ایک ایک درجن سے زیادہ جلدیں شایع کی ہیں ۔ کشمیری زبان بھی اس معاملے میں تقریباً ہم قدم ہے ۔ پچھلے سال تک اکادمی کی مالی اِمداد سے کوئی سات سو کتابیں مختلف انفرادی ادیبوں نے مختلف زبانوں میں شایع کی تھیں جن پر اکادمی نے کوئی ساڑھے تین لاکھ روپے کی سبسڈی دی ۔ اس وقت تک ۱۳۷ کتابوں اور ۱۴ ڈرامہ مسودوں کو بہترین ادب کے سلسلے میں انعامات دیئے جا چکے ہیں ۔ ۶ ممتاز ادیبوں اور تمدنی شخصیات کو اکادمی کے فیلوشپ اور ۳۱ شخصیات کو خلعتِ فاخرہ سے نوازا گیا ہے ۔ اکادمی کی طرف سے اُردو کشمیری فرہنگ بارہ ۱۲ جلدوں میں اور کشمیری کشمیری لغت سات جلدوں میں مکمل کیا گیا ہے ۔

ڈوگری ڈوگری ڈکشنری کی دو جلدیں شائع ہوگئی ہیں اور اس وقت تیسری جلد
ریلیز کی جانے والی ہے۔ اب وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اگلے تین برسوں
میں یہ عظیم منصوبہ بھی مکمل ہو جائے گا۔ ڈوگری ہندی ڈکشنری کی پہلی جلد
شائع ہو رہی ہے۔ لداخی ڈکشنری پر بھی کام شروع ہو رہا ہے۔ اور
انسائیکلو پیڈیا کشمیریانہ کی پہلی جلد پریس کے لئے تیار ہے۔ اکادمی کی
طرف سے ریاست کے طول و عرض میں مختلف ادبی اور ثقافتی انجمنوں
کو ہر سال مالی امداد دی جاتی ہے اور اکادمی نے آج تک اِس سلسلے میں
پچیس لاکھ روپے سے زیادہ اِمداد فراہم کی ہے۔ اکادمی نے ۱۹۶۲ء میں
اِس منصوبے کی ابتداء چھ سو روپے سالانہ سے کی تھی۔ اور اس سال
ہم ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم بانٹ رہے ہیں۔ اکادمی گذشتہ ۱۴ برس
سے اُن ادیبوں یا ان کے وارثوں کو جن کی مالی حالت خراب ہے اپنی
مقدور کے مطابق اِمداد کر رہی ہے اور اِس وقت ایسے مستحق حضرات
کی تعداد ۲۶ تک پہنچ گئی ہے۔ اکادمی کی اِن سرگرمیوں کی بدولت
ریاست میں ایک خوشگوار تہذیبی فضا قائم ہوتے میں مدد مل رہی ہے۔
چنانچہ اکادمی کی بہت سی کتابوں کے ایڈیشن پر ایڈیشن چھپ رہے
ہیں۔ لیکن اِن کی مانگ پھر بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ سری نگر میں اکادمی
کے کتاب گھر کی کامیابی نے ایک بہت ہی حوصلہ افزا صورت پیدا
کر دی ہے۔ چنانچہ ملک کے بڑے بڑے اشاعتی ادارے اِس وقت
کتاب گھر کی خدمات کو استعمال کرنے کے لیے ہمارے یہاں دستک
دے رہے ہیں اور اِن اداروں کی کتابیں بھی اب کتاب گھر میں ہاتھوں
ہاتھ بک رہی ہیں۔ اِسی طرح کلچرل اکادمی نے ریاست کے ثقافتی

ورثے اور ادب سے متعلق نادر دستاویزوں، قلمی نسخوں اور دوسرے RELICS پر مشتمل ایک ایسا ذخیرہ جمع کیا ہے کہ وہ ایک شاندار ادبی میوزیم میں سجایا جاسکتا ہے۔ اکادمی نے سنہ ۱۹۷ء میں لداخ کی الچی گنپا کی فلم بندی اور DOCUMENTATION کی تھی۔ اِس کے بعد اِس کا چرچا ساری دنیا میں عام ہوگیا۔ اکادمی کی ہی آواز کے نتیجے میں حکومتِ ہند نے الچی گنپا کی حفاظت کے لیئے اقدام کیئے۔ کلچرل اکادمی کے اہتمام سے ملک اور ریاست کے عظیم ادبی رہبروں کی صدی تقریبات منائی گئی ہیں۔ اور روشنی کے ان میناروں پر شاندار لٹریچر فراہم کیا گیا ہے۔ اِن میں ٹیگور، مہاتما گاندھی، نُند ریشی، للہ عارفہ، گورو نانک، آربندو، اقبالؔ، غالبؔ، پریم چند، سور داس، میرا، سبھرامنیم بھارتی، بابا فرید گنج شکر، کالیداس اور ہجری صدیاں قابلِ ذکر ہیں۔ نوجوان ادیبوں کے لیئے خاص پروگرام شروع کیئے گئے ہیں۔ اور "شیرازہ" کے خاص شُمارے اُن کے لئے مخصوص رکھے جاتے ہیں۔ بہرحال اکادمی کی ہمہ جہت سرگرمیوں اور کارناموں کا سرسری تجزیہ کرنا بھی تفصیل طلب ہے اور اس کے لیئے یہ وقت موزون نہیں۔ اِس سلسلے میں اِس پر بجا طور کشمیری شاعر رسول میر کا یہ شعر صادق آتا ہے۔ ع

زاؐلی واٹھکن بال بیٚلہِ لاگہٕ شُمار ... پچھ لگنس گنٛزرنس لچھ تے ہزار
اَمہٕ شایہٕ نو موکلن یا ئے لوبو ... ...

(اگر وہ معشوقہ ناز زُلف کا شُمار شروع کردے تو اسمیں بے شُمار پندرھواڑے صرف ہونگے کہ اِس کی کوئی انتہا نہیں ہے)۔

کلچرل اکادمی نے آج تک جو بھی کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آیزک

نیوٹن کے الفاظ میں وہ بس سمندر کے کنارے کنکروں کو جمع کرتا ہے۔
لیکن اس کے سامنے امکانات اور اقدامات کے موتیوں سے لبریز ایک بحرِ
بے پایاں موجود ہے۔ ہماری ریاست تمدنی لحاظ سے اس قدر مالا مال
ہے کہ اس کے سارے امکانات کو اجاگر کرنے کے لئے بے انتہا محنت
اور بے پناہ وسیلوں کی ضرورت ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ جیولاجی
یعنی علم ارضیات کے حساب سے ہماری ریاست، خواہ وہ لداخ ہو، کشمیر
ہو یا جموں، زمین کا ایسا قدرتی عجائب خانہ ہے، جو ساری دُنیا کو
سمجھنے کے لئے حوالے کی دستاویز ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمدنی لحاظ سے
بھی ہماری تہیں اور پرتیں اتنی ہیں کہ چاہے جتنی بھی پرتیں کھولتے
جائیے ایک اور تہذیبی تہہ نکل آئیگی۔ دراوڑ، ناگ، پشاچ، یونان،
گشتان، بودھ، چینی، عجمی، ہندو، مسلم اور انگریزی تہذیب نے
یہاں اس طور سے اپنا اثر ڈالا ہے کہ بقولِ غالبؔ ع

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

اس تہذیبی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کی ساری رنگارنگیوں اور اسرار
سے پردہ ہٹانے کا کام قسمت نے کلچرل اکادمی کے مقدر میں لکھا ہے۔
لداخ کی گنپاؤں میں آج سے ایک ہزار برس پہلے کی دیواری تصاویر
محفوظ ہیں اور یہ دُنیا میں گنتی کے حساب سے سب سے بڑا اور عمر کے حساب
سے سب سے پرانے نگارخانوں میں سے ایک ہے۔ ان تصاویر میں چین
اور ہندوستان، کشمیر اور فارس ساری تہذیبوں کے موقلم اور نقوش جمع
ہو گئے ہیں۔ ان کے اسرار و رموز کی پردہ کشائی کلچرل اکادمی کو ہی کرنی پڑیگی۔
اسی طرح جموں اور گول گلاب گڈھ سے لے کر بسوہلی تک قدیم تہذیبوں

کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اُن کے راز ابھی کھولے نہیں گئے۔ کشمیر میں تو سلمان رُشدی کے بقول ہر آنگن کی مٹی میں سات تہذیبوں کی تہیں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ کشمیر کے ہی کسی جنگل میں شہنشاہ کنشک کی امانت تامر پتروں کا وہ گنج بے بہا چھپا ہوا ہے جس پر تیسری عالمی بودھ کونسل کی کاروائی درج ہے اور دو ہزار سال کے بعد، جس کی دریافت تمام دُنیا کے تہذیبی منظر کو زیر و زبر کر سکتی ہے۔ کلچرل اکادمی کو اپنے حواس اس قدر تیز کرنے ہوں گے کہ وہ اِن سرگوشیوں کو سُن کر ان کے حُسن سے سارے عالم کو واقف کر دے۔

اِس کے علاوہ کلچرل اکادمی کو اب جدید زمانے کی ٹیکنالوجی سے ہاتھ ملا کر ریاست کی عظیم تمدنی میراث کو ماضی کے ہاتھ سے نکال کر مستقبل کے ہاتھوں سونپنے کے اقدامات کرنا ہوں گے۔ اِس سلسلے میں ایک فلم کارپوریشن کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے اِسے اپنے کاندھے تیار کرنا ہوں گے۔ ہماری اہم زبانوں کشمیری، ڈوگری، لداخی، گوجری وغیرہ میں فلمیں بنانے کے نہ تجارتی امکانات ہیں اور نہ آرٹ یا دستاویزی فلمیں بنانے کا کوئی ادارہ ہے۔ نتیجہ یہ کہ اِن زبانوں کی ترقی اور انکی مقبولیت بڑھانے کا اہم ترین ذریعہ موجود نہیں ہے۔ ہماری ثقافتی میراث کو موجودہ زمانے کے اِس اہم ترین میڈیم کے بغیر اُجاگر کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ اِن زبانوں کی یہ کوتاہی پورا کرنے کے لئے کلچرل اکادمی اپنے مستقبل شناس صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی قیادت میں جلد کمربستہ ہو سکے گی۔ اور صاف ستھرے ادبی، تمدنی اور تواریخی موضوعات پر دلچسپ اور معیاری دستاویزی فلمیں تیار کرنے

کی طرف توجہ دے گی۔ اِن دستاویزی فلموں کو دوسری بڑی زبانوں میں منتقل کر کے ہم سارے دیش اور دنیا میں جموں، کشمیر اور لداخ کی ایک مُستند اور من موہنی تصویر پیش کر سکتے ہیں۔

میں اِس مرحلے پر اپنے جواں سال اور عالی حوصلہ صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ صاحب کا اُس فیاضی کے لئے شُکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جِس فیاضی سے اُن کی حکومت اکادمی کو گرانٹ دیتی ہے۔ اکادمی کو اُن توقعات کا علم ہے جو بڑھتی ہوئی ثقافتی سرگرمیوں سے ادیبوں نے اکادمی سے وابستہ کی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ریاست میں تہذیبی شعور کی بیداری سے اب دانشور طبقے کی توقعات بلکہ ضروریات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ اکادمی کے انعامات، معاوضوں اور دوسری ترقیّاتی سرگرمیوں کی رقومات میں اضافے پر زور دے رہے ہیں۔ خاص طور انفرادی ادیبوں کی کتابوں پر اکادمی جو مالی امداد دے رہی ہے اُسے بہت کم سمجھا جا رہا ہے۔ ریاست میں دس زبانوں میں کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور ہر سال، ہر زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ کتابوں کے لئے کاغذ، کمپوزنگ، کتابت، چھپائی اور جلدبندی وغیرہ کی لاگت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور ادیبوں کی یہ خواہش بھی ہونے لگی ہے کہ اُنکی کتابیں بہتر سے بہتر طور آراستہ ہو کر چھپیں۔ ادھر ریاست میں بھی اچھا ادب، ادیب کے لئے پیسہ واپس نہیں لا سکتا کہ اس کی خریداری بہت کم ہے۔ اِن حالات میں اُن کی نگاہیں اکادمی پر ہی پڑتی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اپنے استقبال آگاہ وزیراعلیٰ کے ہمدردانہ روّیے سے ہم بہت جلد اس معاملے میں ادیبوں کی توقعات کے زیادہ نزدیک

آسکیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایمپی تھیٹر کی تعمیر اور اب آفس بلاک پر کام شروع ہونے سے جموں میں اکادمی کا اپنا گھر بننے کی صورت پیدا ہو چلی ہے۔ سرینگر اور لیہہ میں بھی کلچرل کمپلیکس تعمیر کرنے کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ سرینگر میں تہذیب محل کی تعمیر ہمارے مرحوم صدر شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا ایک محبوب منصوبہ تھا۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اپنے دستِ مبارک سے اُس کا سنگِ بنیاد رکھی رکھا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ بہت جلد ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی قیادت میں سری نگر کے تہذیب محل کی تعمیر کے ساتھ ساتھ لیہہ میں بھی اِس منصوبے کو پورا کرنے کے اقدامات تیز تر کئے جا سکیں گے۔

کلچرل اکادمی نے زبان اور ادب کے شعبے میں اپنی کارگزاری کو بحث کرنے کے لئے اپنے آپ کو آپ کے سامنے کٹہرے میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ اکادمی کے کارکنوں نے اگرچہ اپنی بساط کے مطابق خوب لگن سے کام لیا ہے۔ لیکن وہ اِنسان ہیں اور اِنسانوں سے غلطیاں ہو جانا غیر معمولی نہیں ہمیں بہت سے حالات میں خود اپنے راستے بنانے پڑے ہیں کہ بہت سے راستوں کو اس سے پہلے سفر کیلئے کھولا ہی نہیں گیا تھا۔ ہمیں خود اپنے تجربات کی کُٹھالی میں پگھل کر اپنی منزل پہچاننی پڑی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سمینار کے بعد ہم نہ صرف ایسی غلطیوں کی نشاندہی کر پائیں گے بلکہ آپ کی انفرادی اور اجتماعی دانشمندی اور باتدبیر رہنمائی کی بدولت اکادمی کے آئندہ سفر کے لئے زیادہ بہتر اور کارآمد منزلوں کی سمت بھی مقرر
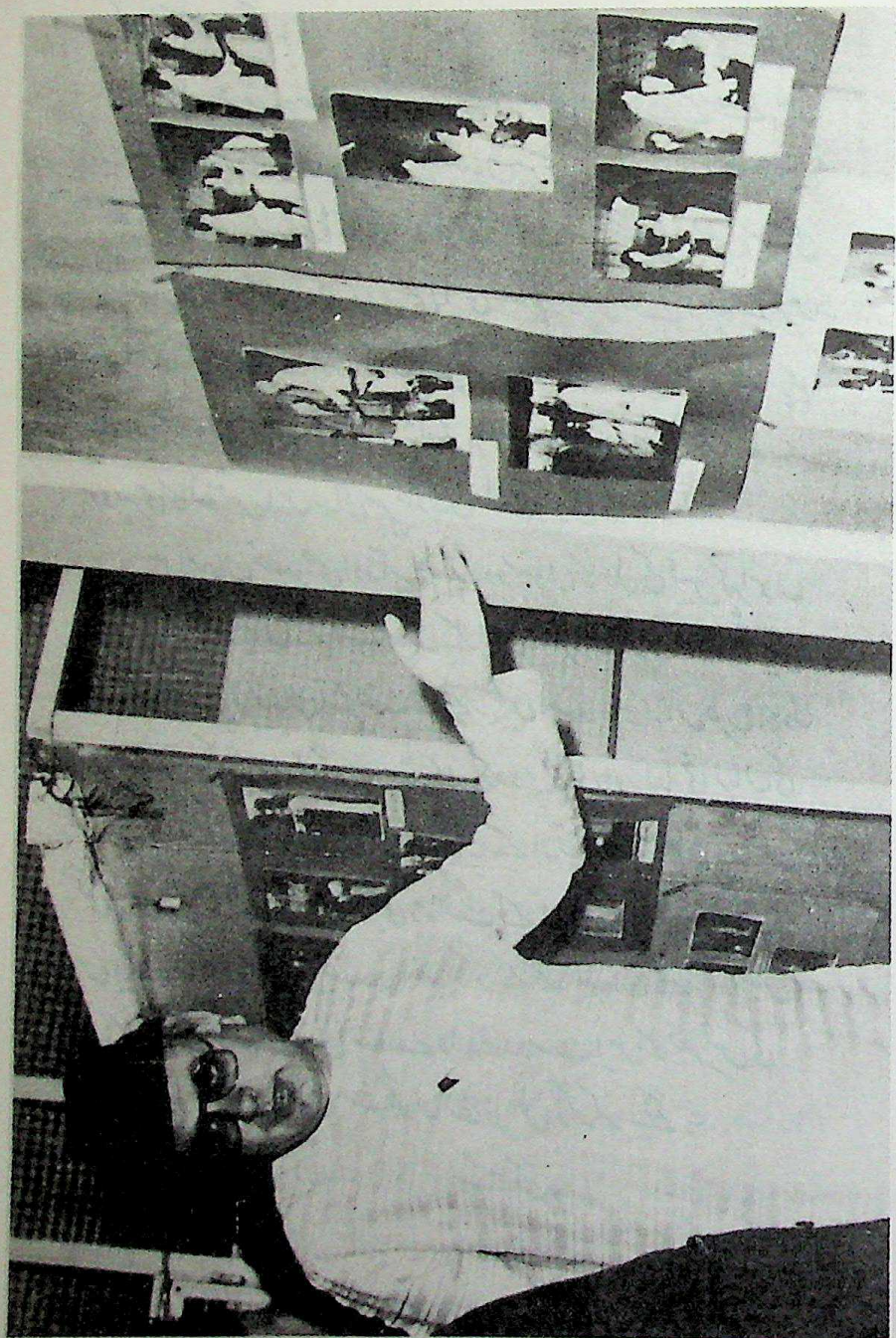
کر پاسکیں گے ۔

ایک حرفِ وضاحت یہ ہے کہ سلور جوبلی تقریبات کے سلسلے میں یہ سیمینار صرف زبان و ادب کے شعبوں پر محیط ہے ۔ ہماری خواہش تھی کہ اکادمی کے دائرۂ کار کی دوسری جہتوں مثلاً تھیٹر، رقص، موسیقی، مُصوری اور مجسمہ سازی پر بھی اسی سیمینار میں بحث و مباحثہ کریں۔ مگر انتظامی مشکلات اور مالی حدبندیوں کی وجہ سے ہم ایسا نہ کر سکے ۔ ہم نے اِن شعبوں پر بھی مقالات تیار کروالئے ہیں ۔ اور انشاءاللہ ان پر دوسری کانفرنس اِس سال سرینگر میں منعقد ہوگی ۔

میں مہمانِ خصوصی اور آپ سب دوستوں کا دِل کی عمیق گہرائیوں سے شُکر گذار ہوں ۔ کہ آپ سال کے اِس مصروف ترین وقت میں ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے ۔ ہمیں امید ہے کہ جس طرح اکادمی کے اہتمام سے کشمیری، ڈوگری، ہندی، اُردو، پنجابی اور لداخی زبان کی کُل ہند کانفرنس ریاست میں اُن زبانوں کے ارتقاٗ کا مستقل باب بن گئی ہیں ۔ اِسی طرح یہ سیمینار بھی ریاست کے ادبی کاروان کی پیشقدمی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت اختیار کرے گا۔ اور آج سے پچیس سال بعد اکادمی کی گولڈن جوبلی منانے والے دوست اِس کانفرنس کی کاروائی اور فیصلوں کا خوشگوار الفاظ میں ذکر کرینگے ؛

شُکریہ !

کشمیری زبان و ادب اور اکادمی کے پچیس (۲۵) سال

پروفیسر غلام نبی فراق

ریاست جموں و کشمیر کی کلچرل اکادمی اِس سال اپنے پچیس برس پورے کر رہی ہے۔ اِن برسوں میں یہ اہم ادارہ کشمیری زبان و ادب کی جو قابلِ قدر خدمت انجام دیتا آرہا ہے۔ اِسکا بھرپور اور صحت مند تبصرہ چاہئے۔ ہنا چاہیے کہ ان حالات کا بھی مختصر ہی سہی مگر بغور مطالعہ کیا جائے اور جائزہ لیا جائے جن میں یہ زبان اِس اہم ادارے کے قیام سے پہلے اپنی بقاء کو قائم رکھنے کے لیئے اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ جد و جہد کرتی رہی ہے۔ اِس زبان سے متعلق چودھویں صدی عیسوی کی لل دید سے پہلے کا زمانہ دُھند میں کچھ اِس طرح چھپا ہوا نظر آتا ہے کہ ہم آج بھی اِس کے بارے میں زیادہ تر قیاس آرائیوں سے ہی کام لیتے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اِس قدیم دور میں یہاں کے علمی، ادبی اور مذہبی حلقوں میں اِس زبان کے لیئے کوئی رول ہی نہیں تھا۔ لل دید کے بعد کے زمانے سے اِس صدی کی چوتھی دہائی تک کشمیری زبان کو جو ماحول مِلا اگرچہ وہ قدیم زمانے کے ماحول سے قدرے مختلف تھا تاہم اُسے بھی حوصلہ شکن اور مایوس کن ہی جتلایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیری زبان کے لیئے عام طور

دربار کے دروازے بند رہے ہیں اور یہ زبان حکمرانوں کی مشفقانہ سرپرستی سے بھی محروم رہی ہے۔ اِس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی رہی ہے کہ اُن لوگوں کو اس زبان کے ساتھ نہ کوئی جذباتی لگاؤ تھا اور نہ وہ اِس زبان کو سیکھنے پر مجبور ہو گئے اور نہ اِسے سکھانے کا کہیں کوئی انتظام تھا۔ سیاسی لحاظ سے اِس کے بولنے والوں کا اِستحصال کیا جاتا رہا اور زندگی کے باقی شعبے بھی اِس سے متاثر ہو گئے۔ واقعات کا مطالعہ ہمیں اِسی سچائی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زبان وادب کے بارے میں یہاں ہمیشہ دو متوازی ندیاں بہتی آرہی ہیں۔ ایک وہ جسے شاہی دربار کے چشموں سے پانی ملتا رہا ہے اور دوسری وہ جس کا سرچشمہ دربار سے دور کشمیری زبان بولنے والے عام لوگ رہے ہیں۔ یہ صورت حال آج بھی ہمارے سامنے ہے۔ تجربے کی بِنا پر آج ہم بغیر کسی جھجک کے کہہ سکتے ہیں کہ درباری چشموں کا پانی حاصل کرنے والی ندی کا حال برسات کی ندی سے مختلف نہیں رہا ہے۔ اِس کے بالکل برعکس جس ندی کو یہاں کے عوامی چشموں سے پانی ملتا رہا ہے اُس کی موجوں کے تلاطم اور بہاو میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ زبان وادب کی اہمیت سے متعلق اپنی تنگ نظری کے باوجود اور زمانے کے ظالم ہاتھوں سے جو ادب بچا ہے اُسکی صورت اور سیرت اسی حقیقت سے پردہ اُٹھاتی ہے۔ صدیوں پر پھیلے ہوئے اس حوصلہ شکن طویل دور میں یہاں کے شاعروں اور فنکاروں نے پھر بھی اپنے احساسات اور جذبات کی تپتی آگ سے اِس کو حرارت بخشی اور کم از کم اِس کی زندگی کے سامان بہم کئے۔ اگرچہ ان عوامی کوششوں سے لوگ

اِس زبان سے غافل نہیں رہے اور یہ زندہ رہی لیکن ہمہ پہلو ترقی سے
روشناس ہونا اِس کے مقدر میں ابھی تک نہیں آیا تھا۔ جو کچھ بھی لکھا گیا
بدقسمتی سے اِس کا بیشتر حصہ یا تو دیمکوں کی خوراک بنتا رہا یا لوگوں کی
کم علمی کی وجہ سے ضایع ہوتا رہا۔ تاریخ میں پہلی بار اس صدی کی دوسری
چوتھائی سے یہاں کے سیاسی اور دوسرے حالات نے زندگی پسند کروٹ لینا
شروع کی اور اِس کے نتیجے میں یہاں کے چند ایک کُتب فروشوں نے ماضی
میں لکھی گئی کشمیری شاعری میں سے کچھ انتخابات کو چھاپنے کی طرف قدم
بڑھایا۔ کام بڑا صبر آزما اور دشوار تھا اور ان کے پاس اتنے وسیلے اور
ذرائع نہیں تھے کہ اپنا منصوبہ تسلی بخش طور پر پورا کر سکتے۔ ہاں اُن سے
یہ فائدہ ہوا کہ لوگوں میں ماضی کے اِس گرانقدر ورثے کو محفوظ رکھنے
کا خیال بیدار ہوا۔ اِس صدی کی چوتھی دہائی میں اِس خیال میں تھوڑی
سی شدت اور آگئی مگر کسی زبان کے بولنے والوں کی روحانی، مادی اور
ذہنی ترقی کے لئے اِس زبان کو کام میں لانا مقصود ہو تو بقول علامہ
اقبالؒ :۔ تا بجانِ او سپارم ہوئے خویش
باز بینم در دلے او روئے خویش
ضروری بن جاتا ہے کہ اِس کے بولنے والے اپنی دانش و آگہی اور زندگی
سے متعلق اپنے گوناگوں تجربوں کو اِس میں منتقل کر کے ضایع ہونے
سے بچالیں اور آنے والی نسلوں کے فائدے کیلئے محفوظ رکھ لیں۔ میں
نے ابھی اشارہ کیا ہے کہ ماضی میں بھرپور طریقے پر ایسا نہیں ہوا ہے
کیونکہ حالات نے اِس زبان کے بولنے والوں کو اس صحت مند عمل سے
دور رکھا ہے۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا کشمیری قوم نہ اپنی

زبان کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ پائے گی اور نہ اپنا تشخص کر پائے گی۔ اِس کے نتیجے میں ترقی کے علاوہ عقل و دانش کا حصول بھی ماضی کیطرح ان کے لئے مشکل بنتا رہے گا اور اِس قوم کے افراد مجموعی طور پر حسیات کے لطیف اور گوناگوں دُنیا کی سیر سے بھی محروم ہی رہینگے ۔

جب ۱۹۴۷ء میں مُلک انگریزی سامراج کے تسلط اور دیس ہی کے نوابوں اور راجاؤں کی مُطلق العنانی سے آزاد ہوا تو حالات نے کروٹ لی۔ کشمیر میں بھی پہلی بار حکومت کی باگ ڈور عوامی نمایندوں کے ہاتھوں میں آگئی۔ ریڈیو سٹیشن قائم ہوا اور علم و ادب سے وابستہ ادیبوں، فنکاروں اور دانشوروں نے بھی اپنی شیرازہ بندی کی۔ کشمیری زبان سے متعلق نثری اور نظمی ادب میں ہئیت اور موضوع دونوں لحاظ سے نئے تجربے ہونے لگے۔ ایک ادبی رسالے "کونگ پوش" کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان کے رسم الخط کو قابلِ عمل بنانے کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی۔

پسماندہ اور فراموش کی گئی کشمیری زبان کو ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں لانے کیلئے ان کوششوں کو قابلِ تعریف تو کہا جاسکتا ہے لیکن یہ کسی بھی طرح کافی نہیں تھیں اور نہ ان کا دایٔرہ عمل وسیع تھا۔ اِس پس منظر میں دیکھا جائے تو ریاستی کلچرل اکادمی کا قیام ایک بے آب و گیاہ صحرا میں اُس چشمے سے کم نہیں جو اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ اچانک پھوٹ پڑے۔ اور ایک نخلستان کے لئے سامان بہم کرے۔ اور جب یہ ادارہ ۱۹۵۸ء میں قائم کیا گیا تو اِس کے سامنے کشمیری زبان و ادب سے متعلق بہت سے سنگین اور پیچیدہ

مسئلے تھے جن کو حل کرنے کے لئے اُس وقت کے اکیڈیمی سے متعلق افسران کے پاس کوئی واضح تصوّر بھی نہیں تھا۔ کچھ تو کرنا تھا اور شروع کیا گیا۔ متعدد نوجوان ادیبوں کو اس ادارے میں کام کرنے کی خواہش اُبھری جو پوری بھی ہوگئی۔ لیکن تحقیقی کام کی نوعیت واضح تصوّرات والے کچھ لوگوں کی تلاش میں تھی جو اُسے مل بھی گئے۔ کام شروع ہوگیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اِس کے دایئرے میں وُسعت آتی رہی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے۔

اِن برسوں میں ہمارے کلاسیکی ادب کا قیمتی اور بیشتر حِصّہ ترتیب اور تمہید کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اِسکا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ اِسے جیساکہ اس زبان کے ادب کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے، نابود ہونے سے بچایا گیا ہے۔ اور لوگوں کے مطالعہ کے لئے اِن کے سامنے رکھا گیا ہے۔ اس اہم کام کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں میں لکھی گئی کئی اچھی کتابوں کا کشمیری میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اِس طرح اِس زبان کے ادبی سرمایہ میں اچھا خاصا اِضافہ کیا گیا ہے۔ اِس اہم بات کی طرف اِشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ ۱۹۵۹ء سے برابر اِس سال تک اکادمی کی طرف سے ہر سال جدید شعرا اور ادیبوں کی طرف سے لکھی گئی بہترین تخلیقات اور دیگر علمی مضامین کا انتخاب "سون ادب" میں شایئع کیا جاتا ہے۔ اس طرح قدیم و جدید ماضی اور حال کے شاعروں اور ادیبوں کے نظم اور نثر پاروں کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ قاری تک پہنچانے کے لئے وسیلے بروے کار لائے جاتے ہیں۔ ان قابلِ قدر کوششوں کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیری زبان میں تواریخی اعتبار سے مستند ادبی تنقید کو جسکی ابھی اِس زبان میں شروعات ہی ہوئیں تھیں مثبت، صحت مند اور بامقصد بڑھاوا ملا ہے۔ اِن چھوٹے بڑے مگر اہمیّت کے

حاصل کارناموں سے احساسِ کمتری میں مبتلا درمیانی طبقے سے تعلق رکھنے والے چند ایسے لوگوں کے غصّے کی دھار کُند ہونے لگی ہے جنہیں اس اپنی مادری زبان سے اسلئے بھی خدا واسطے کا بیر تھا اور شاید اب بھی ہے کہ اُن سے پست اُن کے ہموطن اور ہمسائے بھی اِس زبان میں اُن کے ہم پلہ ہیں اور اُنہی کی طرح اپنے احساسات اور جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

کشمیری زبان سے متعلق اکادمی کا ایک اور اہم کارنامہ کشمیری ڈکشنری کی ترتیب وتدوین ہے۔ یہ کام اِسلئے بھی نازک اور مُشکل تھا کہ اِس میں ہر لفظ کو ایک ذمہ دار اور معتبر کلچرل ادارے کی طرف سے جسے حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہے، پہلی بار ہیپلنگ بھی دینا تھی۔ اِس میں اور باتوں کے علاوہ ایک مُشکل یہ تھی کہ کشمیری زبان میں رائج اُن الفاظ کے بارے میں جو فارسی اور عربی زبانوں سے یہاں آئے ہیں کچھ قدامت پسند لوگ ایک ایسا خیال پیش کرتے تھے جو جذباتی تو تھا مگر لسانی اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ اِس ادارے نے اِس مسئلے کو وقت کی نزاکت اور لِسانی اصولوں کے پیشِ نظر بھی بڑی خوبی سے حل کیا۔ یہ منصوبہ برسوں کی کاوش کے بعد مکمل ہوگیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس ڈکشنری میں کچھ خامیاں اور کمی رہ گئی ہیں۔ مثلاً قدیم وجدید الفاظ کی اچھی خاصی تعداد ہے جو اِس میں درج کرنے سے رہ گئی ہے۔ اِسی طرح محاورے بھی ہیں جو اس میں آنے سے رہ گئے ہیں۔ لیکن ان خامیوں کے باوجود یہ کارنامہ بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔ کام تیار ہوا ہے اور اس کو اور بہتر اور مفید بنایا جاسکتا ہے۔ کشمیری زبان کی ترقی میں اکادمی کی طرف سے اُردو کشمیری ڈکشنری جو نو جلدوں پر مشتمل ہے[1]، کی بھی اپنی اہمیّت ہے۔

[1] یہ بارہ جلدوں پر مُشتمل ہے۔

کشمیری زبان کے علم و ادب کی ترقی اور ترویج کے لئے اس ادارے کیطرف سے ادیبوں اور مصنفوں کو اپنی کتابیں چھاپنے کیلئے مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہر سال ایسی کتابیں مارکیٹ میں آتی ہیں جو اس مالی امداد کے بغیر شاید ہی چھپ سکتیں۔ کشمیر کے دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں ہر سال اکادمی کی طرف سے مشاعرے منعقد کئے جاتے ہیں۔ ایسی مفید محفلوں کی اپنی اہم افادیت ہے جس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ ان سیمیناروں اور کانفرنسوں کو جو یہ ادارہ سالہاسال سے منظم کرتا آرہا ہے کسی بھی طرح دوسرے نمبر پر رکھا نہیں جاسکتا۔ ان کی اپنی زبردست افادیت ہے۔ یہی وہ سیمینار اور کانفرنسیں ہیں جن کی بدولت ادیبوں، نقادوں اور تخلیق کاروں کو اپنے ذہن کی شیرازہ بندی میں زبردست مدد ملتی آرہی ہے۔ یہاں ادب سے متعلق اُلجھنوں کو سُلجھانے کے طریقے تلاش کئے جارہے ہیں۔ اور غیر واضح تصورات کو بھرپور انداز میں نکھرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ زندگی اور ادب سے متعلق ادیبوں اور شاعروں کی نظریات سازی میں بھی ان سیمیناروں اور کانفرنسوں کا جو عمل و دخل رہا ہے اس سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا ہے۔ لل دید اور شیخ نورالدین نورانیؒ پنج صد[1] سالہ تقریبات کے دوران ان دو کلاسکی کشمیری شاعروں اور انکے زمانے کے بارے میں جو ادبی اور تنقیدی سرمایہ جمع ہوا، کو معیار اور معلومات کے پیش نظر گرانقدر سمجھنا چاہیئے۔ ہر سال چھاپے گئے بہترین تخلیقی ادب کو جو انعام دیا جاتا ہے، ادبی معیار کو اور بلند کرنے کے سلسلے میں اس کی اپنی افادیت ہے۔ ڈراما فیسٹیولوں کو جس طریقے پر ہر سال منظم کیا جاتا ہے اسکی بدولت کشمیری ڈراما کو نئی زندگی مل رہی ہے۔

---

[1] ششں صد سالہ

اِس کے ساتھ ساتھ ان کی بدولت کشمیری بولنے والے لاکھوں لوگ اِس زبان سے جذباتی طور اور قریب ہوجاتے ہیں۔ جو مالی امداد ہر سال کشمیری ادبی اور تمدنی انجمنوں کو مل رہی ہے اِس کی بدولت بھی آج سارے کشمیری بولنے والے علاقوں میں ایسی تنظیمیں قائم ہیں جو اِس زبان کی ترویج کے لئے اپنی مقدور کے مطابق کام کررہی ہیں۔ حال ہی میں اکادمی کیطرف سے سرینگر میں ایک عالیشان کتاب گھر کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جہاں اکادمی کی چھاپی گئی کتابیں فروخت کرنے کے لئے رکھی جارہی ہیں تاکہ عام لوگوں کو اپنی پسند کی کتابیں بغیر کسی تکلیف کے مل سکیں۔

یہ سرسری جائزہ سُن کر آپ میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ اِس ادارے نے کشمیری زبان و ادب کو بڑھاوا دینے میں آج تک جو اہم کام انجام دیا ہے، وہ قابلِ تعریف ہے۔ اور اِس سے کشمیری زبان کو اپنی تقدیر سنوارنے کیلئے سازگار ماحول مل رہا ہے۔ کشمیری زبان سے متعلق اکادمی کے اور بھی کئی اچھے کام ہیں جن میں این سائیکلوپیڈیا کشمیریانہ بھی ہے جو آجکل اپنی تیاری کے مختلف مراحل سے گزر رہا ہے۔ وقت وقت پر کتابوں کی نمائش، خاص حالات میں ادیبوں کے لئے مالی امداد، کشمیری سے ہندی، پنجابی، ڈوگری اور انگریزی میں تراجم، موسیقی کی محفلیں خلعت نوازی، ڈراما ورکشاپ، ادبی محفلوں کا انعقاد، کاتبوں کیلئے ٹریننگ کورس کا تذکرہ بھی اِسلئے ضروری ہے کہ یہ بھی اِس زبان کی ترقی میں اپنا حصّہ ادا کررہے ہیں۔

لیکن میرے اس تبصرے سے ہرگز یہ مطلب نہیں نکلنا چاہیئے کہ

God's in his heaven —

All's right with the world —

یہ ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ کشمیری زبان اِس ملک کی قدیم اور آئین ہند
میں تسلیم کی گئی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اور ایک اندازے کے مطابق
اِس کے بولنے والوں کی تعداد اگلی صدی کے پہلے بیس برسوں کے خاتمے
تک لگ بھگ ایک کروڑ تک پہنچ جانے کا امکان ہے۔ آجکل کی دُنیا
بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور کسی زبان کی پسماندگی کو دُور
کرنے کے لئے جتنے وسیلے آجکل کام میں لائے جاسکتے ہیں اگلے وقتوں میں
لوگ ان کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بھی ایک ناقابلِ تردید سچائی
ہے کہ جس وقت تک اس زبان کو ترقی نہیں دی جاسکتی، اِس کے بولنے
والے بھی ہمہ پہلو ترقی کی سرحدوں سے ہمکنار نہیں ہو سکتے ہیں۔ اِن
حقائق کے پیشِ نظر کشمیری زبان بولنے والے لوگوں کو اِس ادارے
سے جو توقعات وابستہ ہیں، وجہ کچھ بھی ہو یہ ادارہ ابھی تک ان پر پورا
نہیں اترا ہے۔ اِس ادارے کی طرف سے جو کتابیں اِس زبان میں
چھاپی گئی ہیں نہ ان میں بعض کی کتابت اور چھپائی دلکش ہے اور نہ
اِن کی پروف ریڈنگ سنجیدگی سے انجام پائی ہے۔ باقی زبانوں سے جو
ترجمے کئے گئے ہیں، اتنے کم ہیں کہ ان کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا
جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں ان ترجموں کی تعداد دو درجن سے زیادہ
نہیں ہوگی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ترجمہ کے لئے ایسی کتابوں کے
انتخاب میں شاید کسی رہبر اصول پر بھی عمل نہیں ہوا ہے۔ آجکل کی دنیا میں
کسی زبان کی ترقی کے لئے ترجموں کی اہمیت کو نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا
ہے۔ جدید دور میں جس زبان کے لئے ٹائپ کی سہولیت نہ ہو اُسے

پسماندہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے اِس عظیم کلچرل ادارے نے اِس اہم ضرورت کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ اس زبان میں سال کی بہترین کتاب پر انعام کی رقم بھی بہت کم ہے۔ اس کو کم از کم پانچ ہزار تک بڑھانا چاہیئے تاکہ یہ انعام اِس زبان میں لکھنے والوں کیلئے INCENTIVE کا کام بھی دے سکے۔ کشمیری زبان میں پرائیویٹ اداروں یا کسی شخص کی طرف سے کوئی بھی ادبی، علمی، سائنسی اور دیگر مضامین سے تعلق رکھنے والا جریدہ نہیں نکلتا ہے۔ اِس پریشان کرنے والے قحط کے پیشِ نظر بھی اِس ادارے کے لئے لازم بن جاتا ہے کہ ایک ایسے مصور ماہنامے کا اجرا عمل میں آئے۔ اب اِس زبان میں پڑھنے والوں کی اتنی کمی نہیں ہے، جتنی پڑھنے کے لئے اخباروں اور کتابوں اور رسالوں کی۔ کشمیری زبان میں انگریزی کشمیری ڈکشنری کی کمی کو بُری طرح محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے سے اس زبان کا دامن بھی بھرا جا سکتا ہے اور اس کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اگر اتنے برسوں میں اِس کام کو انجام نہیں دیا گیا ہے تو اب بھی یہ کام ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے۔ عالموں، ادیبوں، فنکاروں اور شاعروں کی تخلیقات کو اس ادارے کی طرف سے جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ بھی بہت کم ہے۔ یہ لوگ فرشتے نہیں ہوتے ہیں۔ انہیں بھی خاصکر آجکل کی دنیا میں زندہ رہنے کیلئے ہوا پانی کی ضرورت ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ اس ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ قلم کاروں اور ادیبوں سے کشمیری زبان میں لکھوایا جائے تو معاوضے کو بھی فوری طور پر معقول ہی نہیں بلکہ دلکش بھی بنا دینا چاہیئے۔

صحرا اگر بہ تنگیٔ چشمِ حسود تھا

ایسی زبان کی ترقی اور مقبولیت کے لئے جسے صدیوں سے ہر سطح پر بُری طرح سے عدم توجہ کا شکار بنایا گیا ہو اور جس کے بولنے والوں کی تعداد نظر انداز کرنے کے لائق بھی نہ ہو، اِن تجربہ کار، پختہ ذہن اور نامور ادیبوں اور عالموں کے خدمات کی ہمیشہ تلاش رہتی چاہئیے جنکی کاوشوں سے اس کی تہی دامنی کو کسی حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ ہماری اکادمی نے اس سلسلے میں غفلت سے کام لیا ہے۔ اِس زبان سے تعلق رکھنے والی متعدد ایسی شخصیتیں اس ادارے یا دوسرے اداروں سے ریٹائر ہونے کے بعد کوئی دوسرا کام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اکادمی کو چاہئیے تھا کہ ان کی خدمات نئے سرے سے حاصل کرنے کے بعد کشمیری زبان و ادب سے متعلق ایسے کام سونپے جانے جو یہ لوگ خوش اسلوبی سے کر سکتے اور جن میں انکی شہرت مُسلمہ ہے۔ ایسا نہیں ہوا ہے۔ اس طرزِ عمل سے نہ صرف ان ادیبوں اور عالموں کو بلکہ خود کشمیری زبان کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔

میں نے اُن چند کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے جو میرے خیال میں فوری توجہ چاہتی ہیں۔ ہمیں زمانے کو یہ کہنے کی مہلت اور اجازت نہیں دی جانی چاہئیے کہ ؎

اگر نہ تھا تو شریک محفل قصور تیرا ہے یا کہ میرا
میرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مے شبانہ

(اقبالؔ)

-٥-

تاریخ :- ۲۶ر مارچ ۱۹۸۴ء

مقالہ :- کشمیری زبان وادب اور اکیڈمی کے ۲۵ سال

مقالہ نگار :- پروفیسر غلام نبی فراقؔ

ایوانِ صدارت :- علی محمد لون ۔ منظر اعظمی ۔ وید راہی ۔ عبدالستار رنجور ۔

گفتگو :-

شرکاء :-

- سروانند کول پریمی :- اگرچہ فراقؔ صاحب کا یہ مقالہ بہت ہی مختصر تھا لیکن اس میں اکیڈیمی کی اُس ساری کارکردگی کا اچھی طرح سے جائزہ لیا گیا تھا جو اس نے گذشتہ ۲۵ برس کے دوران کشمیری زبان وادب کی ترویج کے سلسلے میں انجام دی ہے ۔ البتہ میں سمجھتا ہوں کہ مقالہ نگار کو کشمیری زبان وادب کو مزید ترقی دینے کے بارے میں کچھ ٹھوس تجاویز پیش کرنی چاہیے تھیں ۔ کشمیری زبان کے ادیبوں کو بھی وہی مسائل درپیش ہیں جو ریاست میں بولی جانے والی دوسری زبانوں کے ادیبوں کو ہیں ۔ اسلئے ان مسائل کا فوری طور پر حل ہونا لازمی ہے ۔

- پروفیسر مرغوب بانہالی :- دوسری زبانوں کے بارے میں جو مقالے ہم نے کل سے یہاں سُنے اُن کے مُقابلے میں کشمیری زبان کے بارے میں یہ مقالہ اگرچہ مختصر ہی تھا لیکن مقالہ نگار نے اس میں اِس لحاظ سے حق ادائی کی تھی کہ اُس نے کشمیری زبان سے متعلق اکیڈیمی کی اب تک کی کارکردگی پر اچھی طرح سے روشنی ڈالی تھی ۔ یہ مقالہ اور بھی دلچسپ بن جاتا اگر مقالہ نگار نے اعداد و شُمار سے اپنی باتیں ہم تک پہنچانے کی کوشش کی ہوتی یا اگر اکیڈیمی

ہی کشمیری کے بارے میں ضروری لٹریچر منددوین میں تقسیم کیا ہوتا۔ ایسا کرنے سے اکیڈیمی کی ۲۵ سالہ کارکردگی کا عکس واضح طور پر سامنے آجاتا۔ کشمیری زبان اور ادب کے بارے میں جب بات کرتی ہو تو ہم راجوری، پونچھ، اُودھم پور، رام بن، کٹھوعہ اور گول گلاب گڈھ کے اضلاع وغیرہ میں رہنے والے کشمیریوں اور اُن کے ادبی اور ثقافتی مسائل کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر اُن کے مسائل پر اس ایوان میں غور نہیں کیا جائے گا تو پھر کہاں کیا جائے گا۔ وہاں کے ادیبوں کو دور دراز علاقوں سے جمع کرنے کے لئے اکیڈیمی کو خصوصی اقدامات کرنے چاہیئے تھے۔ میری یہ تجویز ہے کہ اُن کے مسائل پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیئے کیونکہ وہ ہر سطح پر نظر انداز ہو رہے ہیں۔ ریڈیو اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں بھی اُنھیں پیچھے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ سرحد کے اُس پار سے جو پراپگنڈا ہو رہا ہے یا جو باتیں کشمیری آبادی کے کانوں میں ہر روز ڈالی جا رہی ہیں اُن کا جواب دینے کے لئے بھی ریڈیو پر ہمیں مُناسب وقت نہیں دیا جا رہا ہے۔ ان باتوں پر غور کرنا ضروری بن جاتا ہے۔ اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ صوبہ جموں کے کشمیری ادیبوں کے مسائل پر غور کرنے کے لئے اکیڈیمی کو ہر سال دو تین بار صوبائی سطح کے سیمینار منعقد کرنے چاہئیں۔ کشمیری شیرازہ کشمیری زبان و ادب کی ترقی کے لئے اہم کام کر رہا ہے لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ کشمیری شیرازہ پر سیمینار کے لئے کوئی مقالہ کیوں نہیں لکھوایا گیا ہے۔

- **غلام نبی ناظر:-** میرے خیال میں یہ مقالہ کئی لحاظ سے تشنۂ وضاحت تھا۔ اکیڈیمی نے گذشتہ ۲۵ سال کے دوران کشمیری زبان و ادب کی ترقی کیلئے

بہت کام کیا ہے لیکن اس مقالے میں اُن کاموں کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ میری تجویز ہے کہ سبسڈی کے طور پر دی جانے والی رقومات میں فوری طور پر اضافہ کیا جانا چاہیے۔ اور اسی طرح دیگر ثقافتی اور تمدنی انجمنوں کو بھی اُن کے تناسب کے حساب سے مالی امداد ملنی چاہیے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اکیڈیمی تحقیقی کتابیں بہت کم تعداد میں چھاپتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو تحقیقی مسودے اُن کے پاس پڑے ہوئے ہیں اُنہیں فوری طور پر شائع کیا جانا چاہیے۔ دوسری زبانوں کے شاہکاروں کو کشمیری رُوپ دینے کی طرف بھی زیادہ توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ میں مرغوب صاحب کے ساتھ اس بات پر متفق ہوں کہ 'شیرازہ کشمیری' اکیڈیمی اور ادیبوں کے درمیان رابطے کا ایک انتہائی اہم ذریعہ ہے اسلئے اُس پر بھی سیمینار میں ایک مقالہ پڑھا جانا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں 'شیرازہ کشمیری' کو 'شیرازہ اُردو' سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

- جنون رتن پوری:۔ ریاست میں بولی جانے والی سبھی زبانیں ہماری مشترکہ میراث ہیں اسلئے ہمیں اُن سب کے لئے مل کر کام کرنا چاہیئے۔ میری تجویز ہے کہ اکیڈیمی کو ہر سال ایک ایسا شیرازہ بھی شائع کرنا چاہیئے جس میں ریاست میں بولی جانے والی تمام زبانوں کی منتخب تخلیقات اُن کے تراجم کے ساتھ درج ہوں۔

- شہباز راجوروی:۔ اس مقالے میں پیر پنچال بیلٹ میں رہنے والے کشمیری عوام کے ثقافتی مسائل کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک فروگذاشت تھی اور اسے ایک فروگذاشت ہی تصور کیا جانا چاہیئے بصورت دیگر اس صوبے میں رہنے والے

تقریباً بیس ہزار کشمیری آبادی کے حقوق کا استحصال ہوگا۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے اکیڈیمی کے صوبہ جموں کے دفتر سے التماس کی تھی کہ وہ صوبہ جموں میں بھی کشمیری زبان وادب پر کام کروائیں لیکن اُس وقت ہمیں بتایا گیا تھا کہ کشمیری کی ترویج کا کام صوبہ کشمیر کے دفتر کے تحت آتا ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ جب اکیڈیمی کو کشمیری کی ترویج کا کام صوبائی دفتر جموں کے حوالے بھی کرنا چاہیئے۔ اس اقدام سے صوبہ جموں سے متعلق کشمیری ادیب اور شاعر وغیرہ اپنی ادبی کاوشوں کو وُسعت دے سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہماری اس درخواست پر بھی فوری طور پر عملدر آمد ہونا چاہیئے کہ آئندہ کشمیری مطبوعات کی خرید وفروخت کا کام اکیڈیمی کے صوبائی دفتر جموں میں بھی ہونا چاہیئے۔ ایک اور گذارش یہ ہے کہ اکیڈیمی کو اپنے فنڈس مختلف زبانیں بولنے والوں کے تناسب سے مخصوص رکھنے چاہئیں۔ ایسا کرنے سے کسی بھی زبان کے ساتھ ناانصافی نہیں ہو سکتی۔

- **سومناتھ ویر:۔** اکیڈیمی اپنی کارکردگی کو مزید بہتر بنا سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو صحیح معنوں میں ایک خود مختار ادارہ بنادے۔ میرا یہ کہنے کا مقصد اُن تصویروں کی طرف اِشارہ کرنا ہے جو اکثر اِسکی مطبوعات میں چھپتی ہیں اور جن سے قارئین کے ذہنوں پر اثر پڑتا ہے۔

- **یاسر کشمیری:۔** میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ جب اکیڈیمی کو اپنی تمام تر توجہ کشمیری زبان کے لئے ٹائپ بنانے پر مبذول کرنی چاہیئے۔

- **علی محمد لون:۔** اِس وقت تک جو مقالے پڑھے گئے اُن پر ہوئی بحث سے ایسا لگتا ہے کہ کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ میں بھی ایک لمبے عرصے تک
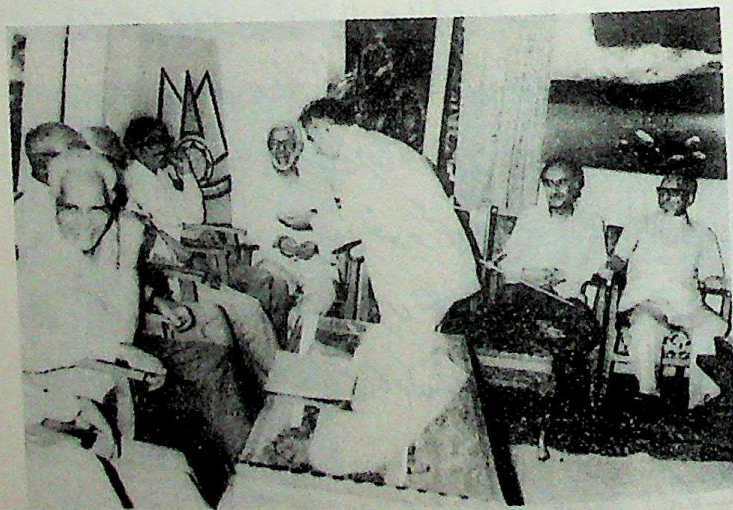
اکیڈمی کے ساتھ وابستہ رہا ہوں اور اسکی کارکردگی سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ کسی زبان کے ادیبوں کو زیادہ سبسڈی دی جاتی ہے اور دوسری زبانوں کے ادیبوں کو کم سبسڈی ملتی ہے۔ مثلاً میں اُردو کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ اس زبان میں بہت کم مسودے سبسڈی کیلئے آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُنہیں دوسری زبانوں کے مقابلے میں کم سبسڈی ملے گی جن میں زیادہ مسودے موصول ہوئے ہیں۔ بعض دوستوں کی اس رائے کے بارے میں کہ اکیڈیمی کو صحیح معنوں میں خود مختار ادارہ بن کے رہنا چاہیئے میں یہ کہونگا کہ اکیڈیمی کی شہہ رگ پر اس لحاظ سے ہمیشہ حکومت کا ہاتھ رہتا ہے۔ کیونکہ اُسے ایک ایک پیسے کے لئے حکومت کے پاس جانا پڑتا ہے لیکن پھر بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طریقے سے اکیڈیمی حکومت کے ساتھ ADJUST کرتی ہے اُس سے اس کی خود مختاری متاثر نہیں ہوتی۔ میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ اگر حکومت اپنے ہاتھ کھینچ لے تو ہم سب کی مہربانی سے اکیڈیمی ایک دن کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ کُچھ (COMPROMISES) کرنا ہی پڑتے ہیں۔ مثلاً ہمارے چیف منسٹر صاحب کوئی بھی ہوں وہ اکیڈیمی کے صدر بھی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تصویر کبھی کبھی شیرازہ وغیرہ میں چھپے گی لیکن اس سے یہ اندازہ نہیں لگانا چاہیے کہ یہ تصویریں صرف اسلئے چھپتی ہیں کیونکہ اکیڈیمی میں کام کرنے والوں کی ساری وفاداریاں حکومت کے ساتھ ہیں۔

- عبدالستار رنجور:۔ اہلِ آدم اسکی سلامتی کی دُعا کے ساتھ میں کلچرل اکیڈیمی کو موجودہ تقریبات کے لیئے دِل کی گہرائیوں سے مُبارکباد دیتا ہوں۔

اکیڈمی جو کام کرتی ہے اور جس طور پر جو اس کے جریدے نکلتے ہیں اُن سب کیلئے وہ مُبارکباد کی مُستحق ہے۔ اِن سب باتوں کے باوجود ہمیں اکیڈمی کی طرف سے اُسکے کام کو پرکھنے کی دعوت ملی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ادیبوں نے جو تجاویز یہاں پیش کیں اُن سے اکیڈمی کو اپنی کارکردگی بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ بنا کشمیر پروگرام کے تحت اکیڈمی کے قیام سے جو پودا ہم نے لگایا ہے اُسے مُستحکم بنانا ہم سب کا فرض ہے۔ میں سکریٹری اکیڈمی سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اکیڈمی کو صرف علم و ادب کا گہوارہ بنے رہنے دیں اور سیاسی امور کو اِسکی حدود کے اندر گھُسنے کی اجازت نہ دیں۔ ریاست کے سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے اکیڈمی کا قیام عمل میں لا کر جو رول ادا کیا ہے اُسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

● بلراج پوری:۔ اِس وقت تک جو مقالے یہاں پڑھے گئے وہ سب میں نے بڑی غور کے ساتھ سُنے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اِن مقالوں میں جو تجاویز پیش کی گئی ہیں اُن پر غور کرنے کے لئے ایک چھوٹی سی کمیٹی بنائی جانی چاہیئے۔ اُس کمیٹی کو واضح الفاظ میں یہ بتانا ہوگا کہ اکیڈمی نے آج تک کون کون سے کام کئے ہیں اور آئندہ اُسے کن کن باتوں پر توجہ دینی چاہیئے۔ اگر کچھ دوستوں کا یہ کہنا درست ہے کہ اکیڈمی اُن کے مسوّدوں یا تخلیقات کا سنسر کرتی ہے تو ہمیں اس بات پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ اکیڈمی اور ادیبوں کے ساتھ حکومت کا رشتہ کس نوعیت کا ہونا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ریاست میں بولی جانے والی سبھی زبانوں کی مجموعی ترقی کے لئے مشترکہ طور پر سوچنا چاہیئے۔

●

ڈوگری زبان کے فروغ میں کلچرل اکادمی کا حصّہ

ڈاکٹر للت مگوترا

ڈوگری زبان صوبہ جموں کے بیشتر علاقہ میں بولی جانے والی زبان ہے اور اس زبان کو ہمارے آئین میں ایک نمایاں درجہ حاصل ہے۔ اس زبان میں ہوئی ترقی کا جائزہ لینے سے قبل اگر ہم اسکا آغاز تلاش کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مشکل ہمیں کسی بھی زبان کے آغاز کو تلاش کرنے میں درپیش آئیگی کیونکہ زبانیں کسی مخصوص دن، مہینہ یا سال میں شروع نہیں ہوتیں یہ تو آہستہ آہستہ تبدیل ہوتی، ترقی کرتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

ڈوگری بلاشبہ ایک قدیم زبان ہے اور یہ اس علاقے میں زمانۂ قدیم سے بولی جاتی رہی ہوگی۔ فارسی کے مشہور شاعر امیر خسروؒ نے اپنی شاعری میں اس زبان کا ذکر کیا ہے۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں پتھروں پر کندہ عبارتیں بھی اس زبان میں ملی ہیں۔ پھر بھی اسمیں کوئی شک نہیں کہ ڈوگری کا ادبی سفر صحیح معنی میں ملک کی آزادی کے بعد ہی شروع ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اس زبان نے ترقی کے بہت سے

مرحلے طے کئے اور اس میں بڑے جوش و خروش سے کام ہوا۔ اس
زبان کے پرستاروں نے پوری محنت اور لگن سے اسکی ترقی کے لئے
محنت کی ۔ گذشتہ ۳۵ سال کے دوران اس زبان میں پانچ چھ سو
ڈوگری کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں ادب کی تمام قسمیں یعنی شاعری،
افسانے، ناول، ڈرامے اور تنقیدی کام وغیرہ شامل ہیں ۔ ڈوگری میں
قواعد لغت تیار ہو رہی ہے ۔ آج ڈوگری زبان ہر طریقہ سے ایک مقبول
اور ترقی یافتہ زبان ہے ۔ سنہ ۱۹۶۴ء سے جموں و کشمیر یونیورسٹی میں اس
زبان میں تلک، پروین اور شرومنی کے امتحان شروع ہوئے ۔ ساہتیہ اکادمی
دہلی نے سنہ ۱۹۶۹ء میں اسے ایک آزاد زبان کا درجہ دیا ہے ۔ ابھی حال ہی
میں جموں یونیورسٹی میں ڈوگری کی ایم اے کلاسیں شروع کی گئی ہیں۔

اس ترقی میں جہاں ڈوگری کے ادیبوں اور ہمدردوں نے محنت کی
وہاں اس کام میں جموں و کشمیر کی کلچرل اکادمی جو سنہ ۱۹۵۸ء میں قائم ہوئی،
ریڈیو کشمیر جموں، ڈوگری سنستھا، ڈوگرہ منڈل اور ڈوگری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے ایک
نمایاں رول ادا کیا ہے ۔

کسی بھی زبان کی ترقی کا معیار اس زبان میں شائع شدہ ادب سے
ہوتا ہے۔ ڈوگری کے معاملہ میں کلچرل اکادمی پیش پیش رہی ہے ۔
ڈوگری زبان میں شائع شدہ بیشتر ادبی کتابیں اکادمی کی ہی دین ہیں۔
ان میں مجموعۂ کلام ہیں، افسانوں، ڈراموں اور نظموں کے مجموعے
ہیں ۔ ان کتابوں کو شائع کرنے کے علاوہ اکادمی مصنفوں اور ادیبوں کو
کتابیں شائع کرانے کے لئے مالی امداد دیتی ہے ۔ جتنی کتابیں بھی
ادیبوں نے خود شائع کی ہیں، ان میں سے بیشتر کتابوں کیلئے اکادمی نے

مالی امداد فراہم کی ہے۔

ڈوگری زبان کی ایک بڑی نایاب اور قیمتی وراثت اس زبان کا "لوک ادب" ہے۔ اس میں لوک گیتوں اور لوک کتھاؤں کا ایک عظیم خزانہ ہے۔ حالانکہ اِن لوک کتھاؤں اور لوک گیتوں کو ڈوگری سنستھا، ڈوگرہ منڈل اور دوسرے کئی اداروں نے بھی جمع کر کے شائع کرایا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں اکادمی نے سب سے اہم رول ادا کیا ہے۔ اور ڈوگری زبان کے اس انمول خزانہ کی ۲۴ جلدیں شائع کی ہیں۔ اِسی طرح ڈوگری میں استعمال ہونے والے محاوروں کو یکجا کر کے کلچرل اکادمی نے کتابوں کی شکل میں شائع کیا ہے۔ دوسری زبانوں میں شائع شدہ معیاری کتابوں کے ترجمے ڈوگری زبان میں اکادمی نے کرائے ہیں۔ اِن میں بالخصوص بنگالی اور ہندی کے مقبول ناول شامل ہیں۔ ایک ادبی زبان کے طور پر ڈوگری میں لغت کا فقدان ہمیشہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ اکادمی نے اِس طرف بھی توجہ دی ہے اور اب تک ڈوگری لغت کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں اور اس وقت اس پر کام جاری ہے۔

کسی زبان کی ترقی اور مقبولیت کے لئے رسالوں کا ہونا ضروری ہے جو باقاعدگی سے نکلتے رہیں۔ بدقسمتی سے ڈوگری میں ایسے دو ہی رسالے ہیں۔ ایک اکادمی کا ڈوگری "شیرازہ" اور دوسرا ڈوگری سنستھا کا سہ ماہی رسالہ "نمی چیتنا"۔ 'شیرازہ' شروع میں تین تین ماہ کے وقفہ کے بعد نکلتا تھا لیکن آجکل ہر دو ماہ کے بعد اسکا شمارہ شائع ہوتا ہے۔ ڈوگری میں لکھنے والے سبھی ادیبوں کی مختصر تخلیقات "شیرازہ" یا "نمی چیتنا" میں شائع ہوتی ہیں۔ اِس طرح اکادمی

ڈوگری زبان و ادب کی مسلسل ترقی میں اپنا فرض انجام دے رہی ہے۔

کلچرل اکادمی ڈوگری کی بہت سی تنظیموں کو مالی امداد بھی فراہم کرتی ہے تاکہ وہ ادبی اور تمدنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں۔ یہ امداد سالانہ ۳۵۰/- روپے سے لیکر ۶۰۰۰/- روپیہ تک دی جاتی ہے۔ اکادمی کچھ ضرورتمند ادیبوں یا ان کے لواحقین کو بھی مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ یہ امداد جموں کے ۱۴ ادیبوں یا ان کے وارثوں کو مل رہی ہے۔

ادب کی وہ صنف جو ادیب کی سوچ کو براہِ راست عام لوگوں تک پہنچا سکتی ہے، وہ ہے ڈرامہ۔ اکادمی ہر سال جموں میں ڈراموں کا ایک مقابلہ منعقد کرتی ہے جسمیں ڈوگری ڈرامے بھی سٹیج ہوتے ہیں۔ اس مقابلہ میں حصہ لینے والے ڈراموں کو پیش کرنے کے لئے کچھ اخراجات اور ہال مفت میں فراہم کئے جاتے ہیں۔ مقابلے میں امتیاز حاصل کرنے والوں کو کچھ انعامات بھی دئیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے مقابلے دیہاتی علاقوں میں بھی کئے جاتے ہیں۔ ہر سال ایک تھیٹر ورکشاپ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ یوں بھی جموں میں ڈرامہ کھیلنے والی تنظیموں کے پاس سوائے اکادمی کے "ابھینو تھیٹر" کے کوئی دوسرا معقول ہال نہیں ہے۔

ڈوگری زبان میں اعلیٰ اور پائیدار ادب تخلیق کیا جائے ـــ اس نظریہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اکادمی ہر سال ڈوگری کی دو سب سے بہترین کتابوں پر دو ہزار روپے کے دو انعام دیتی ہے۔ اس معاملہ میں دو رائیں ہو سکتی ہیں کہ کیا انعام کے لالچ میں ادیب اچھا ادب تخلیق کریگا یا انعامات کی وجہ سے ادیب ادب سے زیادہ سیاست میں ملوث ہو جائیگا۔

تاہم اپنے طور پر اکادمی کی یہ کوشش معقول ہے۔ اسی طریقہ سے ہر سال ڈوگری میں لکھے گئے سب سے اچھے ڈرامہ پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔

اکادمی کبھی کبھی ڈوگری مشاعرے، ادبی نشستیں، کتابوں کی نمائش، مصوری اور موسیقی کے مقابلے بھی منعقد کرتی ہے۔ اکادمی نے "رس منجری" کے نام سے ایک تصویری مجموعہ شائع کیا ہے جسمیں بسوہلی قلم کی چھ نادر تصویریں شامل ہیں۔ اِس کا دیباچہ ڈاکٹر ملک راج آنند نے لکھا ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اکادمی ڈوگری کی ترقی کے لئے کافی کوششیں کر رہی ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ایک آزاد اور جمہوری نظام میں اِس قسم کے اداروں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ نئی ادبی زبانوں کی ترقی کے لئے کام کریں۔ دراصل اِن تنظیموں کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اکادمی اپنے کام کو اور بھی بہتر طریقہ سے کر سکتی ہے بشرطیکہ اِس کے طریقۂ کار میں کچھ تبدیلی لائی جائے۔

اکادمی جو سب سے اہم کام کرتی ہے وہ ہے کتابوں کو شائع کرانا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف کتابیں شائع کرانے سے ہی ادب ترقی کر سکتا ہے۔ کتاب کا شائع ہو کر قاری تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔ میرے خیال میں اکادمی نے ڈوگری کی جو کتابیں شائع کی ہیں ان میں سے بیشتر گوداموں میں پڑی پڑی سڑ رہی ہیں۔ اِس معاملہ میں کچھ اقدام اُٹھانے ضروری ہیں جن سے یہ کتابیں قاری تک پہنچ سکیں۔ اِسلئے میرا مشورہ ہے کہ ان کتابوں کا شوروم ایک مناسب جگہ پر قائم کیا جائے اور اُسے قرینے سے اور خوبصورتی سے آراستہ کیا جائے۔ اکادمی کو چاہیئے کہ وہ ڈوگرہ پہاڑی مصوری کے خوبصورت رنگین نمونے شائع کرائے۔
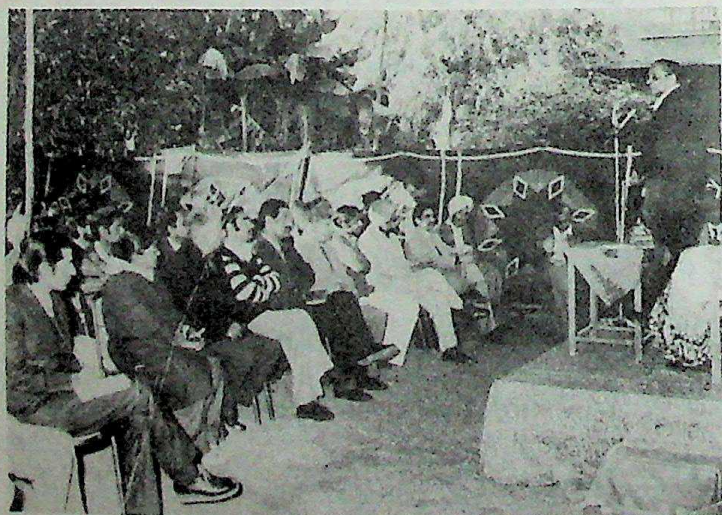
اور اُن کو "وال ہینگنگ" خوبصورت کارڈوں اور البموں کی شکل میں اس شو روم میں رکھے۔ اس طریقہ سے جہاں ایک طرف جموں کی مصوّری کے اس قدیم اور تمام دنیا میں مشہور فن کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے گا دوسری طرف یہ خوبصورت تصویریں ہر شخص کی توجہ اس شو روم کی طرف مبذول کرنے میں کامیاب ہونگی۔ میرے خیال میں ایسا شو روم جموں میں یا نو ٹورسٹ سنٹر کے قریب یا ریکاڈنگا میں قائم کیا جانا چاہیئے۔ شو روم کا مناسب جگہ پر ہونا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ اس مقصد میں کامیابی مُشکل ہو گی۔ اکادمی کی کتابیں نہ بکنے کی جو وجوہات ہیں ان میں سے ایک نامناسب کتابوں کا انتخاب بھی ہے۔ اکادمی اپنا بہت سارو پیہ دوسری زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ ڈوگری زبان میں کروانے اور انہیں شائع کرانے پر بھی صرف کرتی ہے۔ ایک ترجمہ شدہ کتاب کو شائع کرانے میں اکادمی کے ۲۵ ہزار روپے تک خرچ ہو جاتے ہیں اسلیئے ان کتابوں کی قیمت اصل کتاب سے بھی کئی گنا زیادہ رکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور اکادمی نے ڈوگری میں ترجمہ شدہ ناول "گن دیوتا" کی قیمت ۵۰/- روپے رکھی ہے جبکہ اس کتاب کے ہندی ترجمہ کی قیمت صرف -/12 روپے ہے۔ پھر ان ترجمہ شدہ کتابوں کو ڈوگری کی ایم، اے تک کی کلاسوں میں نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ اس کے لئے اصل کتاب کا ہونا لازمی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر اکادمی ترجموں کی طرف کچھ توجہ مبذول کر کے بنیادی طور پر ڈوگری میں تصنیف کی گئی کتابوں، خاص طور پر ناولوں اور ڈراموں کو مالی امداد دینے کے بجائے خود شائع کرے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کرنا چاہونگا کہ کتاب شائع کرانے کے لیے جو مالی امداد ادیبوں کو دی جاتی ہے وہ بہت کم ہے۔

اور ہر ادیب اس کام کیلئے اپنا سرمایہ اور وقت صرف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اکادمی کو چاہیے کہ ان ادیبوں کی کتابوں کو خود شائع کروائے جن کی کتابوں کو مالی امداد دینے کے قابل سمجھا جائے اور جو اپنی کتابوں کو خود چھاپنا نہیں چاہتے ہوں۔ اس طرح بہت سی ایسی کتابیں شائع ہوسکینگی جو مالی امداد ملنے کے باوجود شائع نہیں ہو پاتیں۔ اسی طرح اکادمی ڈوگری ناولوں، کہانیوں، شاعری اور تاریخ وغیرہ پر تنقید و تحقیق کی کتابیں بھی چھپوا سکتی ہے جو ڈوگری میں ایم، اے کی کلاسوں کے کام آسکتی ہیں اور جن کی بہت سخت ضرورت ہے۔

میں نے اوپر ڈوگرہ پہاڑی مصوری کی بات کی ہے۔ جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں، چھ پہاڑی تصویروں کا البم "رس منجری" جو اکادمی نے شائع کیا تھا تقریباً سب فروخت ہو چکا ہے۔ اکادمی اس کو دوبارہ کیوں نہیں شائع کرتی اس البم کے فروخت ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کس قسم کی چیز پسند کرتے ہیں۔ ڈوگری کے اس قدیم اور مشہور فن کو زیادہ مقبول بنانے کے لئے اکادمی کو چاہیئے کہ وہ بسوہلی جیسی جگہوں پر ایسے اسکول قائم کرے جن میں طلباء کو اس قسم کی مصوری میں تربیت دی جائے۔ اس طرح یہ فن ترقی بھی کریگا اور ان طلبا کے ذریعہ تیار شدہ یہ تصاویر اکادمی کا ایک نایاب سرمایہ بن جائیں گی۔ محکمہ دستکاری نے اس قسم کا ایک چھوٹا سا اسکول بسوہلی میں شروع کیا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے فن کے کام اکادمی جیسے اداروں کے زیر اہتمام ہونے چاہئیں۔

اب میں ڈوگری رسالہ "شیرازہ" کے بارے میں چند باتیں کرونگا کیونکہ یہ ڈوگری میں شائع ہونے والا واحد بڑا رسالہ ہے۔ اسلئے

ڈوگری میں لکھا جانے والا کافی ادب اسی رسالہ میں شائع ہوتا ہے۔ رسالہ کے دو ماہ میں ایک بار شائع ہونے سے نہ تو ادیبوں کی اور نہ ہی پڑھنے والوں کی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس رسالہ کو ماہانہ طور پر نکالا جائے۔ اس سے بھی ضروری اس رسالہ کی شکل و صورت کو بہتر بنانا ہے۔ "شیرازہ" کی موجودہ شکل و صورت کسی لحاظ سے بھی دلکش نہیں کہی جاسکتی۔ اس کام کے لئے اکادمی میں ایک "آرٹ سیکشن" کا ہونا لازمی ہے جو اس رسالہ کے سرورق کو ایک معقول ڈیزائن سے مزین کرے اور اسکو اندر سے بھی تصویروں اور خاکوں سے آراستہ اور خوبصورت بنائے۔ اسکی چھپائی بھی اچھے چھاپ خانوں سے کروانی چاہیئے۔ چاہے یہ کام جموں سے باہر دہلی یا جالندھر سے ہی کیوں نہ کروانا پڑے۔ سب سے اچھا تو یہ ہوتا کہ اگر اکادمی اپنا ایک جدید ترین بڑھیا چھاپ خانہ لگوائے۔ حالانکہ شروع میں اس میں کافی سرمایہ صرف ہوگا، لیکن اسکے دیرپا اثرات سب کیلئے مفید ہونگے۔ ایک دوسری شکایت جو ادیبوں کو اکادمی سے ہے وہ یہ ہے کہ ادیبوں کو ان کے کام کا معاوضہ بہت کم دیا جاتا ہے اسکی شرح شاید کافی عرصے سے بڑھائی نہیں گئی ہے۔

کسی بھی زبان اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے اس میں متواتر تحقیقی کام کیا جانا بہت ضروری ہے۔ اکادمی کو چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا طریقۂ کار اختیار کرے جس سے آرٹ کے علیحدہ علیحدہ شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے ادیبوں اور فنکاروں سے ایسی تحقیقی تجاویز طلب کی جائیں جن سے ڈوگری زبان اور فن میں نمایاں اضافہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر جموں کے مکانوں، محلوں، مندروں

اور کھنڈروں میں ضائع ہو رہی دیواری تصاویر، مورتیوں اور پرانے مصوّروں کے سلسلے میں کافی تحقیق کی ضرورت ہے۔ حالانکہ لوک گیتوں اور لوک کتھاؤں کی طرف توجہ دی گئی ہے لیکن ان سے متعلق خوبصورت قسم کی کوئی دستاویزی فلم تیار نہیں کی گئی۔ زبان کی ترقی کے لئے روایتی طریقوں سے کنارہ کش ہو کر جدید اور مقبول ترین طریقۂ کار کو استعمال کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ جیسے ٹی، وی اور دستاویزی فلم۔ ماضی میں 'ٹیپو سلطان' اور 'جسماں' جیسے شاہکار اوپیرا کئے گئے۔ ایسے اوپیرا اور دوسرے پروگرام جو اکادمی تیار کر سکتی ہے ان کی ٹی، وی فلمیں اور دستاویزی فلمیں تیار کی جانی چاہیں تاکہ اکادمی کے سرمایہ اور فنکاروں کی محنت سے بھرپور استفادہ اٹھایا جا سکے اور یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں۔

● ہندی سے ترجمہ

مترجم :۔ ڈاکٹر نظام الدین

تاریخ :- ۲۵ر مارچ سنہ ۱۹۸۴ء

مقالہ :- کلچرل اکادمی کے پچیس سال اور ڈوگری زبان

مقالہ نگار :- ڈاکٹر للت منگوترہ

مقام :- ابھنو تھیٹر جموں۔

ایوانِ صدارت :- شری دینو بھائی پنت

جناب سیف الدین سوز

پروفیسر سیوا سنگھ

شری پرتھوی ناتھ مدھوپ

گفتگو :-

مقالہ نگار کی عدم موجودگی میں یہ مقالہ شیرازہ ہندی کے ایڈیٹر شری رمیش مہتہ نے پڑھ کر سُنایا۔ مقالے کے اختتام پر گرما گرم بحث ہوئی، جسمیں شرکائنے کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔

شری وید راہی :- میں یہ منضبط مقالہ لکھنے کے لیے ڈاکٹر منگوترہ کو مبارکباد دیتا ہوں، جسکو کہ نہایت اچھی طرح اور معتبر طریقے پر پیش کیا گیا ہے۔ اُس نے اکادمی کو مستقبل میں اپنے طریقہ کار کو بہتر بنانے کے لئے کچھ اچھی تجویزیں رکھی ہیں خاصکر وہ تجاویز جن کا تعلق ڈوگری ادب اور زبان سے ہے۔ مجھے ڈوگری کتابوں کی فروخت کے بارے میں کوئی اور تجویز پیش نہیں کرنی ہے جو یہ ڈوگری ادیبوں کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ ڈوگری کتابوں کی فروخت کیلئے کوئی باقاعدہ نظام نہیں اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہمارے سامنے آیا ہے اور

ہمیں کم ہمت بنا دیا ہے۔ اس نے مصنفین کی کتابوں کی اشاعت کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ مسودے مصنفین کے پاس پڑے رہتے ہیں جسکے نتیجے میں وہ کم ہمتی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں ایک آسان سا منصوبہ آپ کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

کلچرل اکادمی ایک خود مختار ادارہ ہے جو بلاواسطہ طور پر سرکار کے ساتھ وابستہ ہے۔ سرکاری سطح پر ایک رابطہ کمیٹی کی تشکیل کافی فائدہ مند ہوگی۔ اس کمیٹی کو کلچرل اکادمی، سکولوں اور کالجوں کے درمیان اشتراک کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہیئے کیونکہ یہ ادارے محکمہ تعلیم کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ اس کمیٹی کو ایک قاعدہ بنانا چاہیئے کہ یہ ادارے لازمی طور پر وہ کتابیں خریدیں جو اکادمی اور علاقائی زبانوں کے ادیب شائع کرتے ہیں، یعنی ڈوگری، کشمیری، گوجری اور لداخی۔

نذر بونیاری:۔ یہ مقالہ نہیں بلکہ سرسری جائزہ ہے جسمیں کلچرل اکادمی کی کارکردگی کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مقالہ نگار نے کچھ تجاویز بھی رکھی ہیں۔ میرا تو نظریہ یہ ہے کہ اس قسم کا جائزہ متعلقہ زبان کے مدیر کا لکھا ہوا ہونا چاہیئے تھا۔ مقالے کے کچھ حصوں کو دُہرایا گیا ہے۔ جیسا کہ آج صبح کلچرل اکادمی کے سیکریٹری نے اپنی تقریر میں بتایا" میری نظر میں اس مقالے میں تحقیقی اہمیت کی کوئی چیز موجود نہیں"۔

شری ست پرکاش آنند:۔ ہمیں توقع تھی کہ مقالہ نگار نے موضوع سے متعلق گہرائی میں جاکر کچھ نمایاں حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا ہوگا۔ یہ صرف ایک بیانیہ مضمون ہے، تحقیقی مقالہ نہیں۔ اسمیں کسی ادیب کی خصوصیات کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ میں اس مقالے کو

ڈوگری زبان کے لئے توہین سمجھتا ہوں۔ میں چاہونگا کہ اس مقالے کو واپس لیا جائے اور اس کی جگہ ایک نیا مقالہ لکھوایا جائے جسمیں آزمودہ کار ادیبوں کی خصوصیات کو بیان کیا جائے۔

رشید نازکی :- اس اجلاس میں بار بار کہا گیا کہ یہ مقالہ نہیں۔ اس سلسلے میں، میں صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ لفظ مقالہ عربی سے ماخوذ ہے اور اس پر میں نے تفصیلی بحث کی ہے۔ جہاں تک اس لفظ کے لغوی معنی کا سوال ہے میری نظر میں یہ ایک مقالہ ہے۔ اسلئے شک و شبہ کو دور کیا جائے۔ فاضل نازکی صاحب نے ایک منصوبہ اکادمی کے سامنے رکھا جسکا مقصد کثیر اللسان علاقائی زبانوں کی ڈکشنری ہے جو کہ ریاست جموں و کشمیر کی تمدنی اکائیوں کو سمجھنے میں کافی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

شری پدم دیو سنگھ نردوش :- میں ڈوگری زبان اور ادب کے تئیں کلچرل اکادمی کی کارکردگی کو سراہنا چاہتا ہوں۔ جو کام اس نے اس زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے کیا ہے۔ میں اکادمی کی توجہ ملک میں جاری شدہ پنجابی گانوں کے غیر اخلاقی ریکارڈوں کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ اکادمی چاہیئے کہ اس سلسلے میں ایک سیمنار منظم کر کے ہمارے کلچر کو اس بے راہ روی سے بچائے۔

شری تیغ بہادر بھان :- زیر نظر مضمون ایک رپورٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ مقالہ ہمیں زبان کی ادبیت اور نفسیات کے متعلق کچھ نہیں بتاتا، جسکی ہمیں توقع تھی۔

شری دیش بندھو نوتن :- یہ مقالہ نگار گذشتہ ۲۵ سال کے دوران ڈوگری زبان کے تئیں اکادمی کی خدمات کی مکمل تصویر کشی پیش کرنے میں ناکام رہا ہے۔

(ب) امیر خسرو کا جو حوالہ اکثر ڈوگری زبان کے بارے میں دیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اس کو ڈوگری CHAUVINISM سے تعبیر کیا جائے گا۔

(ج) ڈوگری کا تعلق جموں تک ہی محدود نہیں جیسا کہ مقالہ نگار نے دعوی کیا ہے بلکہ یہ زبان ایک وسیع علاقے میں کہیں اور بھی بولی جاتی ہے۔

(د) کلچرل اکادمی ڈوگری شیرازہ شایع کرنے اور ادیبوں کو سبسڈی دینے کے لیئے ستائش کی مستحق ہے مگر تعصب کی زنجیریں ہمیں جرأت مندی کے ساتھ خیالات کے اظہار سے روک رہی ہیں۔ کیونکہ یہ ادارہ بذاتِ خود ایک سرکاری ادارہ ہے۔ محنت کش طبقہ اپنا ادب خود پیدا کرتا ہے۔ اُسے سرپرستی کی ضرورت نہیں۔

(ہ) شیرازہ اور دوسری ڈوگری مطبوعات کو دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا جاتا ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی تعداد کافی بڑی ہے جو صرف فارسی رسم الخط سے واقف ہے۔ مسلمان ڈوگری ادیب اور دوسرے بہت سارے فارسی رسم الخط میں لکھتے ہیں، اِس حقیقت کے پیشِ نظر کوئی تدبیر نکالی جانی چاہیئے کہ یہ مسئلہ حل ہو۔ کشمیری زبان نے کچھ اعراب کو صوتی مناسبت کیلئے قبول کیا ہے۔ مگر ڈوگری میں ہم اُنیس[19] حروفِ علت کو دیوناگری خط کی محدودیت کی وجہ سے مناسبت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے۔ اِس مسئلے کا تعلق خاص کر اُن ادیبوں کے ساتھ ہے جو دُور دراز دیہات میں رہتے ہیں۔

(و) ڈوگری کتابوں کا ترجمہ کشمیری میں اور کشمیری کتابوں کا ڈوگری میں کیا جانا چاہیئے تاکہ باہمی ناآشنائی کی بڑھتی ہوئی خلیج کو، جو کہ دونوں صوبوں کے لوگوں کے درمیان بڑھ رہی ہے، پاٹا جا سکے۔

(ز) شیرازہ کی باقاعدگی میں گذشتہ کئی شماروں سے جموں میں چھپائی کے
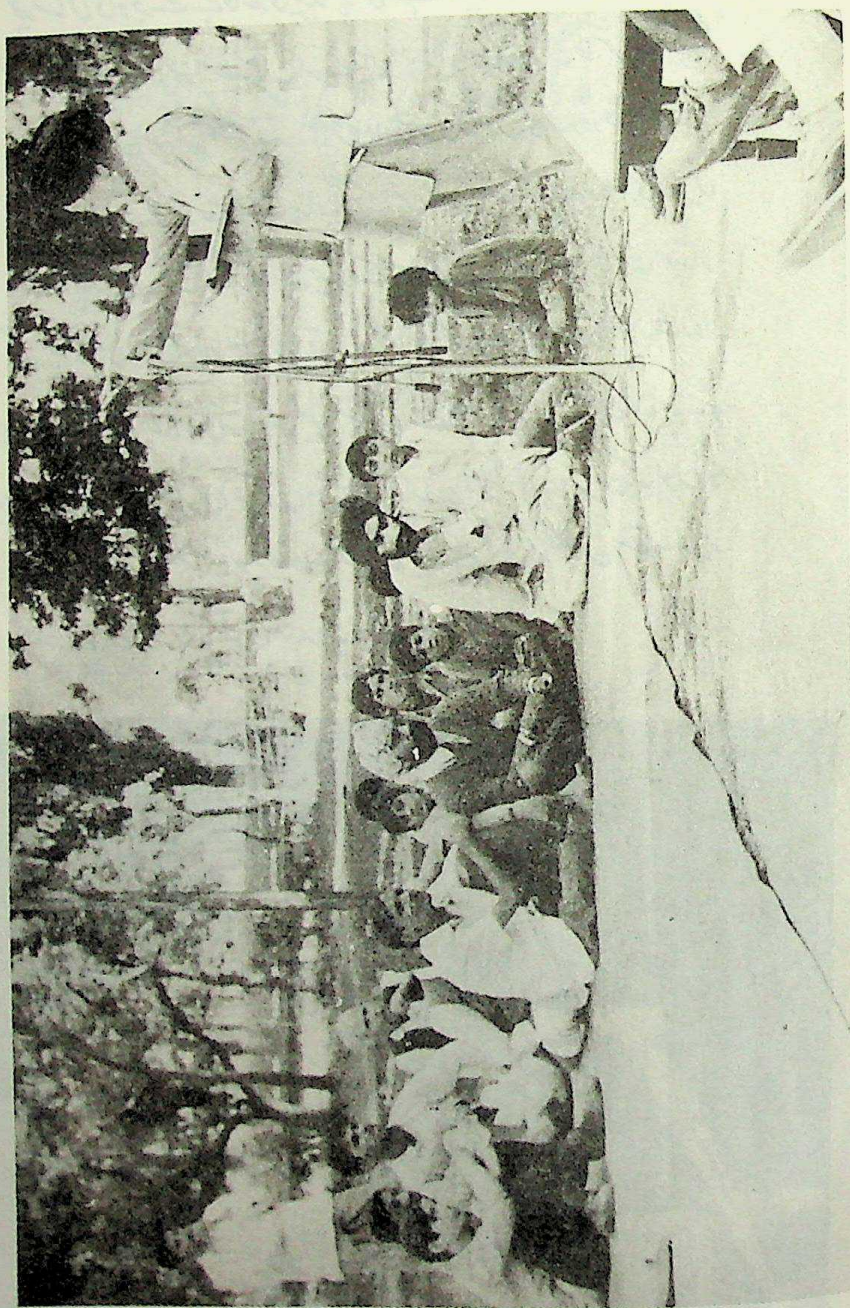
کچھ مسائل کی وجہ سے بے قاعدگی پیدا ہوگئی ہے۔ ہمیں اس مشکل کو سمجھنا چاہیئے اور اکادمی کے ساتھ اشتراک کر کے اس مشترکہ مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیئے۔

شری گُرچرن سنگھ گُلشن :۔ ڈوگری اور کشمیری کتابوں کی محدود فروخت کا معاملہ یہاں پر موضوع بحث بنا دیا گیا۔ اس قسم کے مسائل سے دوسری زبانیں بھی دوچار ہیں۔ ہاں ڈوگری اور کشمیری کے سلسلے میں اس نے ذرا شدت اختیار کی ہے، جسکی وجہ اور زبانوں کا باقاعدہ رسم الخط ہے، یعنی ٹاکری اور شاردا۔ اکادمی کو خود بھی علاقائی زبانوں میں مطبوعات کا سلسلہ ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ اور اکادمی اور سرکاری افسروں پر مشتمل ایک رابطہ کمیٹی بنا کر ان کتابوں کو مختلف سرکاری محکموں کو فروخت کر دینا چاہیئے (شری گلشن مقالے پر بحث کرنے والے آخری مندوب تھے):۔

اُردو کی ترویج میں اکادمی کا حصّہ

برج پریمی

اس بیان سے خودستائی کا کوئی پہلو ظاہر کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک حقیقت کا اظہار کرنا ہے کہ اس خطۂ ارضی نے صدیوں سے اپنے کارناموں کے جوہر سے ساری دنیا کو قائل کیا ہے اور یہاں کے ذہنِ رسا کا لوہا منوایا ہے۔ یہ کارنامے ایسے ہیں جن کے باعث یہاں کی رعنائیوں میں کئی رنگوں کا اضافہ ہوا ہے۔ علم، ادب، فنونِ لطیفہ، فلسفہ، گیان و عرفان کونسا شعبہ ہے، جہاں ہم نے اپنا چراغ روشن نہ کیا ہو۔ سنسکرت اور فارسی ادبیات کے بعد جس زبان نے ہم کو اپنا گرویدہ بنالیا وہ اُردو زبان ہے۔ اردو نے اگرچہ ہماری ریاست سے بہت دور جنم پایا لیکن یہاں کے لوگوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کی اور اپنے تخلیقی ذہن کی تمام توانائیوں کے ساتھ اِس زبان اور اس کے ادب کی توسیع میں اہم رول ادا کیا اور اس بات کے باوصف کہ ہم کو اہلِ زبان ہونے کا دعویٰ نہیں ہم نے اس زبان کو اپنی مادری زبان سے کم

اہمیت نہیں دی۔ یہی وہ زبان ہے جس کو ہم نے برس ہا برس تک ذریعۂ اظہار بنایا، جس میں ہم نے پہلا اخبار نکالا، پہلا افسانہ تخلیق کیا، پہلی تنقید لکھی اور تحریک آزادی کے پہلے نغمے الاپے۔ یہ زبان سال ہا سال تک درباری زبان رہی ہے۔ اور آج بھی اسے سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ آج بھی ہم اپنی تمام محبتوں کے ساتھ اسے گلے لگائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس زبان میں تعداد کے اعتبار سے ہمارے کارنامے بہت قلیل ہیں، لیکن اردو ادب کا کوئی سنجیدہ قاری ان کارناموں کی اہمیت کو صرف نظر نہیں کر سکتا اور ہمارا دعویٰ بے بنیاد نہیں کہ اُردو کی کوئی بھی ادبی تواریخ ہمارے کارناموں کا ذکر کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

ریاستِ جموں وکشمیر میں اردو زبان وادب کے خدوخال ڈوگرہ عہد میں ابھرنے لگے حتیٰ کہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہدِ حکومت کے دوران ۱۸۸۹ء میں اسے سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ یہ ریاست میں اس زبان کی مقبولیت تھی کہ جس نے آہستہ آہستہ فارسی کی جگہ لی اور اس ریاست کے باصلاحیت لوگوں نے اس زبان کے توسط سے یہاں کی معاشی، سماجی اور ادبی زندگی میں اپنا رول ادا کرنا شروع کیا۔

ڈوگرہ شاہی کے طوقِ غلامی کو اُتار پھینکنے کے بعد جب ریاست کے باشندوں نے آزاد فضاؤں میں سانس لینا شروع کیا تو اور زبانوں کے علاوہ جس بات کی طرف ہماری خصوصی توجہ ہوئی وہ گنگ وجمن کی فضاؤں سے معطر یہی زبان تھی۔ ہم نے اپنی علاقائی زبانوں میں یعنی کشمیری، ڈوگری اور لداخی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس زبان کی وسعت، پھیلاؤ اور ترقی کی راہیں نکالیں ہیں کہ یہی زبان ہماری ریاست میں رابطے کی زبان ہے اور اس کی

توسیع اور ترقی تک محدود رکھنے کی صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوصف
اس ادارے نے اردو کو فروغ دینے کے لئے جو کام کیا ہے وہ قابلِ ستائش
ہے اور جسے نظر انداز کرنا کور ذوقی اور کم ظرفی ہے۔ اکادمی نے گذشتہ برسوں
میں نہ صرف از خود کافی کتابیں شایع کروائی ہیں بلکہ ایسے مسودات بھی چھپ کر
منظرِ عام پر آئے ہیں، جو مالی دشواریوں کے باعث مصنّفین کی عدم توجہ کے
شکار ہو چکے تھے۔ اکادمی نے مالی امداد فراہم کر کے یہ دشواریاں کسی حد تک
دور کر دیں اور بہت سے گرانقدر کارنامے سامنے آئے۔ اسی طرح دوسری
کئی زبانوں کی تخلیقات کو اردو میں اور اُردو تخلیقات کو دوسری زبانوں منتقل
کر کے اردو کے لئے کام کر رہی ہے اور اس طرح پورے ملک کے اُردو
سے دلچسپی لینے والوں کا حلقہ بڑھ گیا ہے۔ اکادمی اپنے ماہوار اور سالانہ جرائد
کے ذریعے اردو کے لئے کام کر رہی ہے اور اس طرح پورے ملک کے اردو سے
دلچسپی لینے والوں تک ہماری تخلیقات پہنچتی ہیں اور ملک کے ادیبوں، شاعروں
اور دوسرے لکھنے والوں کی تحریروں سے ہم فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس
پورے کام کا جائزہ لینا یہاں دشوار ہے۔ پھر بھی چند اہم کارناموں کی طرف
توجہ دلانا مناسب ہے۔ اس سلسلے میں راقم کو اکادمی کی مطبوعات اور اکادمی
کے دفتر سے جو اعداد و شمار فراہم ہوئے اُن کی بنیاد پر اردو کے سلسلے میں
اکادمی کی کارگذاری اس مختصر سے مضمون میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ مالی امداد

(i) گذشتہ پانچ برسوں کے دوران اُردو کے ایک سو بائیس (۱۲۲)
مصنّفین کو مالی امداد کے طور پر -/90،722 روپے کی خطیر رقم دی گئی
ہے تاکہ وہ اپنی کتابیں شائع کر سکیں۔ اس طرح سے گذشتہ پانچ برسوں کے

کے دوران ۱۲۲ نئی اردو کی کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ کتابیں اردو ادب کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ ایسی کتابیں جو برس ہا برس سے گرد کی دبیز تہوں کے نیچے پڑی ہوئی تلف ہو رہی تھیں وہ محفوظ ہو گئی ہیں اور لکھنے والوں کے حوصلے بلند ہوئے ہیں۔

(ب) مزید ۲۲ مصنفین کے لئے ۵/۲۲۰۵ روپے کی رقم منظور ہوئی ہے تاکہ وہ اپنی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کر سکیں۔ ان مصنفین کی کتابیں اب شائع ہوتے جا رہی ہیں۔

(ج) گذشتہ برسوں میں اکادمی نے ۳۰،۰۰۰/- روپے مختلف کتابوں کی اشاعت کیلئے منظور کر لئے تھے۔ اس رقم سے اکادمی ہی کے اہتمام سے اردو کی اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ۱۲ جلدوں پر مشتمل اُردو کشمیری فرہنگ مکمل ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(د) اکادمی ایسے مصنفین کی مالی امداد کرنے کے پروگرام پر عمل درآمد کرنے لگی ہے جو روزگار کے معیاری وسائل کی عدم موجودگی کے باعث آئے دن مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس فہرست میں اُردو کے پانچ مصنفین بھی شامل ہیں جن کو اکادمی ۷۵/- روپے ماہوار کا وظیفہ دیتی ہے۔ اکادمی نے یقیناً ایک حوصلہ افزا کام کی شروعات کی ہیں جس کے لئے یہ مبارکبادی کی مستحق ہے۔

۲۔ اردو مطبوعات

(ا) شیرازہ اور ہمارا ادب کی اشاعت

اردو شیرازہ اکادمی کا ترجمان ہے اور گذشتہ بیس بائیس برس سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ ابتدا میں سہ ماہی پرچے کے طور پر جاری

(ج) اکادمی کے کاشُر اور ڈوگری شیرازہ میں اُردو سے متعلق مضامین شایع ہوتے ہیں یا بعض اردو تخلیقات کا ترجمہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پریم چند، اقبال، غالبؔ وغیرہ کے بارے میں بعض معیاری مضامین اردو ترجمے شایع ہو چکے ہیں۔ ان کی مدد سے کشمیری اور ڈوگری کے قارئین کو بھی اردو ادبیات سے جانکاری ہوتی ہے۔

(۳) مطبوعات

گذشتہ برسوں میں اکادمی نے اپنے صرفے سے کئی بلند پایہ اور معیاری کتابیں شایع کرلی ہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جو اکادمی خود شایع کرواتی ہے ان میں اردو کشمیری فرہنگ بہت اہم ہے۔ ۱۲ جلدوں پر مشتمل یہ فرہنگ تقریباً ۷ ہزار الفاظ کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں الفاظ کے معنی، تلفظ، ان کی اصل اور ماخذات شامل ہیں۔ اس لغت کو فرہنگِ آصفیہ، فیروز اللغات نور اللغات، مہذب اللغات اور پلیٹس (PLATES) کی اردو۔ انگریزی لغت کی بنیاد پر تیار کرلیا گیا ہے۔ یہ ضخیم فرہنگ ایک کارنامے سے کم نہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر گیان چند کی تفسیرِ غالبؔ، غالب کے غیر متداول کلام کی تفسیر پیش کرتی ہے اور نکات واقعات غالبؔ اکبر علی خان عرشی زادہ نے اپنے حواشی اور مقدمے کے ساتھ ترتیب دی ہے جس میں غالبؔ کے نادر واقعات اور تحریروں کو شامل کیا گیا ہے۔ دوسری اہم کتابوں میں پروفیسر عبد القادر سروری مرحوم کی تین جلدوں میں 'کشمیر میں اردو' ڈوگری لوک گیت اور پہاڑی آرٹ (ترجمہ ٹھاکر پونچھی)، نئی حسیت اور اردو شاعری (حامدی کشمیری) انوار ابوالکلام (مرتبہ علی جواد زیدی)، کشمیری زبان اور شاعری (عبد الاحد آزاد) کلیات آزاد (مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو)، محفلِ اقبال (مرتبہ رشید نازکی)

انتخاب اردو ادب (مرتبہ نور شاہ)، خیابان خیابان (مرتبہ روشن صدیقی) وطن کی پکار (مرتبہ محمد یوسف ٹینگ) دیوان میر (مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری) شامل ہیں۔

(ب) ترجمے

گذشتہ برسوں میں اکادمی کے اہتمام سے اردو کی مقتدر شخصیات کے کارناموں کو کشمیری اور ڈوگری میں منتقل کیا گیا ہے۔ پریم چند کی بعض کہانیاں، اقبال کا منظوم ترجمہ "پرتوِ اقبال"، غالب نمبر (کاشر شیرازہ) اقبال نمبر (کاشر شیرازہ) پریم چند نمبر (کاشر شیرازہ) غالب نمبر (ڈوگری شیرازہ)، اقبال نمبر (ڈوگری شیرازہ) اس ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح کشمیری اور ڈوگری ادبیات کو بھی اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے، مثلاً لل دید اور شیخ العالم کے کلام کو پہلی بار اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ نند لال کول طالب اور پروفیسر جے لال کول کے لل دید کے کلام کا اردو منظوم ترجمہ ایک مستحسن کام ہے۔ اسی طرح جدید ڈوگری ادب کا ارتقاء (مترجمہ ٹھاکر پونچھی) پربت اور پنگھٹ (کشمیری اور ڈوگری کہانیوں کا ترجمہ) اردو والوں کو کشمیری اور ڈوگری ادبیات کے کئی رنگوں سے متعارف کراتے ہیں۔

۴۔ ادبی تنظیموں کو مالی امداد

اکادمی ہر سال مختلف ادبی انجمنوں کو مالی امداد سے نواز کر ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ان میں اردو کی ادبی انجمنیں بھی شامل ہیں، اس سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ یہ انجمنیں باقاعدہ طور پر اردو کی ترویج اور ترقی میں سرگرم عمل ہیں۔

صد سالہ برسیاں اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ اکادمی کے اہتمام سے ریاست میں
اِن بزرگوں کے شایانِ شان محفلیں منعقد ہوئیں اور سیمناروں کا اہتمام کیا گیا۔

۸۔ اُردو ڈراما

(ا) اکادمی کی طرف سے اُردو کو موثر ڈھنگ سے مقبول بنانے کے لیے ڈرامے کے
وسیلے سے بھی مستحسن کوششیں کی گئی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ برسوں میں اکادمی
کے زیرِ اہتمام کئی معیاری ڈرامے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پیش
ہوئے۔ اِن میں زبیر رضوی کا "پیا پاج پیالہ" علی محمد لون کا "جھیل بلا رہی ہے"
اور "ہمالیہ کے چشمے" قابلِ ذکر ہیں۔

(ب) ہر سال ڈراموں کے سکرپٹ کمپیٹیشن منعقد ہوتے ہیں جن میں اُردو
کے ڈرامے بھی شامل ہیں۔

(ج) ہر سال اکادمی کے اہتمام سے جشنِ تمثیل ترتیب دئے جاتے ہیں اور
بہترین ڈراموں پر انعامات دئے جاتے ہیں۔ اِن مقابلوں میں اُردو کے
ڈرامے بھی شامل ہیں۔

(۹) انعامات اور خلعت فاخرہ۔

(ا) اکادمی ہر سال ریاست میں چھپنے والی بہترین اردو کتابوں پر دو انعامات
دیتی ہے۔ اکادمی کے اعداد و شمار کے مطابق اردو کتابوں کو ۹،۷۵۰/۔ ۲۹ روپے
کے انعامات مِل چکے ہیں۔

(ب) ریاست کے بزرگ شاعروں اور ادیبوں کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر
انہیں خلعت فاخرہ سے نوازنے کا سلسلہ بھی اکادمی نے شروع کیا ہے۔
چنانچہ اب تک رسا جاودانی مرحوم، میر غلام رسول نازکی، شاہ زور کشمیری
اور کشن سمیلپوری کو ان کی اردو ادبی خدمات کے پیشِ نظر خلعت دئے

جا چکے ہیں۔

دوسرے اقدامات

(ا) اُردو خطاطی کے فن کو ترویج دینے کے لیۓ اکادمی کا شعبہ خوشنویسی اہم خدمت انجام دے رہا ہے اور اس مٹتے ہوئے فن کو زندہ رکھنے کیلئے قابلِ ستائش کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس تین سالہ تربیتی کورس میں خوشنویسی کا فن سکھایا جاتا ہے۔ اس شعبے نے کئی اچھے خوشنویس پیدا کیۓ ہیں جو مختلف اخباروں اور اداروں کے ساتھ منسلک ہو گئے ہیں۔ اس طرح سے نہ صرف ایک بڑی کمی دور ہو رہی ہے بلکہ ایسے لوگوں کے روزگار کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خطاطی کے شعبے میں تربیت پانے والوں کو اکادمی -/۷۵ روپے ماہوار وظیفہ بھی دیتی ہے۔ ابھی چند سال پہلے اکادمی نے ملک بھر میں خطاطی کا پہلا کُل ہند انعامی مقابلہ سری نگر میں منعقد کیا تھا۔

(ب) اُردو ٹائپ رائٹنگ کیلئے ایک سال کا تربیتی کورس اکادمی نے شروع کیا ہے۔ اس سے ریاست کی ایک دیرینہ کمی پوری ہوگی اور خاص طور پر اُردو میں کام کرنے والوں کیلئے آسانی ہو گئی ہے۔

(ج) خطاطی کے قدیم نسخوں کو محفوظ کرنے کے لئے اکادمی نے دو البم "شیرین قلم" کے نام سے چھاپ دئیے ہیں۔

ریاستی کلچرل اکادمی کی کارکردگیوں کے اس مختصر سے جائزے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ادارے نے اس ریاست میں حتی المقدور جو کام اُردو کی بقا اور توسیع کے لئے کیا ہے وہ کافی اہم ہے اور اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا، لیکن پھر بھی کچھ کوتاہیاں ہیں، جن پر نظر رکھتے

اور جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح سے اکادمی کی سرگرمیاں زیادہ فعال ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہماری رائے میں ذیل کی تجاویز پر غور کیا جانا چاہیے۔

ا۔ اکادمی کی طرف سے گذشتہ برسوں میں "اکادمی" کے نام سے ایک خبرنامہ شائع ہوتا تھا۔ یہ خبرنامہ ریاست میں ہوئی اور ہونے والی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کی موثر ڈھنگ سے اطلاعات فراہم کرتا تھا۔ اس خبرنامے کو اکادمی کے اربابِ اختیار نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر بند کر دیا ہے۔ ہماری رائے میں اسے از سرِ نو اجرا کیا جانا چاہیئے۔

(ب) اُردو شیرازہ پہلے سہ ماہی ہوا کرتا تھا۔ اب اسے ماہانہ کر دیا گیا ہے۔ ایسے اقدامات فعال ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کن دشواریوں کے پیشِ نظر پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہوتی ہے، اور پرچہ باقاعدگی سے شائع نہیں ہوتا۔ اکادمی کے اربابِ اختیار کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

شیرازہ نے اردو کے ادبی حلقوں میں ایک مقام بنایا ہے۔ خاص طور پر اس کے خاص نمبروں میں کافی جان ہوتی ہے۔ پرچے کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے بہتر ہے کہ اسے دو ماہی کر دیا جائے اور اس کی ضخامت میں اضافہ ہو۔

(ج) اکادمی کی اردو مطبوعات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکادمی نے ان کتابوں پر زرِ کثیر خرچ کیا ہے، خصوصیت کے ساتھ "ہمارا ادب" کے بعض نمبر دستاویزی اہمیت کے حامل ہیں اور ریاست کی ثقافتی، سیاسی اور سماجی زندگی پر سے بہت سے پردے سرکاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ادب، فن، ثقافت، سیاسی اور سماجی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر مستقل کتابیں لکھوائی جائیں۔

(د) ترجمہ کاری کے سلسلے میں اکادمی اقدامات کر رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ریاست کی تینوں اکائیوں میں بھرپور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اُردو میں ایسا ادب اور ایسا مواد ترجمہ کروائے جو یہاں کی مختلف زبانوں کے ذخائر میں موجود ہے۔

(ر) اردو میں ایسی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے جن کا تعلق سماجی علوم، سائنس، فلسفے اور دوسرے علوم سے ہو تاکہ ایسے علوم کے بارے میں اُردو کے قارئین کو کما حقہ واقفیت ہو۔

(ڑ) مغربی اور مشرقی ادبیات کے منتخب کارناموں کو اُردو میں منتقل کیا جائے۔

(س) اُردو کے نمائندہ کارناموں کو یہاں کی علاقائی زبانوں میں منتقل کیا جائے۔

(ش) اُردو میں ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا ترتیب دیا جائے جس میں ادبی اصطلاحات کی وضاحت ہو۔

(ص) ریاست کے اُردو ادیبوں اور شاعروں کی ایک ڈایریکٹری تیار کی جائے جس میں یہاں کے اُردو لکھنے والوں کے سوانحی اشاروں کے ساتھ ان کی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کیا جائے۔

(ض) ریاست کے لکھنے والوں کی کتابوں کی اشاعت کے لئے جو رقم مخصوص ہوتی ہے، اس میں موجودہ گراں بازاری کے پیش نظر اضافہ کیا جائے۔ تاکہ زیادہ آسانی سے کتابوں کی اشاعت ممکن العمل ہو۔

(ط) اکادمی اُن مسودات کا کھوج لگائے جو ان کے لکھنے والوں یا ترتیب دینے والوں کے انتقال کے بعد گوشۂ تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پروفیسر سروری مرحوم نے اپنی کتاب "کشمیر میں اُردو" میں ایسے بہت سے ادیبوں اور شاعروں کی نشان دہی کی ہے جن کے

جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی کی اردو خدمات

محمد اسد اللہ وانی

ریاستِ جموں و کشمیر، جموں، کشمیر اور لداخ، تین اکائیوں پر مشتمل ہے۔ ریاست کی یہ تینوں اکائیاں مذہب، آب و ہوا، جغرافیائی تقسیم اور لسانی و تہذیبی اعتبار سے مختلف ادوار میں ایک دوسرے سے مختلف رہیں۔ کبھی سیاسی اُتھل پُتھل نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک و مربوط کیا اور کبھی بالکل جدا کر دیا۔ لیکن ڈوگرہ عہدِ حکومت میں ان تینوں اکائیوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا اور اس طرح سے یہ ایک ریاست قرار پائی جس کے طول و عرض میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہدِ حکومت میں اردو کو عروج حاصل ہوا۔

سنہ ۱۸۹۳ء[1] میں جب مہاراجہ کو انگریزوں کی سازش کے تحت گدی سے ہٹا کر ملک بدر کر دیا گیا تو حکومت کا کام ایک انگریز ریذیڈنٹ کو

---

[1] بحوالہ شیرازہ اردو جلد ۱۱ شمارہ ۳ مطبوعہ کلچرل اکیڈیمی ص ۷۸

سونپا گیا جس کی مدد کیلیئے ایک کونسل بنائی گئی جسکی ساری کاروائی فارسی کے بدلے انگریزی میں کرنے کا حکم صادر ہوا۔ مگر جب مہاراجہ نے دوبارہ گدی حاصل کی تو اُس نے انگریزی زبان کو ہٹا کر اُردو کو راج دربار کی زبان قرار دیا۔ گو یہ کاروائی انگریزوں اور اُن کی زبان سے انتقام کے تحت عمل میں لائی گئی مگر تب سے ہی اردو جموں و کشمیر کی سرکاری زبان قرار پائی۔ یہ الگ بات ہے کہ اِس زبان کو آج کے اِس عوامی راج میں صرف آئینی حقوق حاصل ہیں ورنہ ؎ زبان یار من ترکی و من ترکی نمیدانم

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تو ریاستِ جموں و کشمیر کو بھی ڈوگرہ حکمرانوں نے عوامی حکومت کے حوالے کیا۔ اسوقت جو ریاستی آئین بنایا گیا اُسمیں ریاست کی سرکاری زبان اُردو قرار دی گئی مگر آزادی کے اِن ۳۷ برسوں کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُردو زبان اس مقام سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے جہاں پر یہ آئین سازوں کے وقت تھی۔ ہاں اردو کا عقد انگریزی کے ساتھ کر دیا گیا جس کا طوطی اُس کی چرب زبانی کی وجہ سے بول رہا ہے۔ ترقی کی بات علاقائی زبانوں کی ہو رہی ہے۔ نام نہاد سند یافتہ اُردو کے نام لیواؤں کی فہرست اسقدر طویل ہے کہ وہ ابھی تک نقطوں کے ہیر پھیر میں ہی گرفتار ہیں۔ اس سلسلے میں صرف اتنا کہنا ہی بہتر رہے گا ؎

اس گھر کو آگ لگی ہے گھر کے چراغ سے

بہر کیف اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، مایوسی اور نا امیدی کے اِس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اُمید کی ایک شمع ابھی تک ضُو فشاں ہے،

جو نہ صرف اطراف واکناف بلکہ ملک اور بیرونِ ملک کے پروانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اِس شمع کا نام جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز ہے۔ گذشتہ ۲۵ برس سے اردو کے سلسلے میں جو خدمات اِس ادارہ نے انجام دی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز کا قیام صدرِ ریاست کے حکم نمبر 58/SR-4 مورخہ ۲۷ جولائی 1958ء کو جموں و کشمیر کے آئین کی دفعہ 146 کے مطابق عمل میں لایا گیا جس کا سرپرست صدرِ ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ تھا۔ اکیڈیمی کا افتتاح ۱۷ اگست 1958ء کو ڈاکٹر موصوف کے ہاتھوں طالع منزل میں ہوا۔ ۲۷ اکتوبر 1958ء کو اکیڈیمی کے چیئرمین اور ریاست کے پرائم منسٹر جناب بخشی غلام محمد نے اکیڈیمی کے دفتر کا افتتاح میونسپل بلڈنگ میں کیا جو اسوقت مرکزی حکومت کے پی، آئی، بی کا دفتر ہے۔

1958ء میں اکیڈیمی کی مرکزی کمیٹی جن گیارہ ممبران پر مشتمل تھی، اُن میں دوسری زبانوں کے علاوہ اُردو سے وابستہ یہ ادیب اور شاعر بھی تھے، اے، اے، اے فیضی (وائس چانسلر جموں و کشمیر یونیورسٹی) رسا جاودانی، علی جواد زیدی، ماسٹر زندہ کول، غلام رسول[1] سنتوش، مرزا کمال الدین شیدا (ممبر سیکریٹری)

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز جیسا کہ اِس کے نام سے ہی عیاں ہے کہ اِس کو معرضِ وجود میں لانے کا مقصد ریاست میں پنپ رہی زبانوں کی ترقی و ترویج، اس کے ادب، ثقافت اور دیگر

---

[1] غلام رسول سنتوش نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اردو زبان سے ہی کیا ہے۔

فنونِ لطیفہ کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ اِس سلسلے میں اِس ادارہ نے یہاں
کی دیگر زبانوں اور علاقائی بولیوں کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی و ترویج
کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ اِس کے پچیس برسوں پر پھیلی ہوئی
ہیں اور ان کا احاطہ کرنا کسی حد تک دشوار ہے۔ پھر بھی اُن تمام پہلوؤں پر
حتی الامکان روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مطبوعات

اکیڈیمی نے اپنے قیام کے ساتھ ہی مختلف زبانوں میں کتابوں کی طباعت و
اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور اسوقت تک لگ بھگ چار سو سے زائد مختلف عنوانات
کے تحت مختلف زبانوں کی کتابوں کی دو لاکھ کاپیاں شائع کی ہیں۔ اِن زبانوں میں ڈوگری، کشمیری، گوجری،
پہاڑی، لداخی، بلتی، پنجابی، ہندی، سنسکرت، فارسی، انگریزی اور اردو شامل ہیں۔

جہاں تک اُردو کا تعلق ہے ماہنامہ شیرازہ اور اِس کے خصوصی
شماروں کو چھوڑ کر لگ بھگ نو ۹۰ سے چھوٹی بڑی کتابیں آج تک شائع
ہو چکی ہیں۔ اِن میں فارسی کی وہ چار کُتب بھی شامل ہیں جن کے مقدمے
مُرتبین نے اُردو میں لکھے ہیں اور تقریباً بیس کتابیں اردو کشمیری کی ہیں۔

اُردو کشمیری کتابیں آزاد، نادم، حبہ خاتون، لل دید، حقانی، مقبول
کرالہ واری، محمود گامی، مہجور، پرمانند، رُسل میر، شمس فقیر، وہاب
پرے وغیرہ کے انتخاب کلام اور ان کے اُردو تراجم پر مبنی ہیں۔ لل دید
کا اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے۔ ان کے علاوہ اُردو کشمیری کتابوں
میں لکھمن کول بُلبُل کے شاہنامہ کا اُردو ترجمہ، ہندی، ڈوگری، کشمیری،
فارسی، دردی زبانوں کی منظومات کا اردو ترجمہ بعنوانِ سید گُل،
عبدالاحد آزاد کی مشہور تصنیف "کشمیری زبان اور شاعری" کی تین

جلدیں (ان کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپ چکا ہے) اور علامہ اقبال کی شہرہ آفاق اردو اور فارسی منظومات کا کشمیری ترجمہ "پرتو اقبال" کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ خالص اردو کتابوں میں نکات و رقعاتِ غالب، تفسیرِ غالب (گیان چند) انتخاب اُردو ادب (نورشاہ) دیوانِ میر (مرتبہ اکبر حیدری) نئی حسیت اور عصری اردو شاعری (حامدی کاشمیری) "محفلِ اقبال"، ریشیات، شمس العارفین، مرقع علمدار، شیرین قلم (دو جلدیں)، اردو کشمیری فرہنگ (۱۲ جلدیں) جموں و کشمیر میں گوجری زبان و ادب (مرتبہ محمد اسد اللہ وانی) گوجر اور گوجری (۲ جلدیں)، کشمیر میں اردو (عبدالقادر سروری، ۳ جلدیں)، برج نور اور سالنامہ ہمارا ادب سنہ ۱۹۵۹ء سے لیکر سنہ ۱۹۸۳ء تک خاص اور اہم کتابیں ہیں۔ ان کتب میں تفسیرِ غالب اور دیوانِ میر، اردو ادب میں اپنی نوعیت کی لاثانی کتابیں ہیں عبدالقادر سروری نے کشمیر میں اُردو کی ابتدا اور اس کے ارتقاء پر بڑی دیدہ ریزی سے کام کیا ہے۔ اردو کشمیری فرہنگ ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کام اکیڈیمی کا بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔ اکیڈیمی نے اس منصوبہ کو ۱۹۶۱ء میں اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۶۷ء میں اسکی پہلی جلد منظرِ عام پر آئی۔ اس فرہنگ کی ترتیب کے سلسلے میں جو ایڈیٹوریل بورڈ بنایا گیا ان میں اردو ادب سے وابستہ حامدی کاشمیری اور رشید نازکی بھی شامل ہیں۔ اردو کی مشہور و معروف ڈکشنریوں کو سامنے رکھ کر انھیں کشمیری قالب میں ڈھالا گیا۔ اس طرح سے لگ بھگ ایک لاکھ الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال پر مبنی اردو کشمیری فرہنگ کی ۱۲ جلدیں شائع کرکے اکیڈیمی نے ایک اہم علمی کام انجام دیا ہے۔

مشاعرے

کلچرل اکیڈیمی نے معرض وجود میں آتے ہی مشاعروں کا سلسلہ شروع کیا جس میں مقامی اور غیر مقامی شعرا حصہ لیتے ہیں۔ ریاست گیر پیمانے پر لگ بھگ سبھی بڑے قصبوں اور دیہاتوں میں گاہ بگاہ اردو شعری نشستوں کا اہتمام ہوتا رہتا ہے جہاں پر مقامی اردو شاعر اپنے قلم کا جادو جگاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جہاں ابھی تک اکیڈیمی نے اس قسم کی محفلوں کا اہتمام نہیں کیا ہے، ان میں ضلع ڈوڈہ سرِ فہرست ہے۔

۱۹۶۰ء سے اکیڈمی ہر سال جشنِ جمہوریہ کے سلسلے میں جموں میں ایک کل ہند اُردو مشاعرے کا اہتمام کرتی آرہی ہے۔ اِن مشاعروں کی تعداد ۲۵ سے زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ سنہ ۱۹۶۸ء کا قومی یک جہتی کا ایک آل انڈیا اردو کانفرنس کا ایک مشاعرہ اور یوم آزادی کے سلسلے میں سرینگر میں منعقد ہونے والے دوسرے ۵ مشاعرے بھی ہیں۔ ان سبھی مشاعروں میں شرکائ کی مجموعی تعداد پانچ سو تک جا پہنچتی ہے (جن میں سے کئی شعرائ نے متعدد بار شرکت کی ہے)۔ ان مشاعروں میں جن شعرائ نے شرکت فرمائی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:- جگن ناتھ آزاد، سلام مچھلی شہری، ترلوک چند کوثر، شمیم کرہانی، ساحر ہوشیار پوری، رسا جاودانی، غلام رسول نازکی، تنہا نظامی کانپوری، حامدی کاشمیری، فاضل کاشمیری، زیڈ بسمی، ہر بھگوان شاد، عرش صہبائی، عابد مناوری، میکش کاشمیری، کشن سمیلپوری، مہندر رینہ، پورن سنگھ ہنر، امر چند قیس، اختر رضوانی، نندہ لال کول طالب، روشن صدیقی، ودیا رتن عاصی، خمار جالندھری، رہبر جدید، اندر جیت لطف، طالب ایمن آبادی، خلیل الرحمٰن اعظمی، نشور واحدی،

شاذ تمکنت، فضا ابن فیضی، انور مرزا پوری، تبسم شاداں، شہزور کشمیری،
کمال احمد صدیقی، قاضی غلام محمد، قیصر قلندر، جسٹس مرتضیٰ فضل علی دل،
مرزا کمال الدین شیدا، وامق جونپوری، علی سردار جعفری، دینا ناتھ نادم، آر،
ابن شاستری، ویدپال دیپ، رحمان راہی، غلام نبی فراق، رشید نازکی، محمد
ایوب پریمی، ششی شیکھر توشخانی، فاروق نازکی، ایم ایل بیکس، یش شرما،
شہاب جعفری، زبیر رضوی، کرشن موہن، رفعت سروش، حفیظ میرٹھی،
نازش پرتاپ گڑھی، نذیر بنارسی، منظور الامین، آفاق احمد، حکیم منظور،
عشرت کاشمیری، وجے سمن، غلام ربانی تاباں، جمیلہ بانو، ممتاز مرزا، خضر برنی،
نسیم مخمور، ولی عاصی، سجاد صدیقی، احسن جذبی، بیکل اتساہی، شباب للت،
دینا ناتھ رفیق، منظر اعظمی، عابد پشاوری، مہندر سنگھ بیدی سحر، جلال صبوروی،
فرحت گیلانی، محمد یاسین بیگ، برج موہن شفق، بشیر بدر، شبیب رضوی،
اشرف ساحل، عرش ملسیانی، وحید اختر، آفتاب لکھنوی، بشارت سلیم
رفعت سروش، بلراج کومل، شجاع سلطان، عمیق حنفی، شاہ جہاں بانو
یاد، پریم وار برٹنی، رفیق راز، منظفر ایرج، سیفی سوپوری، اقبال فہیم،
پرتپال سنگھ بے تاب، شہریار، مخمور سعیدی، راج نرائن راز، صغیر احمد
صغیر، مغنی تبسم، غلام محمد آجر، قمر رئیس، بسمل شاہ جہانپوری، گلزار
دہلوی، راجندر بانی، کرشن کمار طور، زاہدہ زیدی، نظیر برنی، سلیم شیرازی،
منظہر امام، سلطان الحق شہیدی، شوریدہ کاشمیری، پریم کمار نذر،
جلال سیہاروی، من موہن تلخ، صوفی عبد المجید، رشی پٹیالوی، بشر
ہوشیار پوری، رام پرکاش راہی، بیتاب جے پوری، حیات وارثی،
عارف نجمی، مضطرب نظامی، حسن فراز، کمال لکھنوی، جوہر امیٹھوی

میموریل کلب پونچھ، انجمن ترقی ادب کشتواڑ، مجلسِ ادب بھروٹ اور بزمِ فروغِ اردو جموں کا نام قابلِ ذکر ہے۔

تعلیم گاہ خوشنویسی کا قیام اور فنِ خوشنویسی کا عروج

ہماری ریاست نے ماضی میں بڑے مشہور خطاط پیدا کئے ہیں جن کے قلم کی جولانیاں ریاست کی قدیم عمارات، خانقاہوں، مقبروں کے کتبوں اور کتب خانوں میں موجود قلمی نسخوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ فن وقت اور توجہ چاہتا ہے مگر موجودہ مشینی دور میں یہ روبزوال ہوگیا اس کی اس ناگفتہ بہ حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اکیڈیمی نے سنہ ۱۹۵۹ء میں تعلیم گاہ خوشنویسی کا قیام عمل میں لایا اور مشہور خطاط پیر حسام الدین مخدومی کو کتابت اور خوشنویسی کا فن سکھانے پر مامور کیا گیا، جن کی نگرانی میں چھ کاتبوں نے تربیت پائی۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں چند ناگزیر حالات میں یہ کتابت کی کلاس بند کردی گئی۔

کتابت کے فن کو روبزوال ہوتے دیکھ کر سنہ ۱۹۷۲ء میں اکیڈیمی نے ٹیگور ہال میں دوبارہ تعلیم گاہ کو پہلے پیر محمد افضل مخدومی اور بعد میں محمد صدیق کی نگرانی میں چالو کیا۔ فن سیکھنے والے طلبا کو ساٹھ روپے ماہوار وظیفہ دیا جانے لگا۔ جو اب ۱۲۵ روپے ہوگیا ہے۔ اس فن کو عام کرنے اور مزید ترقی دینے کے لیئے اردو ترقی بورڈ بھی اکیڈیمی کو مالی امداد دیتا ہے۔

فنِ خوشنویسی کو مقبولِ عام بنانے کے لئے اکیڈیمی نے سنہ ۱۹۷۶ء میں فنِ خوشنویسی کا ایک کُل ہند مقابلہ منعقد کیا جسمیں ۶۵ فنکاروں نے حصہ لیا۔ مقابلے میں آئے ہوئے خوشنویسی کے فن پاروں کو جانچنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی جو خواجہ ثناءاللہ بٹ ایڈیٹر آفتاب، دہلی کے نامور خطاط عاصم

امروہوی، مرزا کمال الدین شیدا اور محمد یوسف ٹینگ سیکریٹری کلچرل اکیڈیمی پر مشتمل تھی۔ ان کے فیصلے کے مطابق محمد احمد لکھنوی اور محمد یوسف مسکین سرینگر کو ایک ایک ہزار روپے کا پہلا انعام، محمد قاسمی بمبئی اور محمد عتیق صدیقی دہلی کو سات سات سو روپے کا دوسرا انعام دیا گیا۔ تعلیم گاہ خوشنویسی کے طلباء میں تسمیہ محی اور شریف احمد اندرابی کو دو دو سو روپے کے دو انعامات دئے گئے۔ باقی سبھی فن پاروں کی موزوں قیمت دیکر اکیڈمی نے خرید لیا اور اس طرح سے اکیڈیمی کے پاس خوشنویسی کے نمونوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا، جسکی ان دنوں سیاحوں کے استقبالیہ مرکز میں ایک نمائش بھی لگائی گئی تھی۔

۱۹۷۷ء میں خوشنویسی کا ایک اور کل ہند مقابلہ منعقد کیا گیا، جس میں ۶۸ فنکاروں نے شرکت کی۔ ججوں کے فیصلے کے مطابق فضل الرحمان، غبور حسن، محمد یعقوب، شمس الرحمان، نعیمہ بانو، شریف احمد اندرابی، اور تسمیہ محی کو بالترتیب سات سات سو، پانچ سو، تین سو، دو دو سو اور ڈیڑھ سو روپے کے انعامات دئیے گئے۔

۱۹۷۹ء میں تیسرا مقابلہ منعقد ہوا، لیکن مقابلے میں آئے ہوئے کسی فن پارے پر انعام نہیں دیا گیا۔ البتہ تمام نمونوں کو آرٹ گیلری کیلئے خرید لیا گیا۔

اکیڈیمی نے اس فن کو ترقی دینے کے لئے جو کوششیں کیں وہ بارآور نکلیں۔ اسوقت تک تعلیم گاہ سے درجنوں طلبا تربیت یافتہ ہوکر نکلے اور ریاست کے مختلف حصوں میں اپنا روزگار کما رہے ہیں۔ ریاست کے اہم اخبارات کے دفتروں میں یہاں کے ہی تربیت یافتہ خوشنویس کام کر رہے ہیں۔ اسوقت تک اس تعلیم گاہ سے پانچ کلاسیں تربیت پا چکی ہیں۔

طلبا کو فن کی نزاکتوں سے روشناس کرانے کیلئے ہندوستان کے ماہر خوشنویسوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔

اکیڈیمی کا کام خطاطی اور خوشنویسی کے سلسلے میں کل ہند مقابلوں اور تعلیم گاہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ وادی کی مسجدوں، خانقاہوں، زیارتوں، یہاں کے قبرستانوں، قدیم نسخوں کے نمونوں، سرکاری اور ذاتی کتب خانوں میں موجود اور کندہ خوشنویسی کے نمونوں اور نوادرات کا سروے کرنے اور سراغ لگانے کیلئے راقم کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ سروے رپورٹ پیش کرنے پر ان تمام نمونوں کی تصویریں اُٹھانے اور ان کا عکس کپڑے پر اُتارنے کیلئے ایک پارٹی کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ کئی ہفتوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد اکیڈیمی کے ان اراکین نے مسجدوں، میناروں، خانقاہوں زیارتوں اور قبرستانوں پر کندہ ان نمونوں کے فوٹو کھینچے اور کپڑوں پر عکس بھی اُٹھائے۔ صاحب ذوق حضرات کے ذاتی کُتب خانوں میں خوشنویسی کے نمونوں کی تصویریں بھی اُٹھائی گئیں۔ اس طرح سے اکیڈیمی کے پاس خوشنویسی کا بہت ہی اہم اور نادر ذخیرہ اکٹھا ہوگیا ہے۔ یہ ذخیرہ شاردا، سنسکرت، عربی، فارسی اور اردو کا ہے۔ ان نمونوں پر مبنی اکیڈیمی نے "شیرین قلم" کے نام سے البم کی دو جلدیں شایع کی ہیں، جو نہ صرف البم ہے بلکہ کشمیر میں خوشنویسی اور خطاطی کی تاریخ بھی ہے۔ یہاں یہ بات کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ "شیرین قلم" کیلئے خوشنویسی کے نمونوں کی تلاش کے دوران حضرت بل میں ایک قلمی قرآن شریف کی زیارت ہوئی جسکی تقطیع ۳ فٹ × ۲/۱ ۲ فٹ ہے۔ ان تمام نمونوں کی جموں اور کشمیر میں متعدد بار نمائش ہو چکی ہے۔ اکیڈمی نے خوشنویسی کے ان فن پاروں کو محفوظ رکھنے کیلئے اسوقت تک لگ بھگ تین لاکھ روپے خرچ کئے ہیں۔

اُردو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ

تعلیم گاہ خوشنویسی کے ساتھ ہی ٹیگور ہال میں اکیڈیمی نے چند برس پہلے اُردو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سکھانے کیلئے ایک ادارہ قائم کیا ہے جسے اُردو ترقی بورڈ کا مالی اشتراک بھی حاصل ہے۔ اِس فن کو سیکھنے والے طلبا کو ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ اِس طرح سے اُردو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کو کافی مقبولیت ہو رہی ہے۔

اُردو ماہنامہ "شیرازہ"

اکیڈمی کے قیام کے ساتھ ہی ایک ادبی اُردو مجلّہ "شیرازہ"[۲۷] کا اجرا بھی کیا گیا۔ یہ رسالہ ابتدا میں دو ماہی تھا جسے اب ماہنامہ بنا دیا گیا ہے یہ ریاست کی ۹ زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ ادبی اعتبار سے یہ ماہنامہ ہندوستان کے بہترین ادبی ماہناموں میں شُمار ہوتا ہے۔ اِس کے وسیلے سے اکیڈیمی جہاں ریاست کے اُبھرتے فنکاروں کو ملک گیر پیمانے پر بدلتے ادبی رجحانات سے روشناس کراتی ہے اور کہنہ مشق ادباؑ کی تخلیقات سے واقفیت دلاتی ہے وہاں ریاست کے نوخیز فنکاروں کی تخلیقات شائع کر کے منظرِ عام پر بھی لاتی ہے۔

اکیڈیمی نے شیرازہ کے کچھ اہم اور خاص شُمارے بھی شائع کئے ہیں، جن میں زوّر نمبر، نہرو نمبر، ثقافت نمبر، صادق نمبر، سیمینار نمبر، اقبال نمبر، فوق نمبر، افسانہ نمبر، حسن نمبر، شیخ العالم نمبر، شیر کشمیر نمبر،

۲۷: اردو کا یہ رسالہ سب سے پہلے جناب محمد یوسف ٹینگ کی ادارت میں شائع ہوا۔ پھر اس کی ادارت جناب رشید نازکی نے سنبھالی اور آجکل اس کی ادارت کے فرائض جناب محمد احمد اندرابی سنبھال رہے ہیں۔

للّ دید نمبر، (۱، ۲ حصہ) گوشۂ رساجاودانی، پریم چند نمبر، اور کل ہند اُردو کانفرنس نمبر وغیرہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ریاست کے اُبھرتے ہوئے نوجوان فنکاروں کی تخلیقات پر مبنی سنہ ۱۹۷۹ء سے ہر سال ایک شمارہ نوجوان نمبر بھی شائع ہوتا ہے جسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ شیرازہ کے بارے میں کل الگ سے ایک مقالہ پڑھا جاچکا ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ اور بتانا باعثِ طوالت ہوگا۔

سالنامہ 'ہمارا ادب'

اکیڈیمی ہر سال سالنامہ کے طور پر ایک ضخیم کتاب 'ہمارا ادب' کے نام سے شائع کرتی ہے، جس میں صرف ریاستی اور ریاست میں مقیم باہر کے ادیبوں کی تخلیقات شامل ہوتی ہیں۔ سنہ ۱۹۷۵ء کے بعد اِس سالنامے کو بھی خاص موضوعات کیلئے مخصوص کر دیا گیا اور اِس طرح سے ریاست کی ثقافت یہاں کے تمدن اور کچھ دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۷۵ء کا ہمارا ادب لوک ادب نمبر اور سنہ ۱۹۷۶ء اور سنہ ۱۹۷۷ء کا مشاہیر نمبر شائع کیا گیا۔ مشاہیر نمبر میں ریاست کی ان اہم شخصیات پر مضامین لکھوائے گئے ہیں جنہوں نے ریاستی تمدن، ثقافت، شعر و ادب، سیاست مذہب اور دیگر شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ سنہ ۱۹۷۸ء کا ہمارا ادب شیرازہ انتخاب نمبر ہے۔ اِس میں شیرازہ کے پہلے سے لے کر سنہ ۱۹۷۷ء تک کے شماروں سے اہم تخلیقات کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۷۹ء سے ہمارا ادب کیلئے جموں و کشمیر کا موضوع منتخب کیا گیا ہے۔ اس کے تحت ریاست کی تینوں اکائیوں کے عوام کی زندگی، رہن سہن، تمدن و ثقافت، شعر و ادب، وہاں کے حیوانات، نباتات،

جنگلات غرض ہر پہلو کی عکاسی کی گئی ہے۔ اِس سلسلے کی آخری کڑی انشاالله اگلے سال کا ہمارا ادب ہوگا۔

یہاں اِس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ہمارا ادب کے یہ خاص نمبر ریاست سے متعلق تحقیق کرنے والوں کیلئے دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔

اکادمی

"اکادمی" نام کا خبرنامہ کلچرل اکیڈیمی نے ۱۹۷۳ء میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا، جس کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح ۱۹۷۸ء تک جاری رہا۔ اِس خبرنامہ میں کلچرل اکیڈیمی کی کارکردگی شائع ہوتی تھی۔ اِس طرح سے عوام اکیڈیمی کی ثقافتی، تمدنی اور ادبی سرگرمیوں سے واقف ہوتے تھے۔ اِس کے علاوہ اس خبرنامے میں آنحضور صلعم کا مکتوبِ مبارک بنام شاہِ حبش، یوسف شاہ چک کے مدفن کی دریافت، پری محل کی تاریخی حیثیت، حبہ خاتون بسوک میں دفن، کوہِ حبہ خاتون کی وجہ تسمیہ، جواہر لال نہرو کی مورخانہ لڑکھڑاہٹیں، کشمیر کی تہذیب پر یہودیوں کے اثرات، پانڈووں کا جلاوطنی کے دوران ضلع ڈوڈہ کے پہاڑوں سے گزر وغیرہ تحقیق وجستجو سے متعلق پرانے اور اہم مضامین، تاریخی اعتبار سے کچھ بھی سہی چونکا دینے والے ضرور ہیں۔ اور یہی انوکھا انداز اِس خبرنامہ کی مقبولیت کا باعث تھا۔ اِس خوبصورت خبرنامہ کے جتنے بھی شمارے شائع ہوئے ہیں وہ سب محفوظ رکھنے کے لائق ہیں۔

اکادمی کی مقبولیت ہندوستان تک ہی محدود نہ رہی تھی، بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ادبی حلقوں میں اس نے دھوم مچا رکھی تھی کاش ارباب اکیڈیمی اسے دوبارہ شائع کرنے کا فیصلہ کرکے اسے عملی جامہ پہناتے۔
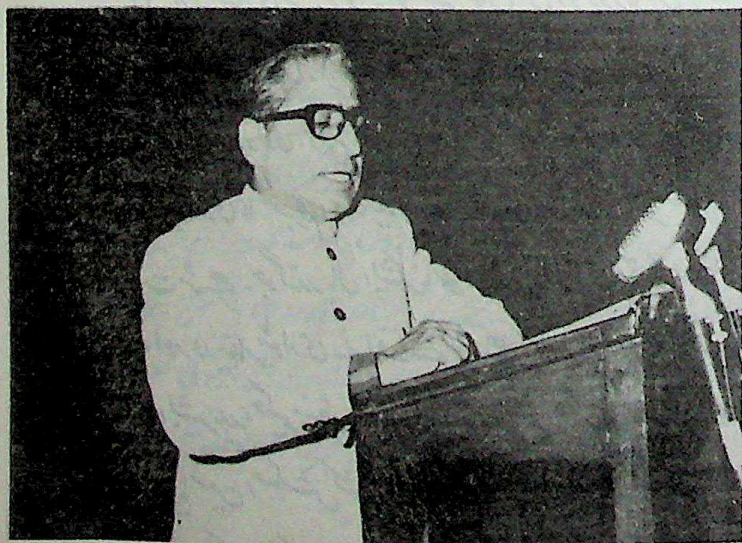
تعلیمی وظائف

فنونِ لطیفہ اور دیگر اہم تعلیمی شعبوں میں دلچسپی رکھنے والے ریاستی طلبا کو اکیڈمی گاہ بگاہ تعلیمی وظیفے دیتی رہتی ہے تاکہ متعلقہ شعبے میں تعلیم و تربیت پاکر وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے عوام کو روشناس کریں۔ سنہ ۱۹۶۵ء سے اسوقت تک اکیڈمی نے رقص، موسیقی، مصوری اور مجسمہ سازی میں تربیت حاصل کرنے کے لیئے کئی نوجوان فنکاروں کو ملک کے مختلف اداروں میں وظیفہ دیکر بھیجا جہاں سے انہوں نے ڈگری اور ڈپلوما کورس مکمل کیئے۔ مصوری اور مجسمہ سازی APPLIED ARTS میں بیس، موسیقی، ڈرامہ اور رقص میں سات سات فنکاروں اور شعبۂ لسانیات میں پی، ایچ، ڈی کے لیئے دو طالب علموں کو وظیفے دیئے گئے۔

کل ہند اُردو کانفرنس

۲۷ ر ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کو ابھنو تھیٹر جموں میں دو روزہ کُل ہند اردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس میں اردو شعر و ادب سے متعلق گوپی چند نارنگ، شارب رودلوی، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر ظہور الدین، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، پروفیسر سیف الدین سوز اور ڈاکٹر منظر اعظمی نے مقالات پڑھے۔ جوگندر پال، پُشکر ناتھ، مالک رام آنند، آنند لہر، کشوری منچندہ، اور وریندر پٹواری نے افسانے پڑھے۔ شہریار، راج نرائن راز، کمار پاشی، بشیر بدر، حکیم منظور، غلام محمد آجر، عرش صہبائی، پرتپال سنگھ بیتاب، محمد یاسین، میکش کشمیری، فاروق نازکی، فاروق مضطر، مظفر ایرج، پروین کمار اشک، ودیا رتن عاصی، کرشن موہن، شجاع سلطان، امداد ساقی، اور ساغر صحرائی نے شعری محفل میں اپنا کلام سُنایا۔ کانفرنس میں بہت سے ادیبوں کو بحیثیت مبصر دعوت دی گئی تھی۔

کانفرنس کے افتتاح سے قبل اکیڈیمی کی طرف سے منعقد کئے گئے خوشنویسی کے مقابلوں میں آئے ہوئے خوشنویسی کے نمونوں، زیارتوں، خانقاہوں اور مقبروں سے اُٹھائے گئے خوشخطی کے نمونوں کی نمائش کا افتتاح بیگم شیخ محمد عبداللہ نے کیا۔ کانفرنس ابھنو تھیٹر کے ہال میں منعقد ہوئی جہاں سب سے پہلے میوزک انسٹی ٹیوٹ کے طلبا و طالبات نے ترانۂ ہندی اور پھر فیض کی نظم پر ایک رقص پیش کیا۔ کانفرنس کا افتتاح شیخ محمد عبداللہ مرحوم نے کیا۔ کانفرنس میں پڑھی گئی تخلیقات اور ان پر مبصرین کی آراء پر مبنی شیرازہ کا کانفرنس نمبر شائع ہو چکا ہے۔

ثقافتی، تمدنی اور ادبی وفود کا تبادلہ

سنہ ۱۹۶۱ء سے اکیڈیمی نے دوسری ریاستوں کی طرح ثقافتی، تمدنی اور ادبی وفود اپنی ریاست سے باہر بھیجنے شروع کئے۔ ان وفود کے اخراجات اکیڈیمی نے برداشت کئے۔ ثقافتی اور تمدنی وفود ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں جاکر یہاں کے تمدن اور ثقافت کے ساتھ ساتھ اپنے فن کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔ حالیہ گذشتہ برسوں میں کلچرل اکیڈمی نے "بھیل بلا رہی ہے"، "وتستا" (کشمیری) "ٹیپو سلطان"، "ہمالہ کے چشمے" اور "پیا باج پیالہ" ریاستی فنکاروں کی وساطت سے ہندوستان کے مختلف مقامات پر پیش کئے۔ یہ PROGRAMMES پیشکش کے دوران ہفتوں اخبارات کا موضوع بنے رہے۔ اخبارات نے ان کی تعریف میں اتنا کچھ لکھا کہ اس مواد پر مبنی "کشمیر کلچرل رین بو" اور "کلچرل ہیرٹیج" کے نام کے دو انگریزی کتابچے شائع کئے گئے۔

ادیبوں کیلئے وظائف

سنہ ۱۹۷۱ء میں اکیڈیمی نے ان ادیبوں کو وظائف دینے کا فیصلہ کیا جنکی

مالی حالت ابتر تھی۔ اس اسکیم میں حکومتِ ہند نے بھی پچاس فیصدی تعاون دینے کی حامی بھری تھی۔ مگر بعد میں حکومتِ ہند کا اشتراک حاصل نہ رہا، لیکن اکیڈیمی مسلسل ایسے ادیبوں اور فنکاروں کی مدد کرتی رہی جنکی مالی حالت خراب تھی یا جن کے مرنے کے بعد ان کے لواحقین مالی پریشانیوں میں گرفتار ہو گئے یا جو جسمانی طور پر معذور ہیں۔ مالی امداد کی یہ رقم ۵۰ روپے سے ۱۵۰ تک ہے۔ ۱۹۸۲-۱۹۸۳ء میں ایسے ۲۶ مختلف زبانوں کے ادباء کو یہ وظیفہ دیا گیا ہے جن میں سے اردو زبان کے مندرجہ ذیل ہیں۔ نرسنگھ سہائے شوق، بیوہ تنہا انصاری، بیوہ جیالال کول ناظر، گیا پخند ناز، بیوہ سائھٹے، محمد افضل مخدومی وجے سمن، اوتار کرشن رازدان، بیوہ عشرت کاشمیری، اختر رضوانی (جالندھر) علامہ انور صابری (دہلی)۔

صدی تقریبات

اکیڈیمی نے ۱۹۶۹ء میں غالب صدی تقریبات کا اہتمام کیا اور غالب کے فن اور فکر پر کشمیری شیرازہ کا غالب نمبر شائع کیا۔ ۱۹۷۷-۱۹۷۸ء میں اقبال صدی تقریبات منائی گئیں۔ یہ تقریبات سارے ہندوستان میں بڑے جوش و خروش سے منائی گئیں۔ اسلیئے ریاستی کلچرل اکیڈیمی نے کشمیر کے اس مایہ ناز سپوت کے تئیں کچھ زیادہ ہی عقیدت کا اظہار کیا۔

اقبال صدی تقریبات کے سلسلے میں اکیڈیمی نے جموں اور سرینگر میں دو سیمنار منعقد کیئے۔ ماہرین اقبالیات سے مضامین لکھوائے گئے۔ نادر و نایاب تصاویر حاصل کی گئیں۔ ان مضامین پر مبنی شیرازہ کا "اقبال نمبر" اور "محفل اقبال" نامی کتاب شائع ہوئی۔ اقبال کی تمام بڑی اردو فارسی نظموں کا کشمیری ترجمہ کیا گیا جنہیں "پرتو اقبال" کے نام سے شائع کیا گیا۔

سلطان الحق شہیدی نے "پیامِ مشرق" کا کشمیری ترجمہ کیا جنہیں اکیڈیمی نے سبسڈی دی۔ اقبال کی اہم منظومات کا کشمیری کے علاوہ ڈوگری، پنجابی وغیرہ میں بھی ترجمہ ہوا۔ ڈوگری، کشمیری، ہندی اور پنجابی زبانوں میں بھی شیرازہ کے اقبال نمبر شائع ہوئے۔ اقبال کے کشمیر سے متعلق کچھ اشعار پر مصوری کا ایک مقابلہ منعقد ہوا جسمیں کئی فنکاروں نے حصہ لیا۔ البتہ جن نمونوں پر انعامات دئے گئے، ان میں بھوشن کول، "سامنے ایسے گلستاں کے کبھی گر نکلے" شجاع سلطان "چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک"، گوکل کرشن "کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے"؛ اے، آر جان اور آفتاب احمد "جس خاک کے ضمیر میں ہو آتشِ چنار" سعراج الدین "ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک" اور ایس، کے کاؤ "مل کے دُنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر" کے نمونے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

اقبال صدی تقریبات کے دوران علامہ اقبال کے مصرع طرح پر ایک مشاعرہ جموں اور دو سرینگر میں منعقد ہوئے جن میں مقامی شعراء نے اپنا کلام سُنایا۔

ٹیگور ہال سرینگر میں کلامِ اقبال پر مبنی سنگیت کا ایک دلچسپ مقابلہ ہوا۔ ججوں کے فیصلے کے مطابق انجمنوں میں گُلشن تھیٹر بلپورہ شوپیان نے تین سو روپے کا پہلا، غلام محی الدین بلپوری اور پارٹی نے دو سو روپے کا دوسرا اور ہلال ڈرامیٹک کلب نے ڈیڑھ سو روپے کا تیسرا انعام حاصل کیا۔

انفرادی موسیقاروں میں شمیمہ دیو نے دو سو روپے کا پہلا، موہن معرا نے ڈیڑھ سو روپے کا دوسرا آرتی ٹکو نے سو روپے کا

تیسرا انعام حاصل کیا۔ اس کے علاوہ غلام نبی شیخ نے پچاس روپے کا حوصلہ افزائی کا انعام حاصل کیا۔

اقبال کی شاعری، فلسفے، فن اور فکر سے متعلق مختلف موضوعات کے تحت، ڈگری کالج پونچھ اور مولانا آزاد کالج جموں، امر سنگھ کالج سرینگر، ایس، پی کالج سری نگر، اسلامیہ کالج سری نگر، وومنز کالج نواکدل، وومنز کالج مولانا آزاد روڈ، مسلم ایجوکیشنل ٹرسٹ کالج سوپور، ڈگری کالج سوپور، کالج آف ایجوکیشن سری نگر اور ڈگری کالج اننت ناگ میں مباحثے منعقد کیے گئے۔ پہلا، دوسرا اور تیسرا انعام حاصل کرنے والے طالب علم کو دو سو، روپے، ڈیڑھ سو روپے اور ایک سو روپے کا نقد انعام اور سند دی گئی۔

اس قسم کے مباحثوں کا اہتمام ضلع سطح پر سوپور، اننت ناگ اور سری نگر میں گرلز ہائی سکولوں کی طالبات کیلئے بھی کیا گیا اور انہیں ڈیڑھ سو، سو اور پچاس روپے کا پہلا، دوسرا اور تیسرا انعام دیا گیا۔

مختلف کالجوں میں انعام پانے والے طلباءٔ کا ایک انٹر کالج مباحثہ ایس، پی کالج میں منعقد ہوا۔ بحیثیت جج سیف الدین سوز، تازی صاحب اور پروفیسر جے، ایل کول نے اپنے فرائض انجام دئے۔ ان کے فیصلے کے مطابق طلبا و طالبات میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ اس طرح سے اقبال صدی تقریبات کے دوران مباحثوں میں کل ۱۶۹ طلبا و طالبات نے شرکت کی۔ انعام یافتگان کو نقد انعام اور شرکأ کو خوبصورت سرٹفکیٹ دئے گئے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء کو وومنز کالج مولانا آزاد روڈ کے ہال میں ایک خاص محفل کا انعقاد ہوا جہاں اقبال کے اشعار پر مبنی مصوری کے نمونوں کی نمائش بھی آراستہ کی گئی تھی۔ اس کا افتتاح شیخ محمد عبداللہ

۱۹۷۰ء غالب کے تخلیقی سر چشمے از حامدی کاشمیری، غالب کی جمالیات
از شکیل الرحمٰن، ۱۹۷۲ء جواہر آیئنہ از طالب کشمیری، بیاضِ غالب
از کمال احمد صدیقی، ۱۹۷۴ء تجزے از ڈاکٹر گیا پچند، دیوان نامی
از اکبر حیدری۔ ۱۹۷۶ء خاطرِ احباب از تنہا انصاری، ۱۹۷۷ء الانور
از عبدالرحمان کوندو، نایافت از ڈاکٹر حامدی کاشمیری، ۱۹۷۸ء
ناتمام از حکیم منظور، اقبال اور کشمیر، از پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ۱۹۷۹ء
دل ہی تو ہے از عبدالغنی شیخ، ۱۹۸۰ء حافظ کی شاعری از کے، این، پنڈتا،
۱۹۸۱ء تذکرہ شعرائے ہندی از اکبر حیدری، میری پاکستان یاترا، از
ملک راج صراف۔ جوش وجنون از شوریدہ کاشمیری، ۱۹۸۲ء
آتی جاتی لہریں از مظہر امام، پیش خیمہ از پرنیپال سنگھ بیتاب،
آنکھیں ترستیاں ہیں از پروفیسر جگن ناتھ آزاد۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان بیس سال
میں سال ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۵ء میں کسی مصنف کی کتاب کو
انعام کے مستحق نہیں گردانا گیا۔

مصنفین کی مالی معاونت :۔

کلچرل اکیڈیمی ۱۹۶۱ء سے مختلف زبانوں کے مصنفین کو انکی کتابیں
شائع کرنے کیلئے ۵۰۰ کتابوں کے اخراجات کا تخمینہ لگاکر کل خرچ کی
آدھی رقم سبسڈی کے طور پر دیتی آرہی ہے۔ اردو زبان وادب سے متعلق
کتابوں پر ان کے مصنفین کو اس طرح کی مالی معاونت کی رقم لگ بھگ
سوا لاکھ روپیہ بنتی ہے۔ اکیڈیمی کے اس فیصلے سے بہت سے ایسے
ادیبوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، جنہیں اپنی تخلیقات منظرِ عام پر

لانے کی اِستطاعت نہیں۔ لیکن مالی معاونت کی بدولت اب تک اُردو کی ڈیڑھ
سو کے قریب کتابیں چھپ چُکی ہیں۔

ادبی مجالس

اکیڈمی، ریاستی ادباء و شعراء کی ادبی مجلسوں کا اہتمام گاہ بگاہ کرتی رہتی ہے۔
یہ مجلسیں کبھی شامِ افسانہ، شامِ غزل، شامِ نظم، کبھی محفلِ عصرانہ، کبھی ایک
ادبی مجلس اور کبھی ایک ادبی شام کے عنوان سے منعقد ہوتی ہیں۔ اِن مجلسوں
میں ادبی تخلیقات پڑھی اور سُنی جاتی ہیں۔ اِن پر اظہارِ خیال ہوتا ہے۔
بعض اوقات بیرونِ ریاست سے کوئی ادبی شخصیت آتی ہے تو ایسے وقت
میں بھی اکیڈمی ایسی شخصیات کو اپنے دفتر پر مدعو کرتی ہے، اور پھر
ریاستی ادباء کو بھی دعوت دی جاتی ہے جنہیں اِن شخصیات سے مل بیٹھنے
کا موقعہ نصیب ہوتا ہے۔ ایک بے تکلف محفل لگتی ہے۔ مہمان ادیب
سے سوالات کئے جاتے ہیں اور ان کے خیالات سے واقفیت حاصل کی جاتی ہے۔
اکیڈمی نے اب تک ایسے جن قدآور ادیبوں کے ساتھ محفل کا انعقاد
کیا ہے، ان میں کرشن چندر، سلمٰی صدیقی، شمس الرحمان فاروقی، آل احمد
سرُور، جگن ناتھ آزاد، عصمت چغتائی، جوگندر پال، سردار جعفری وغیرہ
قابلِ ذکر ہیں۔

تجزیہ، تبصرہ اور تجاویز۔

اکیڈمی نے اپنی ۲۵ برس کی عمر میں مختلف زبانوں کی فلاح و بہبود،
ترقی و ترویج، ارتقا و بقا کے سلسلے میں جن خطوط پر کام کیا ہے، وہ ہر
لحاظ سے قابلِ فخر ہے۔ کیونکہ جب ہم ہندوستان کی دیگر ریاستوں
کی اکیڈمیوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ محض کہیں اُردو کا
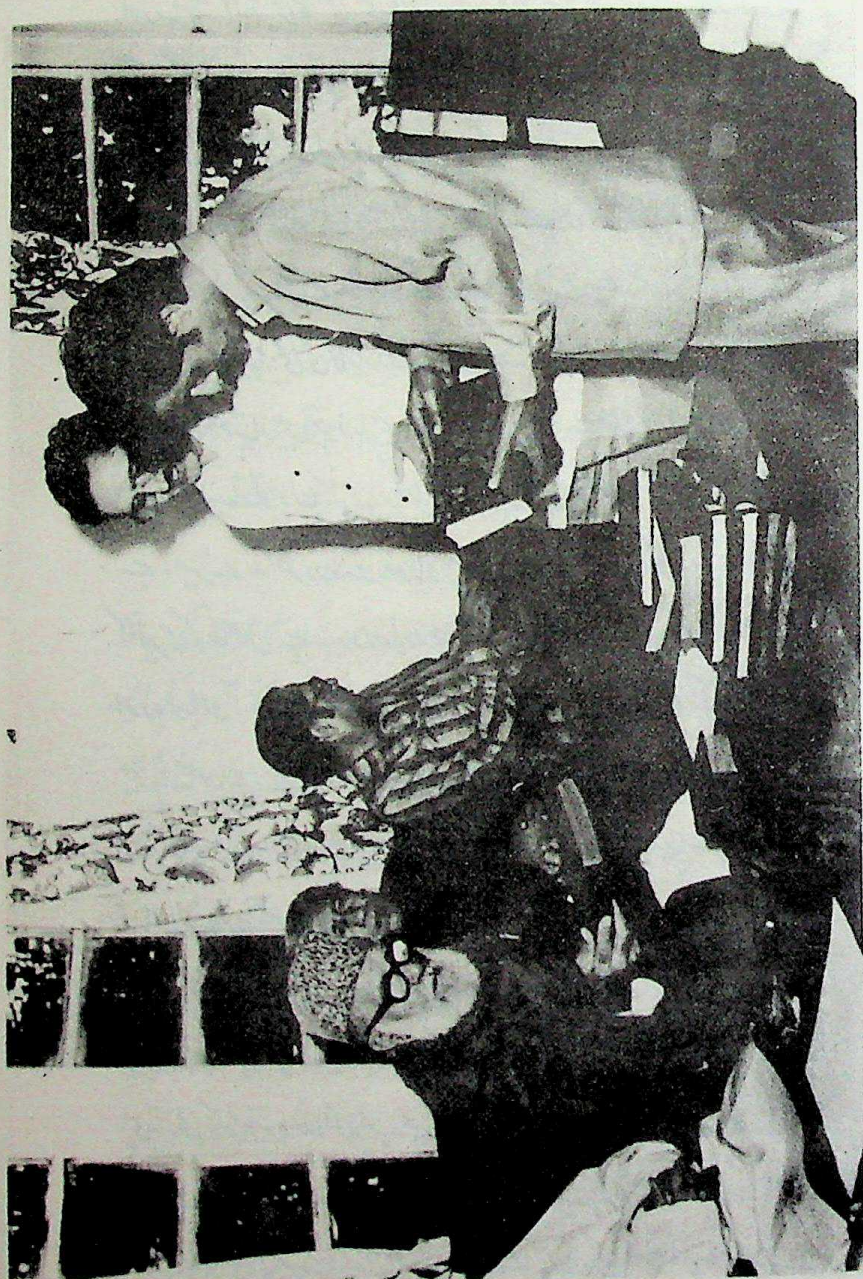
رونما ہو رہی ہیں یا کہیں ریاستی یا علاقائی زبانوں تک محدود ہیں۔ اور تو اور ساہتیہ اکیڈیمی کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں ساہتیہ سنگیت اور کلا تینوں الگ الگ ادارے ہیں اور پھر بھی کام اُس پائے کا نہیں جس پائے کا جموں و کشمیر کی کلچرل اکیڈیمی کر رہی ہے۔ اِس اکیڈمی کو ہم پہلی ہی نظر میں THREE IN ONE کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ساہتیہ سنگیت اور کلا تینوں ایک ہی ادارے کے اندر اور ایک ہی سرپرست کی نگرانی میں چل رہے ہیں۔

اگر ہم اکیڈیمی کی کارکردگی کا عمیق مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اکیڈمی کے دائرۂ اختیار میں جو زبانیں شامل ہیں ان سے عدل و انصاف برتنے میں ادارہ نے توازن نہیں رکھا ہے۔ توجہ زیادہ علاقائی زبانوں کی طرف ہے۔ میرے مدنظر درست تعداد نہیں لیکن اندازہ یہی کہتا ہے کہ اوّلیت کشمیری کو حاصل ہے۔ دوسرا درجہ ڈوگری اور پھر تیسرے درجے پر اردو زبان آتی ہے۔ کشمیری اور ڈوگری زبانوں میں کتابوں کی اشاعت میں اُنیس بیس کا فرق ہے۔ مگر دونوں کی اشاعت سو سے اوپر ہے، جبکہ اردو کتابوں کی اشاعت اِس سے کم ہے۔ اردو، جو اِس ریاست کی سرکاری زبان ہے اور جس کے تعلق سے اسکے حوالے دئے جاتے ہیں۔ یہاں بھی کس مپُرسی کی حالت میں ہے۔ اکیڈیمی کا ماہنامہ 'شیرازہ' ملک بھر میں ایک ادبی مقام رکھتا ہے۔ جب یہ دو ماہی تھا، تب اسکی تدوین کا کام ایک ہی آدمی کے سپرد تھا اور اب جبکہ ماہنامہ ہو گیا ہے اب بھی صرف ایک ہی ایڈیٹر کے سہارے چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اِسکے کئی شمارے ایک ساتھ ڈاک سے آتے ہیں۔ کیا کوئی ماہنامہ صرف ایک شخص کے بل پر نکل سکتا ہے جبکہ اُسے کئی دوسرے کام بھی

تفویض ہوں۔ اس کے برعکس دوسرے ادبی رسائل کی تدوین کا کام بیک وقت دو یا تین آدمیوں کے سپرد ہوتا ہے۔

یہاں پر میرا مقصد اردو زبان کے ساتھ علاقائی زبانوں کا جھگڑا پیدا کرنا نہیں ہے۔ لیکن لمحۂ فکریہ ضرور ہے کہ جہاں کسی زبان کے درخت کے پھل پہلے تیار ہوں، اور شاخیں، پتے، پھول اور اس کے بعد اور جڑ ہیر سب سے آخر پر زمین میں نصیب ہوں تو وہاں پر اردو زبان کی بقا کی کیا ضمانت ہو سکتی ہے؟ زبان مرتی تو نہیں لیکن بعض حالات میں بانجھ ضرور ہو جاتی ہے۔ جس طرح سے ماضی قریب میں گوجری زبان ہوئی تھی بہر کیف اردو عدم توجہی کا شکار ہو رہی ہے اسلئے یہ اکیڈیمی کا فرض بنتا ہے کہ اسکی طرف مزید توجہ دی جائے۔

شیرازہ میں عام طور پر تخلیقات کے معیار کو ملحوظِ نظر رکھا جاتا ہے جو کہ ایک ادبی رسالے کی اصل روح ہے۔ مگر اس کے باوجود کچھ ایسے کہنہ مشق شاعروں اور ادیبوں کو اس کے اوراق میں جگہ نہیں مل پاتی جن کا معیار پرچے میں شامل تخلیقات سے بڑھ کر ہوتا ہے اور جن کی منظومات ڈیڑھ مصرعے کی آزاد نظم سے بدرجہا بہتر ہوتی ہیں۔

لہذا شیرازہ کے انتخاب و معیار کے اصولوں پر نظرِ ثانی کی جائے۔ اور خبر نامہ اکادمی کو از سرِ نو شائع کیا جائے۔ اس کی فروخت کے لئے بہتر انتظامات کئے جائیں اور ایجنسیوں کے لئے شرائط و قواعد وضع کی جائیں۔

کُل ہند یا دوسرے اردو مشاعروں میں ریاست کی مجموعی صورتِ حال کو مدِ نظر رکھ کر تمام اردو شاعروں کو باری باری یہ موقعہ فراہم کیا جائے کہ وہ

ملک گیر مشاعرے میں شریک ہو کر مہمان شعرائ کی محفلوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اس ضمن میں ڈوڈہ، کشتواڑ، بانہال، بھدرواہ، اودھم پور، راجوری اور اس قبیل کے دوسرے پچھڑے ہوئے علاقے مدنظر رکھے جائیں۔ جہاں بہت اچھے شاعر اور ادیب رہتے ہیں مگر کسی سے جان پہچان نہیں رکھتے۔

اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں کچھ ایسے منصوبے ہاتھ میں لئے جائیں جن کی بدولت اس زبان کو واقعی یہ احساس ہو کہ یہ ریاست کی سرکاری زبان ہے۔

اکیڈیمی پونچھ، راجوری، بارہ مولہ اور ڈوڈہ میں اپنے ذیلی دفاتر قائم کرے تاکہ ریاست کی تمدنی، ثقافتی، ادبی اور لسانی سرمائے کی مزید کھوج ہو سکے اور مقامی عوام کے ساتھ بھی تال میل قائم رہ سکے۔ اسکے علاوہ سرینگر کی طرح جموں میں بھی خوشنویسی کا سکول قائم کیا جائے تاکہ اس فن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سے بہرہ ور ہو سکیں۔

اکیڈیمی نے پچیس برسوں میں ریاستِ جموں و کشمیر میں اردو زبان و ادب کی شمع جس طرح سے جلائے رکھی ہے۔ وہ صرف اکیڈیمی ہی کا خاصہ ہے۔ گو اکیڈیمی ہر زبان کے ادیب، شاعر اور فنکار کو خوش نہیں کر سکتی لیکن اس نے آج تک کسی کو ناراض بھی نہیں کیا ہے۔ اور یہی ایک خاص صفت ہے جس کو اپنا کر اکیڈیمی نے آج تک کا یہ طویل اور دشوار گذار راستہ طے کیا ہے۔ آج کا یہ سلور جوبلی سیمنار اس امر کی نمایاں عکاسی کرتا ہے کہ اکیڈیمی نے ریاست کی مختلف زبانوں کے ادبا و شعرا کے علاوہ مجسمہ سازوں، مصوروں اور فنکاروں کو وقتاً فوقتاً مواقع فراہم کر کے ایسی نئی جہتیں عطا کی ہیں جن پر ۲۵ برسوں کا یہ کٹھن سفر طے کر کے ہم سب اس دن کے لائق ہوئے ہیں۔

لذیذ بود حکایت طویل تر گفتم

●

کیا اُس میں اسی زبان کے ادیب نہیں چھپیں گے؟ جو ہوتا ہے کیونکہ علاقائی زبانوں کشمیری، ڈوگری اور دوسری زبانوں میں بھی اسی نام سے اپنے اپنے رسائل چھپتے ہیں اور اُن میں ان ہی زبانوں کے ادیب چھپتے ہیں۔ پھر اُردو شیرازہ کے بارے میں ہی یہ سبھی باتیں کیوں کہی جاتی ہیں؟

اکیڈیمی کی جرأت کی داد دینی چاہیئے کہ اس کے منتظمین نے اپنی ۲۵ سالہ کارکردگی اور دفترِ عمل ہم جیسے فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ زبان وادب کی ترقی و ترویج یا فروغ کے سلسلے میں اکیڈیمی نے جو کام کیا ہے وہ اس کا کام ہے۔ جن لوگوں کے لئے اکادمی ہے۔ یا جن کے دم سے اسکا وجود ہے اُن کے لئے اکیڈیمی نے کیا کیا ہے؟ یہاں سکریٹری صاحب بھی موجود ہیں۔ وہ اگرچہ ہماری ہی برادری میں سے ہیں لیکن جب ادیبوں کے کاز کو آگے بڑھانے کی بات کرنی ہوتی ہے تو ان کی سرکاری پوزیشن اس میں آڑے آجاتی ہے۔ وہ بات آگے نہیں بڑھا سکتے، کیونکہ ایسا کرتے وقت انہیں پہلے اپنی سرکاری پوزیشن کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

اکیڈیمی ریاستی ادیبوں کی سماجی حیثیت نہیں منوا سکی ہے۔ کسی سرکاری تقریب (عصرانے وغیرہ) میں ادیبوں کو بحیثیت ادیب مدعو نہیں کیا جاتا ہے، اکیڈیمی کو ادیبوں کی سماجی حیثیت منوانے پر زور دینا چاہیئے۔ ادیبوں کو کتابوں کی اشاعت کے لئے جو امداد ملتی ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ اکیڈیمی کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ میں تو کہونگا کہ اکیڈیمی پر ہی تکیہ نہیں کرنا چاہیئے اور ہمیں اس پر انحصار (DEPENDENCE) چھوڑ دینی چاہیئے۔

● پیر تیپال سنگھ بیتاب :- ہم نہ صرف ملک کی ہر ریاست میں

ریاستی اردو ادیبوں کی تخلیقات اور ریاست میں تخلیق ہو رہا ادب پہنچا سکتے ہیں بلکہ پورے برصغیر میں بھی۔ اکیڈیمی اردو کے لئے اتنا ہی کر سکتی ہے جتنا وہ کر پا رہی ہے کیونکہ اُسے دوسری زبانوں کے لئے بھی کام کرنا ہے۔ اور اس کے وسائل ناکافی ہیں۔ اُردو چونکہ ریاست کی سرکاری زبان ہے، اسلئے دوسری ریاستوں کی طرح یہاں بھی ایک اُردو اکیڈیمی قائم کی جانی چاہیئے۔

- شمشاد کرالہ واری :۔ مقالات میں بہت سی باتیں، جیسا کہ یہاں کہا گیا، دہرائی گئیں اور اگر وانی صاحب اپنا مقالہ اُن مقالات کی روشنی میں پڑھتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور کئی باتیں انہیں دُہراتی اور ہمیں سُننی نہ پڑتیں۔ اس سے بھی بہتر یہ ہوتا کہ زبانوں کے لئے الگ سے ایک Session رکھا جاتا تا کہ کھُل کر باتیں ہوتیں۔ اکادمی کا کام روشن ہے۔ وہ تنہا کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ ہمیں اسکا ساتھ دینا چاہیئے۔
- رشید نازکی :۔ مضمون بہت ہی سرسری طور پر لکھا گیا ہے۔ اسے مقالہ سے زیادہ ایک رپورٹ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ قرآن شریف کے نسخے اکیڈیمی کے کتب خانے میں موجود ہیں یا کہیں اور۔ اس کا اُردو سے کیا تعلق ہے۔ وانی صاحب اکادمی میں کام کر چکے ہیں۔ اُردو بورڈ کی طرف سے اکادمی کو خطاطی کو فروغ دینے کے لئے مالی امداد ملتی ہے اُردو ٹائپ کے لئے نہیں۔
- انیس ہمدانی :۔ وانی صاحب کا مقالہ جتنا طویل تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں اُردو کے تئیں بہت کچھ کہا گیا ہوگا۔ لیکن مقالہ سُن کر لگا کہ اس میں زیادہ باتیں ایسی تھیں جن کا موضوع سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔
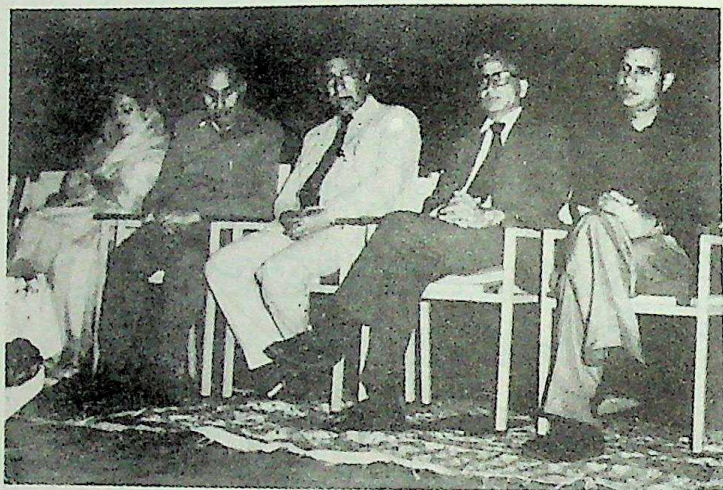
- یاسر کشمیری :۔ مقالے میں اکادمی کی کارکردگی کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن مقالہ نگار کی طرف سے اِس ضمن میں کوئی آراء سُننے کو نہیں ملیں جو ضرور ہونی چاہیئے تھیں۔

- دیش بندھو نوتن :۔ کل سے جتنے بھی مقالے پڑھے گئے اُن میں بھی اور ٹینگ صاحب کی رپورٹ میں بھی ایک بات رہ گئی۔ ایڈیٹر یا سمپادک صرف سمپادک ہی رہیں، انہیں دوسرے Jobs مہیا کئے جائیں۔ یہاں ہم نے دیکھا ہے کہ ایڈیٹر، سمپادک، پروف ریڈر بھی ہے۔ اکاونٹنٹ بھی ہے۔ کلرک بھی ہے، وہ سبھی کُچھ ہے۔ ایسے کیسے کام چلے گا۔

اُردو نے ہمیں (ریاست کے لوگوں کو) ایک ساتھ باندھ رکھا ہے۔

کیا اُردو میں ہمارے بارے میں لکھا جاتا ہے؟ اکادمی کی اپنی حدود (Limitations) ہیں، اسلئے میں کہونگا کہ ادیبوں کو صرف اکادمی پر ہی تکیہ نہیں کرنا چاہیئے۔

شیرازہ کے بارے میں میرا ایک سُجھاؤ ہے کہ ہم نے اُردو دنیا کو بہت سے روشن نام دئے ہیں۔ کرشن چندر، حسرت وغیرہ۔ ریاست سے تعلق رکھنے والے اِن درخشندہ ستاروں پر مشتمل خصوصی نمبر ضرور شائع کئے جاتے چاہئیں اگرچہ چند ایک نمبر شائع ہو بھی چکے ہیں۔

- غلام رسول غیور :۔ شیرازہ بازار میں کیوں نہیں بکتا؟ تاکہ جن لوگوں کو یہ نہ بھیجا جاتا ہو وہ اِسے خرید کر پڑھیں۔

اُردو زبان ریاست میں کسمپرسی کی حالت میں ہے اگرچہ اِسے سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اکیڈیمی کی طرف سے ذہین لوگوں کی اِس درجہ حوصلہ افزائی نہیں ہوتی جتنی ہونی چاہیئے۔

- نذر بونیاری:- مجھے توقع تھی کہ وانی صاحب نے کل کی لے دے سے کچھ عبرت حاصل کی ہوگی۔ لیکن اُنہوں نے بھی اپنا مقالہ بالکل ویسے ہی پڑھا۔ ریاست سے باہر جتنے کشمیری ہوگزرے ہیں اُن پر یہاں خصوصی طور پر کام ہونا چاہیئے۔

- مشتعل سلطانپوری:- میرا پیشہ پڑھانے کا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طلباء اُردو سے دِل برداشتہ ہوکر اِسے چھوڑ رہے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اکادمی ریاست کی دونوں یونیورسٹیوں سے رابطہ قائم کرکے اُردو کی درسی کتابیں تیار کروائے۔ یہاں شیرازہ کے معیار اور تاخیر سے چھپنے کی بات کی گئی۔ کہیں یہ مواد کی کمی کے باعث تو نہیں ہورہا ہے۔ اگر اِس بِنا پر ایسا ہورہا ہو تو میں مشورہ دونگا کہ اِسے پھر سے دوماہی کردیا جائے۔

- ڈاکٹر منظر اعظمی:- ہم لوگوں نے اکیڈیمی سے بے جا توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ اکادمی کے وسائل جتنے ہیں انہیں بروئے کار لاکر وہ مختلف زبانوں کی خدمت کررہی ہے۔ جب ہم اُردو کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو ظاہر ہے ہم اِن توقعات کو پورا ہوتے نہیں دیکھتے حالانکہ اکادمی نے اپنی طرف سے اُردو کے لئے بھی اچھا خاصا کام کیا ہے۔ دوسری سرگرمیوں کی طرح اکادمی زبانوں سے متعلق بھی اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کرسکتی ہے اور اسے کرنا چاہئیے۔ لیکن اِس کے لئے مالی وسائل میں مناسب اضافہ شرط ہے۔

• اسد اللہ وانی :۔ " کارِ جہاں کسے تمام نکرد " کے مصداق اِس مقالے کو بھی دیکھا جانا چاہیئے۔ لیکن ایک بات میں واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے اپنے موضوع کے مطابق خطاطی، موسیقی اور دوسری باتوں کا ذکر اپنے مقالے میں کیا ہے۔ کوئی بات لاتعلق نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہر چیز میں IMPROVEMENT کی گنجائش ہوتی ہے۔ میں پھر بھی کہونگا کہ ع

کارِ جہاں کسے تمام نہ کرد

•

جموں و کشمیر میں ہندی ادب اور کلچرل اکادمی

پروفیسر سبھاش بھاردواج

جموں و کشمیر ہندوستان کی اُن ریاستوں میں سے ہے جو آزادی سے پہلے نہ صرف سماجی اور اقتصادی لحاظ سے پچھڑی ہوئی تھیں بلکہ جہاں سیاسی شعور اور قومیت کا جذبہ بھی لوگوں کیلئے اجنبی باتیں تھیں۔ انگریزی سامراج کے اشاروں پر چلنے والی شخصی حکومت میں لوگوں کی سوچ کچھ اس طرح کُند کر دی گئی تھی کہ وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ حاکمِ وقت کے کردار میں کوئی بُرائی کوئی خامی بھی ہو سکتی ہے۔ اور اُسکے خلاف آواز بھی اُٹھائی جا سکتی ہے۔ ایسے ماحول میں بھی یہاں ادبی کاوشیں ہوتی رہتی تھیں مگر جو بہت حد تک صرف اردو فارسی یا کسی حد تک پنجابی شاعری تک ہی محدود تھیں۔ ہندی میں ادبی تخلیق کی جانب کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہو رہا تھا۔ لگ بھگ سنہ ۱۹۳۰ء تک یہی صورت بنی رہی۔ مگر تب تک ملک کے دوسرے حصوں

میں ہندی اور اُردو ادب بہت سی منازل طے کر چکا تھا۔ بنگلہ میں ٹیگور، اُردو میں اقبالؔ اور ہندی میں پریم چند جیسے چراغ روشن ہو چکے تھے۔ مگر ابھی تک اس پردیش میں ہندی ادب کے اُبھرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہاں کچھ لوگوں نے یہاں سے باہر جا کر ہندی میں لکھا مگر اس سے ریاست میں ہندی ادب کے پھلنے پھولنے میں کوئی مدد نہیں مل سکی۔

۱۹۳۵ء کے آس پاس یہاں ہندی زبان اور ادب کی ترویج کے لیے تحریک شروع ہوئی۔ ہندی ادب اور زبان کے پرچار اور اشاعت کیلئے جموں میں دو مضبوط اِدارے ہندی پرچارنی سبھا اور ہندی ساہتیہ منڈل سامنے آئے۔ جہاں ہندی پرچارنی سبھا ریاست میں ہندی کو مناسب مقام دلانے کیلئے کام کر رہی تھی وہاں ہندی ساہتیہ منڈل ہندی ادب کی تخلیق کو بڑھاوا دینے کے لئے کوشاں تھا۔ جموں میں ایک ساتھ کئی اخبار اور رسالے نکالے گئے جن میں دیپک، وسودھا، اوشا، بھارتی اور گلاب قابلِ ذکر ہیں۔ اس دوران بھلے ہی یہاں اونچے درجے کا ادب نہیں لکھا گیا مگر ہندی زبان اور ادب کیلئے جو جوش اور ولولہ اُن دنوں یہاں نظر آتا تھا اُسے دیکھتے ہوئے اُس دور کو ہندی زبان اور ادب کی ترقی کا سنہری زمانہ کہا جا سکتا ہے۔

ملک کے بٹوارہ کے خونیں دنوں میں یہاں کے لوگوں نے جس فرقہ وارانہ بھائی چارے اور امن و آشتی کو قائم رکھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہی دنوں ہوئے پاکستانی حملے نے ریاست کی

अखिल भारतीय हिन्दी लेखक सम्मेलन

شانتی کو برہم کیا۔ لاکھوں گھر اُجڑ گئے۔ ہزاروں بے گناہ اور معصوم مارے گئے۔ اس سب کی وجہ سے جو "ہندی لہر" چل رہی تھی وہ یک وقت تھم گئی۔ پھر سنہ ۱۹۵۰ء تک اس سلسلہ میں کوئی حرکت نظر نہیں آئی۔

مگر سنہ ۱۹۵۰ء کے آتے آتے یہاں لوگوں کی سوچ میں بیداری آچکی تھی۔ پوری ریاست میں ایک زوردار ادبی تحریک دکھائی دینے لگی۔ مشاعرے، کوی سمیلن، محفلِ شعراور ادبی مجالس کی گہما گہمی دیکھتے ہی بنتی تھی۔ ہندی اور اُردو کے ساتھ ساتھ ڈوگری اور کشمیری ادب کی ترویج کیلئے بھی ایک زوردار تحریک آگے بڑھنے لگی تھی۔ تب تک مُلک کے دیگر حصّوں میں ساہتیہ اکادمیاں قائم ہو چکی تھیں مگر یہاں پر ایسی کوئی تنظیم قائم نہیں ہوسکی تھی۔ یہ کمی سنہ ۱۹۵۸ء میں جاکر پوری ہوئی۔ زبانوں فنون اور ثقافت سے متعلق ہماری اکیڈمی نے پردیش کی علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ قومی زبان ہندی اور اُس کے ادب کو ترقی دینے کیلئے کئی طرح کے پروگرام شروع کئے اور آج ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہورہی ہے کہ اکادمی نے اپنی عمر کے ۲۵ سال پورے کر لئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس بیچ اس نے ہندی ادب کی ترقی اور نشو و نما کے لئے بہت اہم خدمات انجام دی ہیں مگر کوئی بھی کام اپنے آپ میں کبھی مکمل نہیں ہوتا۔ پھر ادب تو ایک ترقی پذیر عمل ہے۔ اس کی رفتار کو بڑھانے اور بے روک بنانے کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے، کم ہے۔

طباعت واشاعت۔

ریاست میں ہندی ادبا کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ انہیں دلّی اور بمبئی میں چھپنے والے بڑے جریدوں میں بہت کم جگہ ملتی ہے۔ معیار کے لحاظ سے یہاں ادیبوں کی تخلیق بھلے ہی کسی سے کم نہیں مگر بڑے میگزینوں میں چلنے والی گروہ بندیاں، اُن کی تجارتی مجبوریاں اور کچھ حد تک ریاست کی جغرافیائی دوریاں اس میں رکاوٹ بنتی رہی ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اکیڈیمی کے ہندی رسالہ "شیرازہ" نے اہم کام کیا ہے۔ اس کے پہلے مدیر سورگیہ نریندر کھجوریہ نے ہمارا ساہتیہ اور شیرازہ کے جو شمارے نکالے اُس میں ریاست کے ادیبوں کو چھپنے کا موقعہ پہلی بار ملا۔ مگر نریندر کی بے وقت موت سے شیرازہ کو دھکا پہنچا۔ اُس کے بعد شیرازہ کا چارج اکیڈیمی کے ڈوگری مدیر کو دیا گیا مگر کام کی زیادتی اور کچھ دیگر وجوہات کی بنا پر وہ ہندی شیرازہ کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے۔ اُس کے بعد جو ایڈیٹر مقرر ہوئے وہ بے شک ہندی کے اچھے عالم تھے مگر وہ نہ ہی خود ادیب تھے اور نہ ہی اُنہیں ادارت کا تجربہ حاصل تھا۔ اسکے علاوہ وہ ایک مخصوص سیاسی نظریہ سے جُڑے ہوئے تھے جسکا عکس ان کی ادارت میں چھاپے گئے ہندی شیرازہ اور ہمارا ساہتیہ کے شماروں میں صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ انہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے شیرازہ ادبی رسالہ نہ ہو بلکہ ایک خاص سیاسی جماعت کا تبلیغی رسالہ ہے۔ تعجب ہے کہ اکیڈیمی کے حاکموں کی توجہ اس طرف نہیں گئی۔

اس کے بعد جب نئے مدیر مقرر ہوئے تو حالت سُدھرنے لگی۔ گو کہ ان کا ادارت کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ محنتی اور بنیادی

طور پر ادیب بنتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج شیرازہ دیس کے اچھے ہندی رسالوں میں گنا جاتا ہے۔

مگر کام کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اگر اُسے پورا ہوا سمجھ لیا جائے تو رفتار میں شکن پڑ جاتی ہے۔ کام ٹھپ ہو جاتا ہے۔ شیرازہ کے بارے میں سب سے کھٹکنے والی بات یہ ہے کہ یہ شاید ہی وقت پر نکلتا ہے۔ یہ کوئی ایسی کمی نہیں جسے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اکیڈیمی اگر اپنا نجی پریس لگا سکے تو یہ کمی بھی پوری کی جا سکتی ہے۔

بہت کاوشوں کے بعد ہم ہندی شیرازہ کو سہ ماہی سے دو ماہی بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مگر ۱۹، ۲۰ برس کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ اتنی دیر میں تو شیرازہ کو ماہوار ہو جانا چاہیئے تھا۔ پردیش کے ہندی ادیبوں نے اگر ہمت سے کام لیا تو جلدی ہی یہ منزل بھی طے ہو جائیگی۔

شیرازہ میں چھپنے کا پہلا حق ریاست کے ہندی ادیبوں کا ہے۔ اس بات کی طرف ایڈیٹر اور اکیڈیمی کا دھیان بار بار دلاتے کے بعد صورت حال میں کافی سدھار ہوا ہے مگر ابھی بھی اس کی کچھ گنجائش بنی ہوئی ہے۔

مواد اور سجاوٹ کے لحاظ سے آج شیرازہ جس معیار تک جا پہنچا ہے اُسے دیکھتے ہوئے اسکے آج کے ایڈیٹر اور اکیڈیمی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مگر اچھا چھپ جانا ہی کافی نہیں ہوتا۔ شیرازہ کو جن لوگوں تک پہنچ جانا چاہیئے اُن تک نہیں پہنچ رہا ہے۔ اس کی تقسیم صرف ادیبوں تک ہی محدود ہے۔ باہر سے آیا کوئی شخص اگر کسی نیوز سٹینڈ پر شیرازہ حاصل کرنا چاہیئے تو اُسے مایوس ہونا پڑے گا۔ اسے نہ صرف نیوز سٹینڈوں پر ہی بھیجا جانا چاہیئے بلکہ ریاست کے سب سکولوں کالجوں اور لائبریریوں میں بھیجا جا
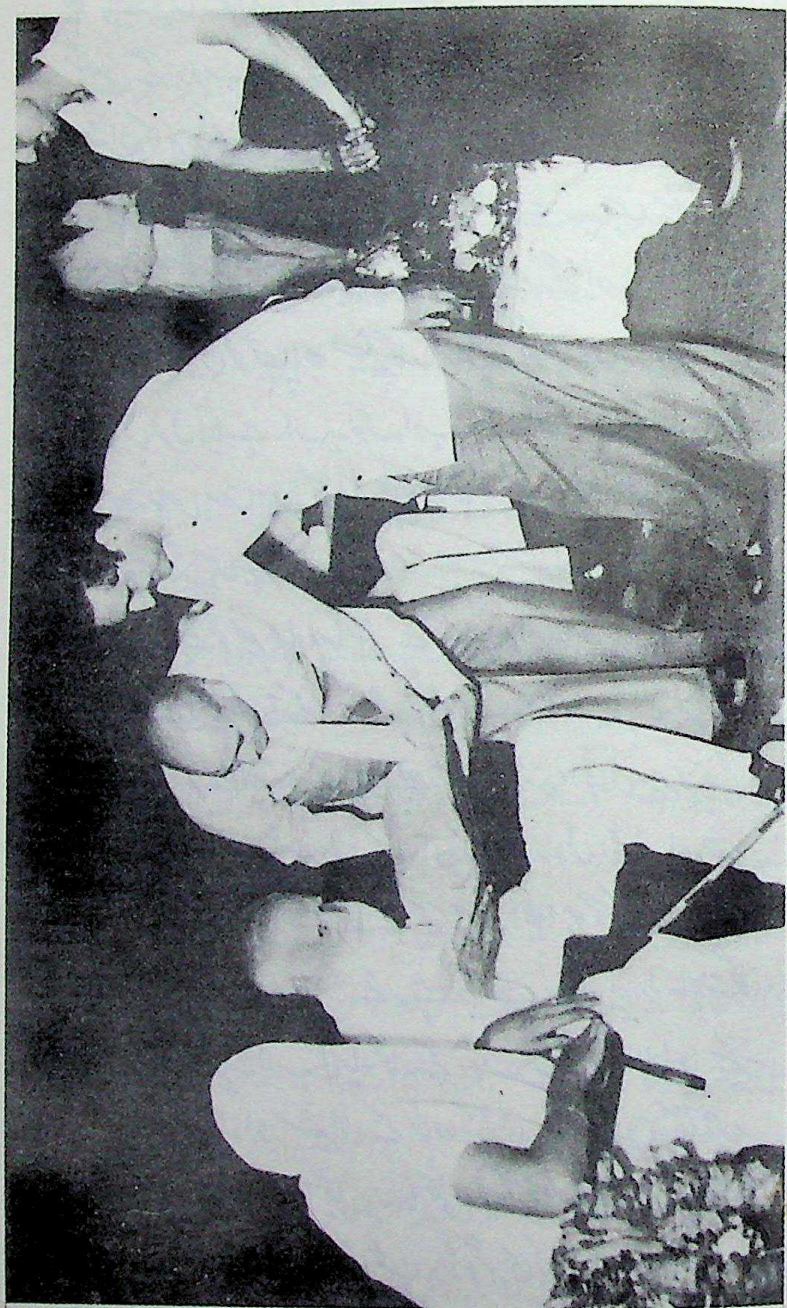
چاہیئے۔ اس سے ایک تو ریاست کے لوگ اپنی پسند کے ادیبوں کو پڑھ سکیں گے، دوسرے اکیڈیمی کو اقتصادی لحاظ سے منافع بھی ہوگا جسے شیرازہ کو مزید نکھارنے کے کام میں لایا جا سکے گا۔

'ہمارا ساہتیہ' اکیڈیمی کی ایک اہم پبلکیشن ہے۔ یہ اس مقصد کیلئے جاری کیا گیا تھا کہ ایک برس کے اندر لکھے گئے ادب میں سے چُنی ہوئی تخالیق کو چھاپا جا سکے گا۔ مگر پچھلے کچھ برسوں سے اس پالیسی میں فرق آیا ہے۔ اب یہ لوک ادب، لوک ثقافت، ہندی شاعری وغیرہ جیسے خاص مضامین کو لیکر طبع کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بجائے خود ایک اہم کام ہے مگر اس کے لیئے جب ہمارے پاس شیرازہ کی شکل میں ایک ذریعہ موجود ہے تو پھر ہمارا ساہتیہ سے یہ کام کیوں لیا جائے۔ ہندی شیرازہ کے اس طرح کے کئی خاص شُمارے نکالے جا چکے ہیں جو وچار اور مواد کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔ اربند، اقبال، پریم چند پر نکالے گئے خاص شماروں کے علاوہ کہانی، ناول، ڈرامہ اور طنز وغیرہ پر بھی اچھے شُمارے نکالے گئے ہیں۔ اچھا ہوگا کہ ہمارا ساہتیہ کو اُسکے اپنے مقصد کو پورا کرنے رہنے دیا جائے اور ہمارا ساہتیہ کو سال بھر کے بہترین ادب کی یادگار کے روپ میں طبع کیا جانا چاہیئے۔

ہمارا ساہتیہ اور شیرازہ کے علاوہ اکیڈیمی نے بہت سی کتابیں طبع کی ہیں۔ ان میں گدیانجلی، پدیانجلی، ڈوگری ساہتیہ ایک پریچے، ڈوگری اور کشمیری ایکانکی، نمائندہ ڈوگری کہانیاں، نمائندہ کشمیری کہانیاں، ریاست کی اُردو تخلیق پر مبنی "کُہرا اور دھوپ"، ہندی تخالیق پر مبنی "شبد جو تم نے دئے" اور "چیڑوں میں ٹھہری بہار"

کوی دت، واتی وتستا کی، نفر کے بنۃ پیپل کا، سرپنچ، چھایا، پرنی ندھی کشمیری کویتائیں وغیرہ اہم ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ جہاں ہندی کے واسطے سے ڈوگری، پنجابی، کشمیری اور اُردو کی تخلیق کو پیش کیا گیا ہے وہاں اُن زبانوں میں ہندی ادیبوں کی تخلیق کو پیش کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔ اِس جانب اکیڈیمی کے دوسرے مدیروں کو توجہ دینی چاہیئے کیونکہ یہ ابھی تک یکطرفہ ترسیل تک محدود رہا ہے۔

ادبی پروگرام

اکیڈیمی کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف ادبی پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جن میں کوی سمیلن، سیمینار، محفلِ مناظرہ، بزمِ ادب وغیرہ سرِ فہرست ہیں۔ اگر کشمیر میں ہندی کے نثر نگاروں کے مقابلے میں ہندی شعرأ کی مقدار زیادہ ہے تو یہاں کوی سمیلنوں کو جتنی فوقیت دی جانی چاہیئے اُتنی نہیں مِل پائی ہے۔ صرف ۱۵ اگست یا ۲۶ جنوری یا پھر کبھی مارچ کے خاتمے پر مشاعرے منعقد ہوتے ہیں۔ مگر یہ مشاعرے بھی خاص طور پر جموں یا کبھی کبھی سری نگر تک ہی محدود رہتے ہیں۔ اِس بات کی طرف اکیڈمی کا دھیان کئی بار دِلایا جا چکا ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ نہیں کیا جانا چاہیئے بلکہ ریاستی سطح پر کوی سمیلن باری باری جموں اور سرینگر میں منعقد ہونے چاہئیں۔ اکیڈیمی ہر سال ۲۶ جنوری پر آل انڈیا اُردو مشاعرہ منعقد کرتی ہے۔ مگر اب تک ہوئے ہندی کوی سمیلنوں کی کل تعداد تین چار سے تجاوز نہیں کر پائی ہے۔ اِس طرف اگر توجہ دی جائے تو جموں و کشمیر کے ہندی شاعروں اور سامعین کو مسرت ہوگی۔

اکیڈیمی کی طرف سے ۱۶ اور ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء کو آل انڈیا ہندی کانفرنس منعقد

کی گئی تھی۔ اس میں تین پرچے پڑھے گئے۔ پانچ کہانیاں محفلِ افسانہ میں پڑھی گئیں۔ کوی سمیلن میں ۱۳ شعراء نے حصہ لیا تھا اور آخر میں راس لیلا نام سے ایک اوپیرا پیش کیا گیا تھا۔ اِس معیار کے ادبی پروگراموں کا انعقاد پردیش کے ہندی ادیبوں اور سامعین کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مگر اس طرح کے پروگرام کم از کم دو سال بعد یا لترتیب جموں اور سرینگر میں ہونے چاہئیں۔

اکیڈمی کا ادبی فورم بھی وقت وقت پر مقامی ادیبوں کی محفلیں منعقد کرتا ہے جن میں ادبی اور ادیبوں کے مسئلوں پر بات چیت ہوتی ہے۔ پچھلے سال اسکے ذریعہ بزرگ شاعر اگنیہ کے اعزاز میں ایک بیٹھک منعقد کی گئی تھی۔ آج کے ہندی افسانہ، آج کے ہندی ناول، آج کے ہندی ڈرامہ، آج کی ہندی شاعری۔ جیسے موضوعات کو لے کر بھی بزمیں آراستہ کی گئیں اور ان میں بحث و تمحیص کو شیرازہ کے خصوصی شمارے میں پیش کیا گیا۔

مالی امداد

۱۹۵۸ء سے آج تک اکیڈمی نے لگ بھگ ۷۴-۷۵ کتابوں کی طباعت کے لئے ہندی ادیبوں کو مالی امداد بہم کی ہے۔ ادب کی ترقی کیلئے یہ کام بجائے خود بہت اہم ہے۔ ادباء اکثر مالی دشواریوں کی وجہ سے اپنی تخالیق کو چھپوا نہیں سکتے اور نہ ہی یہاں پر، یہاں ہی کیوں، کہیں پر بھی اس ملک کے ناشر اتنے وسیع القلب ہیں کہ وہ ادیبوں کی تخلیقات چھاپ کر اُنہیں کچھ اقتصادی فائدہ دے سکیں۔ اگر کوئی پبلشر بھولے سے کسی مقامی ادیب کی کتاب چھاپ بھی دیتا ہے تو بے چارے ادیب کو کتاب کے طبع ہونے پر ہی مطمئن ہونا پڑتا ہے۔ اُلٹے وہ ناشر کے احسان کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں اکیڈمی کی مالی امداد ادیبوں کی بہت حد تک مدد کر سکتی ہے۔

مگر دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ امدادی رقم اتنی قلیل ہوتی ہے کہ اس سے کاغذ کی قیمت اور چھپائی تو دور، جلدبندی بھی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ سبسیڈی کی یہ رقم کُل خرچہ کی رقم کا کم از کم ۷۵ فیصدی ہونی چاہیئے۔ تاکہ لینے والے کو لیتے ہوئے اور دینے والے کو دیتے ہوئے شرم محسوس نہ ہو۔

اگر ہم راجستھان، مدھیہ پردیش اور اُتر پردیش یا دوسرے پردیشوں کی اکیڈیمیوں کی طرف نظر دوڑائیں تو صورت حال کچھ اور ہی ملے گی۔ وہاں پر طباعت کی تقریباً پوری رقم ہی نہیں دی جاتی بلکہ ہر کتاب کی ایک ایک ہزار کاپیاں سرکار خرید لیتی ہے۔ اس سے ادیبوں کو مالی فائدہ بھی ہوتا ہے۔ اور اُن کی تخلیقات کی اشاعت بھی ہوتی ہے۔ یہ کوئی ایسا مُشکل کام نہیں ہے جو ہماری اکیڈیمی نہیں کر سکتی۔ اکیڈیمی کو چاہیئے کہ ریاستی سرکار کو اِس ضمن میں تعاون دینے کے لئے کہا جائے۔

اکیڈیمی مختلف ادبی تنظیموں کو جو مالی مدد دیتی ہے اُسمیں بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔ اِس کے علاوہ چھوٹے رسالوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اشتہارات یا گرانٹ کی شکل میں براہ راست امداد کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ دیگر اکیڈیمیاں "پہل"، "آکنٹھ" وغیرہ جیسے چھوٹے رسالوں کے حق میں کر رہی ہیں۔

صلاح کار کمیٹی

اکیڈیمی کی پہلی صلاح کار کمیٹی سنہ ۱۹۵۸ء میں تشکیل دی گئی تھی۔ اپنے نام سے تو یہ کمیٹی بہت اہم سمجھی جا سکتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اسے آج تک صحیح درجہ اور اختیارات نہیں دئے گئے۔ کمیٹی تو بنائی جاتی ہے مگر اسکی میٹنگیں اُسی وقت بُلائی جاتی ہیں جب ایسا لگتا ہے کہ اسے بُلائے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے، اب بُلانی ہی چاہیئے۔ اس سلسلے میں ان کمیٹیوں کی

طرف سے بار بار سفارش کی جاتی رہی ہے کہ ان کی میٹنگیں باقاعدہ طور پر بُلائی جانی چاہئیں تاکہ اکیڈیمی کے تحت ہو رہے کام کا جائزہ لیا جا سکے۔

اور پھر کبھی کبھار بُلائی گئی اِن میٹنگوں کی سفارش پر بھی پورا دھیان نہیں دیا جاتا۔ اسلئے ہونا یہ چاہیے کہ صلاح کار کمیٹی کو ایسے اختیارات دئے جائیں کہ اِن کی سفارشات سنٹرل کونسل میں جاکر ٹھپ نہ ہو جائیں۔

اکیڈیمی کی سینٹرل کونسل میں آج تک ہندی کی نمائندگی ایسے لوگوں کے ذریعہ ہوتی رہی ہے جو ہندی یا سنسکرت کے عالم تو ہوتے ہیں مگر ادیب نہ ہونے کی وجہ سے پردیش کے ہندی ادیبوں کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتے اور کبھی کبھی تو اُن کے اغراض کچھ دوسری زبانوں سے منسلک ہوتے ہیں۔ وہ ادیب کے مسائل، اُسکی ضروریات، اُسکی مجبوریاں نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو اکیڈیمی کا ہی بھلا کر سکتے ہیں اور نہ ہندی ادیبوں یا مصنفوں کا۔ اُمید ہے کہ اکیڈیمی مستقبل میں اس طرف ضرور توجہ دیگی۔

اکیڈیمی کی طرف سے دوسری زبانوں کی طرح ہندی کی اعلیٰ پایہ کی کُتب پر بھی انعام دئے جاتے ہیں۔ پچھلے کچھ سالوں سے اس انعام کی رقم کو ایک ہزار سے بڑھا کر دو ہزار روپے کر دیا گیا ہے۔ مگر اس رقم میں اور اضافہ ہونا چاہیے۔ اگر دو انعامات کی جگہ ایک ہی انعام کی رقم کو پانچ ہزار کر دیا جائے تو بہت اچھا رہے گا۔ کُل ملا کر اکیڈیمی کے ذریعہ موزوں کتابوں کا ہی انتخاب ہوا ہے۔ اب تک تقریباً ۲۲ ہندی کتابوں کو انعام سے نوازا گیا ہے۔

اِس مقالہ میں اکیڈیمی کے اُن کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے جو اُس نے ہندی ادب کی ترقی و نشر و تبلیغ کے لیے کئے ہیں۔ اکیڈیمی نے

پچھلے پچیس برسوں میں اِس جانب بہت کام کیا ہے جو کافی اچھا ہے۔ مگر یہ اس سے بھی اچھا ہو سکتا تھا۔ مستقبل میں ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری تجاویز پر سوچ بچار کر کے ریاست میں ہندی ادب کی ترقی کے لئے اکیڈیمی اور زیادہ صدق دلی سے کام کرے گی :

•

(ہندی سے ترجمہ)

مترجم :۔ رتن لال شانت

تاریخ :- ۲۵ر مارچ ۱۹۸۴ء

مقالہ :- جموں و کشمیر میں ہندی ساہتیہ تھا کلچرل اکادمی

مقالہ نگار :- پروفیسر سبھاش بھاردواج

مقام :- ابھنو تھیٹر جموں۔

گفتگو:-

مقالے پر بحث کا آغاز جناب محمد حسین سلیم نے کیا۔ آپ نے کہا کہ مقالہ نگار نے اُن کتابوں کے ادبی محاسن کا ذکر نہیں کیا ہے جن کا ذکر مقالے میں آیا ہے۔ مقالے کا بیشتر حصہ صرف "شیرازہ" کی نذر کیا گیا ہے۔ یہاں پر دوسری مطبوعات کے بارے میں آراء کا اظہار کیا جانا چاہیئے تھا۔ ہمیں ایسا ادب پیدا کرنا چاہیئے جو قومی یک جہتی کو بڑھاوا دے۔ نمائش میں رکھی گئی چیزوں کے عنوان اردو میں دئے جاتے یا کشمیری کے بدلے متعلقہ زبان میں ہونے چاہیئے تھے۔

شری شہباز راجوروی نے بتایا کہ ادبی مسائل کی نشاندہی کے لئے صرف اکادمی کو ہی ذمہ وار ٹھہرایا نہیں جا سکتا بلکہ ان کی نشاندہی خود ادیبوں کو کرنی چاہیئے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ ریاست میں اردو اور ہندی کے مخصوص علاقے ہیں، اسلئے اُن زبانوں کی طرف خاص توجہ دی جانی چاہیئے۔ اور اِن زبانوں میں سرگرمیوں کے لئے الگ سے رقومات مخصوص کئے جانے چاہئیں۔

پروفیسر اوم پرکاش گپتا نے کہا کہ مقالہ نگار کو سابقہ ایڈیٹر شیرازہ 'ہندی' کے سیاسی نظریات پر مقالے میں بحث کو جگہ نہیں دینی چاہیئے تھی۔ ہمیں

مدیر اور ادیب کو اس ضمن میں کچھ آزادی دینی چاہیئے۔ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ مقامی لکھنے والوں کو شیرازہ میں چھپنے کا حق ہے مگر یہ سب معیار اور قواعد کو پسِ پشت ڈال کر نہیں کیا جانا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ "ہمارا ساہتیہ" کا موجودہ طریقہ زیادہ مناسب اور قابلِ قدر ہے اور اِسے جاری رکھا جانا چاہیئے۔ میں ہندی کتابوں کو ڈوگری میں منتقل کرنے کے حق میں ہوں کیونکہ ہر ڈوگری پڑھنے والا دیوناگری رسم الخط کے ناطے پہلے ہندی کا قاری ہے۔ مجھے ریاستی سرکار کے اس جذبے اور خیال کی قدر ہے کہ وہ کافی تعداد میں کتابیں خریدتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس سے گروہ بندی کو فروغ ملے گا جو مجموعی طور پر ادب کی ترقی کے لئے سمِ قاتل ہے۔ اِس کے علاوہ ہمیں مالی امداد کے معاملے کو اکادمی کی مطبوعات کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ مالی امداد بہرحال مالی امداد ہے۔ اور اشاعتی پروگرام اس سے الگ ہے۔ مقالے میں بہت سارے مسائل کو اُبھارا گیا ہے جن کو سیکریٹری کی سطح پر ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ اسلئے اکادمی کے سیکریٹری کو ان مسائل کے سدباب کیلئے آگاہ کرنا ہے۔

شری جو تیشور پتھک نے دوسری باتوں کے علاوہ اس بات پر زور دیا کہ دیہاتی مشاعروں میں بھی ہندی شعراء کو نمایندگی دی جانی چاہیئے اور شیرازہ کے مشمولات میں اضافہ کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر آدرش نے کہا پروفیسر بھاردواج نے تخلیقی کام کرنے والوں کے تمام مسائل کو اُبھارا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ جہاں ہندی شیرازہ اور دوسرے رسالوں میں علاقائی زبانوں میں لکھنے والے ادیبوں کو مناسب نمایندگی دی جاتی ہے وہاں دوسری زبانوں میں چھپنے والے شیرازوں کے

مدیر ہندی ادیبوں کو نظر انداز کرتے ہیں، اِس طریقۂ کار کو درست کیا جانا چاہیئے۔ اِس بات میں شک نہیں کہ مقامی ادیبوں کو اکادمی کے رسالوں میں چھپنے کا حق ہے۔ مگر ہمیں ایک معیار کو برقرار رکھنا ہے۔ لیکن ہمیں ان میں ریاست سے باہر کے بڑے بڑے ادیبوں کو بھی شامل کرنا ہے تاکہ یہ رسالے ملک بھر میں عام قاری کے لئے قابلِ قبول بن سکیں۔

شری اشوک جیرتھ نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ موجودہ مدیر نے شیرازہ ہندی کے معیار اور اعتبار کو مختلف طریقوں سے بڑھایا ہے مگر یہ افسوسناک ہے کہ مقامی اور باہر کے ادیبوں کا تناسب برابر ہے۔ ڈاکٹر راو، پی گپتا کے اِس بیان پر کہ اگر ریاستی حکومت کتابوں کو بڑی تعداد میں خریدتی ہے تو اس سے بڑے پیمانے پر بے ضابطگیاں ہونگی۔ شری جیرتھ نے کہا کہ دوسری ریاستوں کے تجربات کی روشنی میں اس بات کا کوئی احتمال نہیں۔ آپ نے پروفیسر بھاردواج کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ ریاست میں نثر نگاروں کے مقابلے میں شاعروں کی تعداد زیادہ ہے۔ آپ نے کہا کہ اسی وجہ سے کُل ہند کوی سمیلن کے موقعے پر ہماری طرف کے بہت کم شعرا ہوتے ہیں۔

راجکمار نے اِس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ مقامی ادیبوں کو باہر کے ادیبوں پر شیرازہ میں چھپنے کے سلسلے میں ترجیح حاصل ہے۔ مگر ہمیں رسالے کے معیار کو قربان نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے کہا کہ رسالوں میں ریاست کے فن اور تمدن سے متعلق چیزوں کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔

پنجابی زبان کے ارتقا میں اکیڈیمی کا رول

ڈاکٹر دیوندر سنگھ

سب سے پہلے میں اکیڈیمی کو مبارکباد دینا چاہوں گا کیونکہ وہ اپنا سلور جوبلی جشن منا رہی ہے۔ اِس سے بھی بڑی مبارکباد یہ ہے کہ اکیڈمی منا تو سلور جوبلی جشن رہی ہے لیکن ہمیں کہا گیا ہے کہ اکیڈیمی کے پچھلے ۲۵ سال کی سرگرمیوں کا پوسٹ مارٹم کریں۔ شاید یہ ایسی پہلی روایت ہوگی جب کوئی ادارہ اپنے ۲۵ سالہ جشن کے موقعہ پر اپنی کارکردگیوں کے اوپر نکتہ چینی کرنے کیلئے کہہ رہا ہو۔ اکثر ہوتا ایسا ہے کہ ایسے جشنوں پر ہر ادارہ اپنی تعریف ہی کی بات کروانا چاہتا ہے، نکتہ چینی کم، ایسی فراخدلی پر میں اکیڈیمی کے منتظمین کو مبارکباد دینا چاہوں ایسی میں اِس پیپر کو پنجابی زبان کے آج تک کے ارتقا تک محدود رکھوں گا۔ اور کوشش ہوگی کہ ریاست میں بولی جاتے والی دوسری زبانوں کے مقابلے پنجابی زبان کے ارتقا میں اکیڈیمی کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے۔ یہاں میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اِس جائزہ کے ساتھ ساتھ کچھ مشوروں کا آجانا لازمی ہوگا جو پنجابی زبان کی ترقی کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔

ریاست جموں و کشمیر کئی ایک پہلوؤں سے ہندوستان کے دوسرے صُوبوں سے مختلف ہے۔ ایسے ہی پہلوؤں کو ایک ریاستی آئین کا الگ ہونا کہا جاسکتا ہے۔ ریاستی آئین میں ریاست میں بولی جانے والی سات بولیوں کا ذکر ہے اور ان کے ارتقاء کا کام اکیڈمی کے ذمے ہے۔ ان سات زبانوں میں پنجابی بھی شامل ہے۔ ان زبانوں کو ریاستی آئین میں ایک جگہ رکھنے کا مطلب ہے کہ اکیڈمی سبھی کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ آئیے پنجابی کے ارتقا کے بارے میں اکیڈمی کی کوششوں کا جائزہ لیں۔

کسی بھی زبان کے ارتقا کا اندازہ اُس میں شائع شدہ ادب سے ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے اکیڈمی کے کاموں میں ہر زبان کی کتابوں کو شائع کرنا ضروری بن جاتا ہے۔ اور زبانوں کی طرح کلچرل اکیڈیمی پنجابی زبان میں کتابیں شائع کرنے کے لئے دو طریقوں کا استعمال کررہی ہے۔

۱۔ وہ کتابیں جو کلچرل اکیڈمی اپنی طرف سے شائع کرتی ہے۔
۲۔ پنجابی ادیبوں کو سبسڈی دے کر پنجابی کتابوں کے شائع ہونے میں مدد کررہی ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ اب تک اکیڈمی نے پنجابی زبان میں ۳۸ کتابیں شائع کی ہیں۔ اِس طرح سے اوسطاً ایک سال میں ۱½ کتاب بنتی ہے۔ فی الحال مان لیتے ہیں کہ یہ گنتی کم نہیں اچھی ہے۔ لیکن میری گذارش ہے کہ اکیڈمی کو کم از کم ہر سال پانچ بہترین کتابیں ضرور شائع کرنی چاہئیں۔ یہاں میں ایک بات خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ان ۳۸ کتابوں میں ۱۵ کتابیں وہ ہیں جو اکیڈمی نے ریاست کی دوسری زبانوں سے پنجابی میں ترجمہ
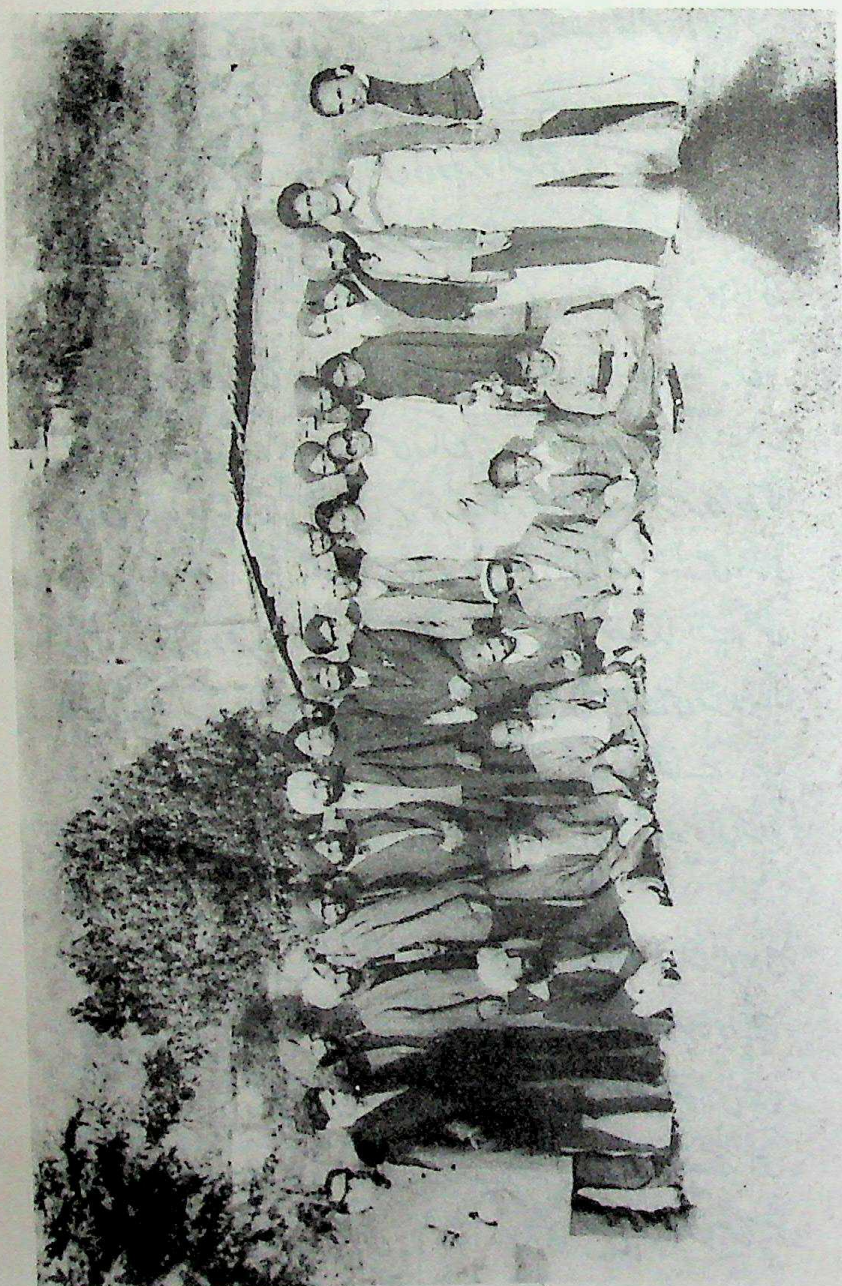
کروائی ہیں جیسے ڈوگری، کشمیری - اسی طرح پنجابی زبان میں شائع شدہ کتابوں کی گنتی ۲۳ رہ جاتی ہے لیکن خاص بات یہ ہے کہ اکادمی نے ایک بھی کتاب پنجابی زبان سے ریاست کی کسی اور زبان میں ترجمہ نہیں کروائی۔ اس کی وجہ تو اکیڈمی ہی بتا سکتی ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لین دین دوطرفہ ہونا چاہیئے۔ اگر ڈوگری یا کشمیری یا کسی بھی زبان کی کتابیں پنجابی زبان میں ترجمہ کی جاسکتی ہیں تو پنجابی کی کتاب ان زبانوں میں کیوں نہیں؟ کیا پنجابی میں کوئی ایسا ادیب نہیں یا کوئی ایسی کتاب نہیں جس کا اور کسی زبان میں ترجمہ کیا جاسکے؟ ویسے میں یہاں بتانا چاہتا ہوں کہ اکیلی امرتا پریتم کے کلام کا ہندی، انگریزی، روسی، البانین، پولش، گجراتی، بلغارین، اُردو، مراٹھی، ملیالم، سندھی، بنگالی، کنڑ، سربیان وغیرہ زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ لہذا ایسے کئی ناموں کی فہرست پیش کی جاسکتی ہے۔ اور پنجابی کی اُن بہت سی کتابوں کی فہرست بھی دی جاسکتی ہے جن کو کلاسیکی ادب کہا جاسکتا ہے۔ اُمید ہے کہ اکیڈمی ایسی بات کو اب نظرانداز نہیں کریگی اور آئندہ پنجابی کتابوں کا کم سے کم ریاستی زبانوں میں ترجمہ ضرور کروائے گی۔

اکیڈمی کی سب سڈی سے کوئی اٹھاون پنجابی کتابیں شائع ہوئی ہیں یہ گنتی بھی کم نہیں ہے اور پنجابی کو اکیڈمی کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ اوسطاً ہر سال دو ڈھائی کتابیں اکیڈمی کی امداد سے شائع ہورہی ہیں۔ پچھلے کچھ سالوں سے پنجابی ادیبوں نے سب سڈی کے لئے بہت سی کتابیں اکیڈمی کو پیش کی ہیں۔ ۱۹۸۱ - ۱۹۸۲ء میں سولہ[16] کتابیں پیش کی گئیں اور اُن میں سے سات کو اکیڈمی نے مالی امداد دی - ۱۹۸۲ء -

۱۹۸۳ء میں پھر سولہ ادیبوں نے کتابیں پیش کیں جن کی امداد کے بارے میں ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ اِس سال بھی دس کے قریب کتابیں پیش پیش کی گئی ہیں۔ اِن اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست میں پنجابی زبان میں کتابیں کافی زور و شور سے لکھی جا رہی ہیں۔ میں اُن کتابوں کے معیار کی بات نہیں کروں گا اور نہ ہی اِس جھگڑے میں پڑوں گا کہ سبسڈی کِن کِن لوگوں کو ملتی ہے۔ کیونکہ یہ بات اکیڈمی کو نہیں ہم لوگوں کو پتہ ہے۔

یہاں میں اکیڈیمی سے سفارش کروں گا کہ سبھی کتابوں کو مالی امداد ملنی چاہیئے لیکن ساتھ ہی یہ فرمائش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ جو کتابیں شائع کی جانے کے لئے اکیڈمی معیار پر پوری اُترتی ہیں اُن کو اچھی خاصی رقم ملنی چاہیئے۔ اکیڈمی کا ریکارڈ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جیسے کتاب شائع کرنے کی قیمت زیادہ ہو رہی ہے۔ اُتنی ہی مالی امداد کم ہو رہی ہے۔ اِسلئے ہر ادیب کو پبلشر کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ میری اپنی رائے ہے کہ اکیڈمی کو کم سے کم ہر سال پیش کی گئی کتابوں میں سے دو معیاری کتابیں چُن کر اپنے خرچ پر شائع کرنی چاہیں اور ادیبوں کو اُس کی رائلٹی بھی دینی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اکیڈمی کا وقار تو اونچا ہوگا ہی ساتھ ہی ادیبوں کو ذہنی پریشانی سے چھٹکارا مل جائے گا اور انہیں دِلی خوشی محسوس ہوگی۔ اکیڈمی ہر سال ادیبوں کو جو مالی امداد دیتی ہے کاغذ، چھپائی اور تمام اخراجات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ نہایت ہی کم ہوتی ہے۔ یہ تو تھی کتابوں کے شائع ہونے کی بات، اب ہم ایک اور پہلو کی

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے اور صوبوں کی اکیڈمیوں کی طرح ریاستی اکیڈمی بھی ادیبوں کو انعامات دیتی آرہی ہے۔ اکیڈمی کی اِس کوشش کی بھی تعریف کرنی چاہیئے۔ کچھ اکیڈمیوں سے تو ریاستی اکیڈمی پہلے ہی آگے ہے اور ہر سال ہر زبان کو دو دو ہزار کے دو انعامات دے رہی ہے۔ انعام کس کو ملتا ہے معیاری یا غیر معیاری ادیب کو، اس بارے میں اکیڈمی کی نیت پر شک کرنا اچھا نہیں ہوگا۔ یہ تو ان لوگوں کی کارکردگی ہے جو اچھے ادیب کو ہی نہیں بلکہ ہر ادیب کو انعام سے نفرت کروا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے ایسے لوگوں میں آپ میں سے بھی کوئی ہو۔ اِس لئے ایسے کام میں اکیڈمی کی نکتہ چینی اچھی نہیں ہوگی۔ غلط آدمی کو انعام ملتا ہے یا مِلا ہے، شرم اُن لوگوں کو آنی چاہیئے جو اس کام کے لئے ذمہ دار ہیں۔ اِس بات کو ایک طرف رکھتے ہوئے انعام کی تقسیم کے بارے میں میں اکیڈمی کو ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میری تجویز یہ ہے کہ اکیڈمی پیسے کی کم ہو رہی قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دو انعام ڈھائی ڈھائی ہزار روپے کے کردے اور ان دونوں انعاموں میں سے ایک کو تخلیقی اور دوسرے کو تنقیدی ادب کیلئے مخصوص کردے۔ ویسے بھی جب ایک ریفری کو ناول، افسانہ، شاعری، ڈرامہ یا تنقیدی ادب میں سے کسی ایک کو چُننا پڑے تو مُشکل در پیش آتی ہے کیونکہ تخلیقی اور تحقیقی ادب ایک ترازو میں تولتے اچھے نہیں ہوتے، ایسی تقسیم سے تخلیقی ادب کے معیار کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے اور ہمیں اپنے معیار کا احساس بھی ہوتا رہے گا۔ یہ میری اپنی رائے ہے۔ اگر اکیڈمی سوچ سمجھ کر ایسا کرتی ہے تو ادیب اور

نقاد کا آپسی رشتہ بڑھ سکتا ہے۔ ویسے بھی ادیب اور نقاد ایک دوسرے کے بغیر پورے نہیں ہیں۔

اب تیسری بات کی طرف آتے ہیں۔ اکیڈمی شروع سے ہی ادیبوں کو آپس میں مل بیٹھنے کا موقعہ مہیا کرتی آرہی ہے، اسے ہم کانفرنس کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اگر ریاست کے ادیب آپس میں مل بیٹھیں (جو کم ہی بیٹھنا پسند کرتے ہیں) تو یہ لوکل کانفرنس بن جاتی ہے اور اگر ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے بھی ادیب آجائیں تو کُل ہند کانفرنس بن جاتی ہے۔ میری جانکاری کے مطابق پنجابی ادیبوں کو ایسے موقعوں کا برابر حق ملتا رہا ہے۔ اسی سال ہی پنجابی کی کُل ہند کانفرنس جموں میں منعقد کی گئی تھی۔ ان کانفرنسوں میں ہم کیا کرتے ہیں، کیا ملتا ہے، فائدہ ہے یا نقصان اس کے بارے میں اکیڈمی کا کوئی قصور نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ہم لوگ ہی شامل ہوتے ہیں اسلئے ایسے سوالوں کا جواب ہمارے پاس ہی ہوتا ہے۔ یہاں بھی اکیڈمی سے میری گذارش یہ ہے کہ ایسے موقعوں کو سیاسی کم اور ادبی زیادہ بنایا جائے۔ یہاں میں ایک بات خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پہلے اکیڈمی سبھی زبانوں کی اکٹھی کانفرنس منعقد کرتی تھی لیکن پچھلے دو سالوں سے ہر زبان کی الگ الگ کانفرنس منعقد کی جارہی ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے تاکہ ہر زبان کے ادیب آپس میں مل بیٹھ کر کچھ بحث و مباحثہ کریں۔ بے شک مجھے یہ تو پتہ نہیں ہے کہ اکیڈمی نے سبھی زبانوں کی الگ الگ کانفرنسیں کیوں کم منعقد کی ہیں، لیکن یہاں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان الگ الگ کانفرنسوں میں صرف اُس زبان کے ادیبوں

کو ہی بُلایا جاتا ہے جو اُس زبان کے ہی ادیب ہیں۔ میرے خیال کے مطابق اکیڈمی کو سبھی زبانوں کی کانفرنسوں میں سب زبانوں کے ادیبوں کو ضرور بُلانا چاہیئے۔ ورنہ جیسے سیاستدانوں نے زبانوں کو بانٹ دیا ہے۔ اُسی طرح ادیب بھی بٹ کر رہ جائیں گے۔ اسلئے کانفرنس چاہیئے ڈوگری کی ہو یا کشمیری کی، اُردو کی ہو یا ہندی کی، پنجابی کی ہو یا گوجری کی ہر ادیب کو دوسری زبان کے ادیب سے مل بیٹھنے کا موقع اکیڈمی کو فراہم کرنا چاہیئے اس سے ہر زبان کے ادیب کو اپنے معیار کا بھی احساس ہوگا اور دوسری زبانوں کے ادیبوں کے معیار کا بھی۔ اکثر ہوتا یہ آیا ہے کہ سبھی زبانوں کے ادیبوں کو افتتاح پر تو بلالیا جاتا ہے یہاں کسی سیاسی لیڈر کی تقریر ہوتی ہے لیکن ادبی محفلوں سے اُسے محروم کیا جاتا ہے۔ یہاں میں اکیڈمی کی ایک بہترین روایت کا ذکر کرنا چاہوں گا۔

ہر سال یوم جمہوریہ کے موقعے پر اکیڈمی کُل ہند مشاعرے کا اہتمام کرتی ہے۔ اِس میں ریاست کی سبھی زبانوں کے ادیب حاضرین میں شامل ہوتے ہیں اور بے صبری سے اِس مشاعرے کا انتظار بھی کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر ہم اپنی شاعری کے معیار کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اکیڈمی سبھی زبانوں کے ادیبوں کا آپسی بھائی چارہ بڑھائے گی۔ کانفرنسیں اکٹھی ہوں یا الگ الگ یہ فیصلہ اکیڈمی کا ہے لیکن میری بات سب کے مل بیٹھنے تک محدود ہے خاص کر ادبی محفلوں میں۔

اِسی طرح اکیڈمی کُچھ ادبی انجمنوں کو مالی امداد بھی دیتی آرہی ہے۔ اِن انجمنوں سے بھی ہر زبان کے ارتقا کو بڑھاوا ملتا ہے۔ پنجابی کی
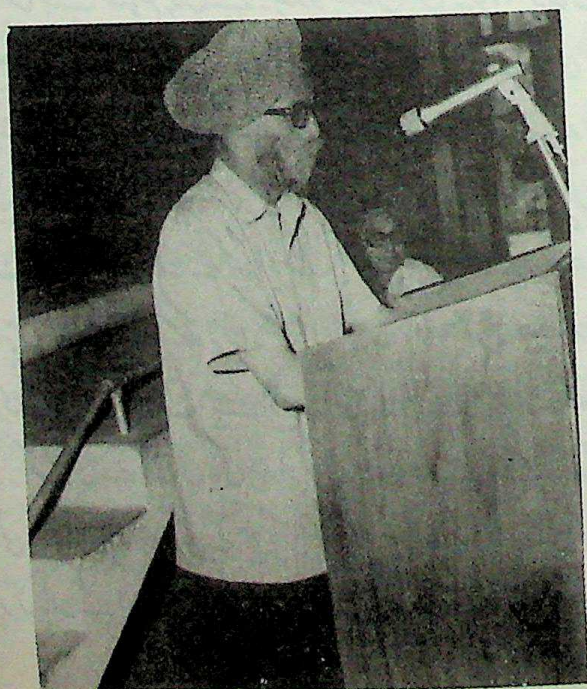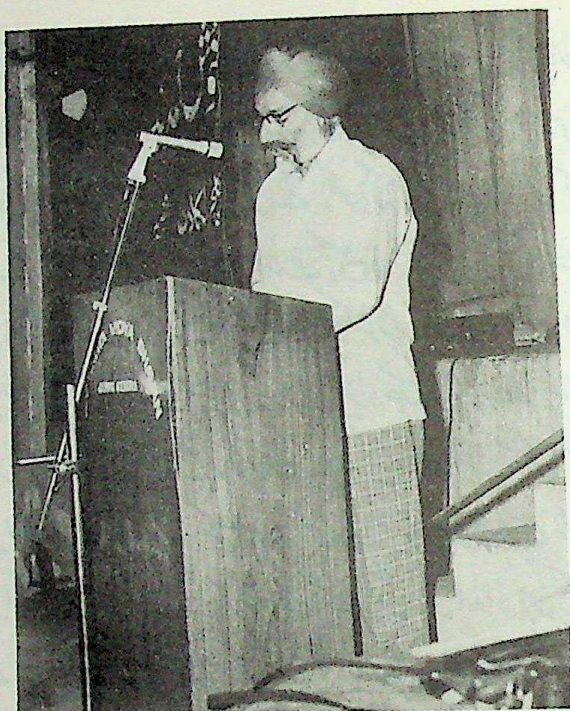
چھ انجمنوں کو بھی اکیڈمی مالی امداد دے رہی ہے ۔ یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اکیڈمی جو مالی امداد دے رہی ہے اُس میں ہر سال کمی ہو رہی ہے۔ اِس کی وجہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن اِس سے انجمن کی سرگرمیوں میں کمی واقعہ ہوئی ہے ۔ جو انجمنیں اچھے پروجکٹ بھیجتی ہیں اور اکیڈمی سے مالی امداد کی مانگ کرتی ہیں اُن کو اچھے پروجکٹوں کے لئے کم سے کم ۷۵ فیصد امداد ملنی چاہیئے ۔ ورنہ اچھے سے اچھے پروجکٹ بھی عام نشستوں کی طرح ہی رہ جائیں گے ۔ کچھ اچھے لوگوں سے یہ فیصلہ کروانا مشکل نہیں ہے کہ اچھے پروجکٹ کون ہو سکتے ہیں ۔ پنجابی انجمنوں کو مل رہی مالی امداد کے گراف سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سال اکیڈمی کی مالی امداد میں کمی ہو رہی ہے ۔ ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ اکیڈمی اِس پہلو پر بھی غور کریگی تاکہ پنجابی زبان اور زیادہ پھل پھول سکے ۔ انجمنوں کے ساتھ ہی ادیبوں کی بات کرنا بھی مناسب معلوم ہوتی ہے ۔ ہندوستان میں صحیح ادیبوں کی مالی حالت عموماً زیادہ خراب رہی ہے ۔ اکثر بھوک ، بیماری یا کسی اور وجہ سے ہندوستانی ادیب دم توڑتے رہے ہیں یا خودکشی کرتے رہے ہیں ۔ ریاست جموں و کشمیر میں بھی ادیبوں کی حالت ویسی ہی رہی ہے ۔ ریاست کے پنجابی زبان کے کچھ ادیب بھی ایسی پریشانیوں سے دوچار ہوئے ہیں اور ہوتے آئے ہیں ۔ شری بھگتی سین مالا ، شری وجے سومن سوتن ، شری بھیم سین سیوک جیسے ادیب تو زندگی سے لڑتے لڑتے دم توڑ گئے ۔ اکیڈمی نے اُن کی مالی امداد تو کی لیکن وہ جینے کے لئے کافی نہیں تھی ۔ پچھتّر یا سو روپے میں آجکل کیا بنتا ہے ۔ اکیڈمی کو چاہیئے کہ ہر زبان کے ادیب کو چار سو سے پانچ سو روپے کی مالی امداد

دے۔ ایسی روایت ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اکیڈمیوں میں بھی ہے۔ پنجاب میں بھاشا وبھاگ اتنی مدد کر رہا ہے۔ اتنی مدد سے کوئی ادیب کم سے کم خالی پیٹ تو نہیں مرے گا۔ اکیڈمی کی یہ عنایت ہر زبان کے ارتقا میں خاص طور سے یاد کی جاسکتی ہے۔

میں اکیڈمی کے ایک اور ضروری پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اکیڈمی ہر سال کئی کلچرل پروگرام کرواتی ہے اور ساتھ ہی ڈرامے بھی کروا رہی ہے لیکن مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ ابھی تک کوئی پنجابی ڈرامہ اکیڈمی نے اپنی طرف سے سٹیج نہیں کروایا جب کہ اکیڈمی کے دونوں دفاتر (سرینگر وجموں) میں ڈرامہ شعبے موجود ہیں۔ اسی طرح ابھی تک کوئی بھی خالص پنجابی کلچرل پروگرام بھی اکیڈمی نے کبھی منعقد نہیں کروایا۔ پنجابی زبان بھی اُن زبانوں میں سے ایک ہے جسکے ڈراموں کی تاریخ بہت امیر ہے اور اس کا اونچا کلچر بھی ہے، یہاں میں اکیڈمی کے منتظمین کی توجہ ایک اور طرف بھی دلانا چاہوں گا کہ اکیڈمی نے ابھی تک کسی بھی پنجابی زبان کے ادیب کو یا پنجابی زبان کے کلچرل ٹروپ کو ریاست سے باہر بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا خیال ہے اس پہلو پر بھی اکیڈمی کو کوئی ٹھوس قدم اُٹھانا چاہیئے، اس سے بھی پنجابی زبان کے ارتقا میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

آخر میں ایک بات اور۔ آجکل اکیڈمی کے جموں دفتر میں "پنجابی شیرازہ" کے لئے صرف ایڈیٹر ہی سبھی کاموں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ پنجابی سیکشن میں ایک ریسرچ اسسٹنٹ کی اسامی نکلی تھی، لیکن وہ بھری ہی نہیں گئی۔ اس کی

وجوہات کا تو اکیڈمی کو ہی پتہ ہوگا لیکن یہ گھاؤ پنجابی زبان کے ارتقا کے لیے صحیح نہیں۔ کتنا اچھا ہوتا اگر "شیرازہ پنجابی" سال میں ایک بار فارسی لپی میں بھی نکالا جاتا۔ اور یہ کام پنجابی سیکشن میں ریسرچ اسسٹنٹ کی اسامی بھرنے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

کُل ملا کر کہا جا سکتا ہے کہ پچھلے پچیس سالوں میں پنجابی زبان کے ارتقا کے لیے اکیڈمی نے بے شک بہت کچھ کیا ہے لیکن ریاست میں بولی جانے والی دوسری زبانوں کے مقابلے میں کم دکھائی دیتا ہے جبکہ ریاستی آئین میں پنجابی کو بھی دوسری زبانوں کے برابر کا حق ہے۔ لیکن مجھے پوری امید ہے کہ کچھ عرصہ میں ہی منتظمین سبھی کچھ اچھا کر دیں گے۔ یہ میری اُمید ہی نہیں وشواس ہے۔
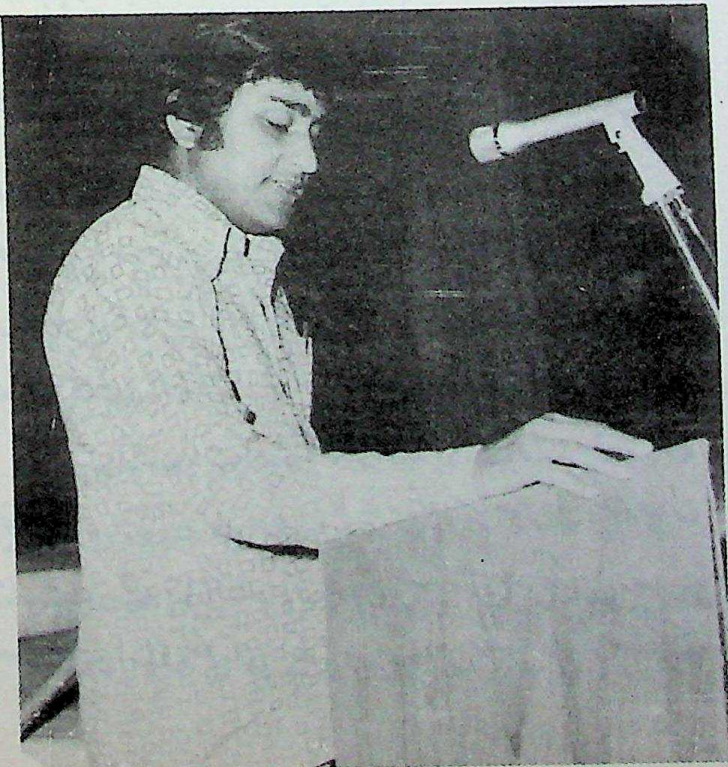
تاریخ :- ۲۵ر مارچ ۱۹۸۴ء

مقالہ :- اکادمی اور پنجابی زبان کا ارتقا۔

مقالہ نگار :- ڈاکٹر دیوندر سنگھ

صدارت :- پروفیسر سیوا سنگھ

مقام :- ابھنو تھیٹر۔ جموں۔

گفتگو

مقالے پر بحث کا آغاز ست پرکاش آنند نے کیا۔ آپ کا کہنا تھا کہ سبسڈی کی رقم بہت ہی کم ہے اور مقالہ نگاروں کو شعرا وغیرہ پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اُسکا بیان مقالے کے دائرے سے باہر تھا، اسلئے مندوبین اور حاضرین نے اِسکا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ یہاں پر یہ کہنا مناسب رہے گا کہ شری آنند کو دو کتابوں پر سبسڈی دی گئی ہے اور اُسکی تخلیقات شیرازہ پنجابی میں چھپی ہیں

پروفیسر گلشن نے کہا کہ مقالہ ایک نپے تُلے نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے۔ اِس میں اکادمی کی تعریفیں کی گئی ہیں اور مقالہ نگار کی خواہش ہے کہ اکادمی کچھ کر دکھائے۔ شری محمد یوسف ٹینگ کی تقریر کے پیش نظر اِس مقالے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مسٹر گلشن نے کہا کہ شری سبھاش بھاردواج نے مشاورتی سب کمیٹی کی تشکیل کا معاملہ اُٹھایا ہے۔ مگر شری ٹینگ سے لے کر پروفیسر دیوندر سنگھ تک کسی نے بھی ہمیں اِن کمیٹیوں کی تشکیل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اُنہوں نے ڈوگری اور کشمیری رسم الخط کے علاوہ مادری زبانوں کو

سکولوں میں پڑھانے کا معاملہ بھی اپنی تقریر کے دوران اُٹھایا۔

شری دیویندر سنگھ نے کہا کہ لگتا ہے کہ مقالہ نگار حضرات کو شری محمد یوسف ٹینگ نے اذیت پہنچائی ہے۔ اگر ایسا ہے تو انہوں نے یہ مقالے مستقبل میں مراعات حاصل کرنے کے لیے لکھے ہیں۔ شری ٹینگ چاہتے ہیں کہ مادری زبانوں کو سکولوں میں رائج کرنا چاہیے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ یہ اکادمی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ڈوگری اور کشمیری کو پوسٹ گریجویٹ سطح پر قبول کیا گیا ہے۔ مگر کیا اس سلسلے میں پنجابی کو کوئی فائدہ ہوا ہے۔ ۲۔ اکادمی کو سیاسی دباؤ سے بالاتر ایک آزاد اور خود مختار ادارہ ہونا چاہیے۔

شری کرپال سنگھ نے کہا کہ مقالہ پڑھنا اور سوالات پوچھنا ایک اکھاڑے کی طرح ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ مقالہ کسی ریاستی باشندے کو تفویض کیا جانا چاہیے تھا۔ شری دیویندر سنگھ تو یہاں صرف روٹی روزی کے سلسلے میں مقیم ہیں۔

بحث میں مداخلت کرتے ہوئے شری ٹینگ نے کہا کہ ہم مناظرے بازی سے بھی الزامات کو رد کر سکتے ہیں مگر ہمارا ضمیر ہی ہمارے لئے گواہی کا کٹھہرا ہے۔ اگر ہم اپنے ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتے تو ہم دوسروں کو بھی مطمئن نہیں کر سکتے۔ مشاورتی سب کمیٹی کی تشکیل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے شری ٹینگ نے کہا کہ شری گلشن کو اکادمی کا آئین پڑھنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم آئین میں مندرج دفعات کے خلاف کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ کسی قسم کی خلاف ورزی کو عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے لئے ہم گواہی کے کٹھہرے میں پیش ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اُنہوں نے واضح طور پر کہا کہ ہم نے کسی بھی مقالہ نگار کو لکھنے کے سلسلے میں کوئی خاص یا مقررہ طریقۂ کار اپنانے کے لئے نہیں کہا ہے۔ مقالہ نگار مقالے کو ذمہ داری سے لکھتا ہے اور وہ معاملے کے روشن

اور تاریک پہلوؤں کو ذہن میں رکھتا ہے۔ ہمیں اُن کی دیانت داری پر شک نہیں
کرنا چاہیئے۔ اور لکھنے والوں کو چاہیئے کہ اپنا نقطۂ نظر صفائی کے ساتھ پیش
کریں۔ ہم آپ کی تجاویز کو فیصلہ صادر کرنے کے لئے اکادمی کے اربابِ اختیار
کے سامنے رکھیں گے۔ شری ٹینگ نے ادیبوں کے ربط و ضبط کو سراہا۔

شری رگھبیر سنگھ مکت نے مادری زبانوں کو سکولوں میں پڑھانے کی
بات کی اور محسوس کیا کہ اکادمی کے فیضان سے ہی یہ زبانیں زندہ ہیں اور
اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجایش نہیں۔

شری جی، ایس گلاب کو محسوس ہوا کہ یہ پرچہ محض ایک جائزہ ہے۔
آپ نے کہا کہ مصنّفین کو اپنی کتابیں بیچنے میں زبردست دِقت ہوتی ہے
اور یہی حال اکادمی کی مطبوعات کا بھی ہے۔ اُنہوں نے اس بات کے لئے
اکادمی کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ادیبوں کو اپنی شکایات کو بیان کرنے کا
موقعہ فراہم کیا۔ ساتھ ہی مقالہ نگار کی کوششوں کو بھی سراہا کہ اُس نے مسائل کو
صفائی کے ساتھ پیش کیا۔

شری ہرنام سنگھ چاچک اور پروفیسر پریم سنگھ نے بھی مباحثے
میں حصہ لیا۔ پروفیسر پریم سنگھ نے کہا کہ ہمیں اس بات سے کوئی غرض
نہیں کہ مقالہ نگار ریاستی باشندہ ہے یا نہیں۔ اُس نے مناسب طریقے
پر پنجابی کے مسائل کو پیش کیا۔

ڈاکٹر دیوندر سنگھ نے اپنے مختصر جواب میں کہا کہ اُس نے کچھ
مسائل کو یہاں پر اُبھارا تا کہ دوسرے ادیبوں سے فیضان حاصل کیا جائے۔
مگر اُنہوں نے ذاتی حملوں تک ہی اپنے آپ کو محدود کر رکھا ہے۔
اس نشست کی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر سیوا سنگھ نے

کہا کہ یہ سیمینار اکادمی کی سلور جوبلی کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔ اسلئے اکادمی کی کامیابیاں اور اسکی کارکردگی زیرِ بحث آئی ہے۔ اس نے جو کام کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ شری ٹینگ نے مان لیا ہے کہ مستقبل کے پروگرام سیمینار میں ہوئے بحث کی روشنی میں ترتیب دیئے جائیں گے: بحث پر غور کرنے کے بعد ہم محسوس کرتے ہیں کہ پنجابی ڈرامے پیش کرنے کے سلسلے میں ہم نے کوئی خاص کام نہیں کیا ہے۔ اور اسی طرح کلچرل پروگراموں میں پنجابی کی شمولیت اور ریسرچ اسسٹنٹ کی تقرّری بھی توجہ طلب ہے۔ اکادمی کے سرینگر سب آفس کو بھی پنجابی ادیبوں کے فائدے کے لئے اننت ناگ، سرینگر اور بارہمولہ میں کچھ پروگرام کرنے چاہئیں تاکہ مستقبل میں انہیں شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملے:

•

عربی اور فارسی زبانوں کے تئیں کلچرل اکادمی کی خدمات

(ایک مختصر تعارف)

رشید نازکی

قدرت اللہ شہاب نے ایک بار حکومت اور انتظامیہ سے ادیب کے بارے میں بڑی پتے کی بات کہی تھی کہ "ادیب آپ سے برداشت کا نہیں فہم کا طلبگار ہے"۔ ہمارے ہاں ادیب کو یہ تفہیمی جملہ کہنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، کیونکہ ادیب۔ ادب اور سماج کی اس طرح کی افہام و تفہیم کو ریاستی کلچرل اکادمی نے ایک خاموش تحریک کی صورت میں بڑی طرحداری اور نہایت سلیقے سے نہ فقط ممکن بنایا بلکہ ہر قدم اور ہر منزل پر اس افہام و تفہیم کے نئے گوشے نئے وسائل کے ساتھ دریافت کرنے اور منظرِ عام پر لانے کی سعی بلیغ کی۔ ماضی کے خزینۃ الاسرار کو کھنگالنے سے لے کر حال کے نقوش سنوارنے تک اگر ہم کلچرل اکادمی کے مختلف شعبوں کے کام کا الگ الگ جائزہ لیں تو ماننا پڑے گا کہ

اس کے ماضی کے پچیس سال پوری پچیس منزلیں ہیں جن میں ریاست بھر کی تمدنی اور ثقافتی زندگی کے کئی باب کھل کر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اس حیثیت میں سوچا جائے تو ریاست میں کلچرل اکادمی کا قیام ایک خوشگوار رنگین حادثہ ہے۔ اسلئے کہ خود اس محکمے کے آفریدگار، اُسوقت اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ پچیس سال کے دوران یہ بیج اسقدر عظیم شجرِ طیبہ کی حیثیت میں بار آور ہوگا۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے کہ کلمۃٍ طیبۃٍ کشجرۃٍ طیبۃٍ پاک کلمے کی مثال ایک میٹھے مقدس درخت کی ہے، جس کا اصل زمینوں میں اور فرع یا شاخیں آسمانوں میں ہیں۔ ہمارے تمدنی سیاق و سباق میں یہ بات ہماری کلچرل اکادمی پر صادق آتی ہے۔ ہمارا یہ تہذیب محل برگ گُل کا سفینہ لیکر چلا تھا اور اب رنگین بہاروں کے قافلوں سے ہمرکاب ہے۔ اور ہمارے تمدن کی شیرازہ بندی میں اسقدر منہمک ہے کہ یہ ادارہ اب ہماری تہذیبی زندگی کی علامت بن پایا ہے۔ اس ادارے کا سفر پچھلے دس سال میں اور بھی تیز گام ہو گیا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ دس سال کلچرل اکادمی کی تاریخ کا عہد زریں گنا یا جائیگا۔ دراصل اکادمی اپنے عمق اور وسعت کے لحاظ سے اسی مدت میں ہماری تمدنی علامت بن پائی ہے۔ موسیقی، آرٹ، ڈراما، خطاطی، لغت سازی، فرہنگ سازی، تراجم، دائرۃ المعارف کی تیاری، علمائے رجال کے جشن منانے سے لیکر اشاعتی پروگرام ادبی اداروں، ادبی کتابوں، تمدنی اور تحقیقی کاوشوں کی سب سیڑھی دینے تک ہر منزل پر اکادمی کا رول ہمارے تمدن کی شوکت اور صلابت کو جلا بخشنے میں سب سے اہم ہے۔ میرا ارادہ اکادمی کا قصیدہ لکھنے کا نہیں ہے۔ لیکن میں دشمن اور دوست ہر ایک سے

زبان ہی چھین لی تھی۔ شاید اسی لئے حبّہ خاتون سے لیکر صُبحِ آزادی تک
مادری زبان میں لکھنا پڑھنا حقارت سے معمور تہمت بن پائی تھی۔ قرآنِ
مجید کا پہلا ترجمہ تو میر واعظ خاندان سے شروع ہوا اور مولینا مولوی
یوسف شاہ صاحب مرحوم نے قرآنِ مجید کے ترجمے کی تکمیل کی۔ لیکن یہ ترجمہ
فقط ترجمے تک ہی محدود رہا۔ کلچرل اکادمی نے مولانا ابوالکلام آزاد کی
تفسیر ترجمان القرآن کا ترجمہ پروفیسر محمد عبداللہ شیدا سے کرایا۔ یہ مکمل
تفسیر تو نہیں۔ البتہ اس کا مُقدمہ مولانا آزاد علیہ الرحمۃ نے اپنے خاص اسلوب
اور اپنے عالی ظرف نکتہ نظر سے لکھا ہے۔ حضرت مولانا وحدتِ ادیان کے
قائل تھے اور مُقدمے میں اُنہوں نے اپنے اس نظرئے پر بڑی عالمانہ
بحث کی ہے۔ ترجمان القرآن میں ام الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ کی مکمل
تفسیر ہے اور باقی متن کا ترجمہ مختصر حواشی کے ساتھ میری یادداشت
کے مطابق سورۂ مومنون تک ہے۔ پروفیسر شیدا صاحب نے فقط
ام الکتاب یعنی سورہ فاتحہ کے ترجمے اور تفسیر کو کشمیری روپ دیا ہے۔ یہ
مہتم بالشان کام اس وقت طباعت واشاعت کے مراحل سے گذر رہا ہے۔
مجھے چونکہ ابھی تک اسے دیکھنے کا موقع نہیں مِلا ہے۔ اسلئے اس کی قدر سنجی
بھی ممکن نہیں[1]۔ ویسے پروفیسر شیدا صاحب کی مذہب شناسی مُسلّم ہے۔
دیکھنا یہ ہے کہ مولانا آزاد کے اردو اسلوب کو کشمیری سانچوں میں اُتارنے
کے کام میں پروفیسر شیدا کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔ اس عظیم کام
کے باوصف کشمیری زبان میں تفسیرِ قرآنِ مجید کا مسئلہ باقی رہتا
ہے اور اگر تمدّن کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، تو کلچرل اکادمی
کو اِس اہم فریضے سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔

---

[1] یہ ترجمہ اب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر "ام القرآن" کے نام سے چھپ کر آگیا ہے —— (ادارہ)

عربی زبان سے دوسرا یادگار ترجمہ الف لیلہ ARABIAN
NIGHTS کا ترجمہ ہے۔ قرآن مجید کی لاہوتی لے کے بعد انسانی تجربات
کی اِس داستان کا تذکرہ کچھ عجیب سا دکھائی دے رہا ہے۔ لیکن اس بات
کا بھی کوئی جواب نہیں کہ انسانی زندگی کے اس پُراسرار طلسم خانے میں الف لیلہ
ایک ایسا سحر انگیز جھروکہ ہے جس کے روزنوں سے جھانک کر انسانی شخصیت
اور نفسیات کے پُراسرار گوشوں پر سے پردہ سرکنے شروع ہو گئے ہیں۔ اور
اِنسان بے محابا ایک ایسی دُنیا میں کھو جاتا ہے جو ارضی اور ماورائی عالم میں
انسان کے رومانی مضمرات کا سمندر ہے۔ جہاں ایک جادوئی غالیچہ، ایک
سحر انگیز شہنائی، ایک مسمریزمی کلاہ انسان کو رومانی جزیروں کے سفر پر
خود انسانی آنکھ سے بچا کر لے جاتے ہیں۔ صدیوں سے اِس کتاب کی جادوئی
تاثیر نے اِنسانی زندگی کی دشواریوں اور چیرہ دستیوں میں انسان کو جینے کی
ہمت بخش دی ہے اور زندگی کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ اِس کتاب کو
ہر چند عربی زبان اور عربی عالموں کی کرامت سے تعبیر کیا جائے۔ لیکن
اسکی ترکیب و تحصیل میں جس طرح ایرانی، افغانی اور ہندوستانی اور
مغربی تمدن کا لہو ملتا ہے وہ ترکیب اِسے سورج کی شعاعوں کی
طرح تمام دنیائے انسانیت کی مشترکہ میراث بنا دیتی ہے۔ اِن کہانیوں
میں مشترک اِنسانی جذبات کی فتحمندی کا رزمیہ اپنی پوری گھن گرج
کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ وہاں حرف و عمال اور یاس و قنوطیت کے
ہزاروں زیریں ساز بھی بج اُٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعروں
افسانہ نویسوں اور ناول نگاروں نے اِنسانی تجربات کے اِس گلستان
کے اوراق اُڑا لئے ہیں۔ اِسکے شہرزاد اور دُنیا زاد کردار فقط ایران،

عراق یا مصر سے متعلق نہیں رہتے بلکہ اپنے جادوئی تاثیر کی وجہ سے آہستہ آہستہ ساری عالم انسانیت پر ابرِ بہاری کی طرح چھا جاتے ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے کا سہرا اگرچہ ایک عربی قصہ خوان محمد بن عبد الجشیاری کے سر ہے، جو دسویں صدی عیسوی میں گذرے ہیں لیکن مسعودی سنہ ۹۵۶ء کے کہنے کے مطابق اسکی بنیاد فارسی ہزار داستان پر ہے۔ یہ بات تسلیم کی جائے تو کہانیوں کے اس سفر کا شجرۂ نسب خود ہمارے کشمیر تک بھی پہنچتا ہے۔ کہانیوں کے اکثر کردار مثلاً نوروز، نادان اور بنیادی ہیرو یا قصہ خوان شہرزاد اور دیارزاد اس بات کے گواہ ہیں کہ اقلیم افسانہ کی پریاں مختلف دیشوں سے آکر اس جشنِ طلسم میں شامل ہوئی ہیں۔ جیسا کہ میں نے اُوپر اشارہ بھی کیا، ان کہانیوں کا اسلوب اور ان کے ماخذ بہت حد تک پنچ تنتر، شکیپ تتی اور کتھا سرت ساگر (جو کشمیری میں لکھی گئی ہیں) سے ملتے ہیں۔ خاص طور پر الف لیلیٰ کا یہ انداز کہ کہانی کے اختتام پر قصہ خوان کہنے لگتا ہے کہ یہ تو ہوئی وہی بات جو فلاں آدمی کے پیش آئی۔ اور پوچھنے والا استعجاب کے سمندر میں ڈوب کر پوچھتا ہے۔ وہ بات کیا ہے؟ تو قصہ خوان بتا دیتا ہے یہ کہانی کل سہی۔ پوچھنے کا یہ انداز کتھا سرت ساگر کے کتھم تت سے ملتا ہے جو عربی میں کیف ذالک ہوگیا ہے۔ اس دلچسپ اور دلاویز کتاب کا ترجمہ ساہتیہ اکادمی نے کشمیر کے مایہ ناز عالم اور عربی کے عظیم المرتبت استاد پروفیسر حاجنی سے کرالیا ہے۔ لیکن اس کی اشاعت کا سہرا کلچرل اکادمی کے سر ہے۔ پروفیسر حاجنی نے اصل عربی نسخے کو بُنیاد بنا کر کئی اور زبانوں کے نسخوں کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔

اِن میں انگریزی زبان میں چھپے ہوئے مختلف نسخے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً جان پین کا ترجمہ جو تیرہ[13] جلدوں پر مشتمل ہے۔ رچرڈ برٹن کا ترجمہ جو سولہ جلدوں پر پھیلا ہوا ہے۔ حاجنی صاحب نے دراصل برٹن کے ترجمے اور الف لیلہ کے ۱۹۰۴ء کے قاہرہ چھاپ کی آمیزش سے اپنا ترجمہ ترتیب دیا ہے اور یہ خداساز بات ہے کہ حاجنی صاحب عربی، انگریزی اور کشمیری زبان پر یکساں دسترس رکھتے ہیں۔ اُنکی اس صلاحیت نے ترجمے کو خاصا با محاورہ بنا دیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں کہیں حاجنی صاحب کی پارسائی جمال آفرین پُر خمار چاندنی راتوں کو بھی حرام سمجھ کر اُن کے ترجمے میں زاہدانہ حزم و احتیاط سے کام کراتی ہے۔ مشہور عربی رومانوی کردار بنتِ عم کا ترجمہ "پیٹرِ ہشرِ کور" یعنی چچا کی لڑکی۔

اکادمی نے احادیثِ نبوی کا کشمیری ترجمہ کرنے کا بندوبست بھی کیا ہے۔ یہ کام محمد عبداللہ طاری شوپیانی نے بڑی عرق ریزی سے کیا ہے۔ اور حدیث کی چھ معتبر کتابوں یعنی صحاح ستہ سے سو حدیثیں منتخب کیں اور ان کا ترجمہ با محاورہ کشمیری زبان میں کیا ہے۔ اِن احادیث میں اکثر حدیثیں روزمرہ زندگی کے معمولات کو سمجھانے اور مسلمانوں کے ضابطۂ اخلاق کو سنوارنے کیلئے نہایت اہم ہیں۔ اور جوامع الکلم کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ اہم کتاب بھی طباعت و اشاعت کے مراحل سے گذر رہی ہے[1] اسلئے اس کے بغیر اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ترجمہ ہمارے مذہبی لٹریچر میں ایک اہم اضافہ ہوگا کیونکہ حدیث پر کشمیری زبان میں اب تک بجز ایک رسالے "کاشُر مسئلہ کتاب" کے اور کوئی لٹریچر میسر نہیں۔ مسائلِ مذہبی کا یہ رسالہ حدیث سے زیادہ فقہ کے دائرے میں آتا ہے۔ اسلئے حدیث کا ترجمہ

---

[1] یہ کتاب بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہے —— (ادارہ)

اپنی الگ انفرادیت کا حامل ہے۔

مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی ساتھ فارسی زبان اپنی پوری صلابت اور جولانی کے ساتھ کشمیر میں مروّج رہی۔ حالانکہ اس دور میں ہمیں پہلی بار کشمیری زبان کے واشگاف طور پر پہنچنے کا سراغ بھی ملتا ہے۔ اور فارسی زبان ہمارے تمدن کے ہر گوشے میں بطور شریکِ غالب نظر آنے لگی چنانچہ ہمارے نعمت خوانوں سے لیکر عشرت گاہوں کی محفلِ طرب تک فارسی نے اپنے جھنڈے گاڑے۔ اور اسطرح کشمیری زبان کی نشاۃِ ثانیہ میں اپنا پورا پورا حصّہ ادا کر لیا۔ چنانچہ ہمارے منظوم کارناموں میں غزل سے لیکر مثنوی تک کشمیری زبان نے فارسی سے بہت کچھ حاصل کر لیا۔ اِس حیثیت میں دیکھا جائے تو ریاستی کلچرل اکادمی نے فارسی زبان سے بالواسطہ طور بھی اچھا استفادہ کیا ہے۔ ضیاءٔ نخشبی کی گُلریز کو کشمیر کے ایک مقبول شاعر مقبول شاہ کرالہ واری مرحوم نے کشمیری مثنوی کا روپ پہنا دیا ہے۔ مقامی کتب فروشوں نے اِس کتاب سے خوب دولت کمائی لیکن تزئین و آرائش اور صحتِ کلام کے بارے میں اُن کا نقطۂ نظر بہرحال تاجرانہ تھا۔ کلچرل اکادمی نے اِس ہمہ رنگ وہمہ نغمہ مثنوی کی ترتیب و تدوین کا کام کشمیر کے دیدہ ور محقق اور نقاد محمد یوسف ٹینگ صاحب کو سونپا۔ آپ نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ضیاءٔ نخشبی کی گلریز اور مقبول شاہ کی مثنوی کا تقابلی مطالعہ کیا۔ اور مقبول شاہ کی ADOPTATION کو کشمیر کی پُربہار فضاؤں کے تناظر میں دیکھ کر دونوں کے فرق و امتزاج پر ایک ناقدانہ مُقدمہ لکھا۔ جسمیں ضیاءٔ اور مقبول کے آہنگ کو نظر میں رکھ کر دونوں شاعروں کے فلسفۂ جمالیات پر سیر حاصل بحث

ہوئی ہے۔ اور قصّے کے انتہائی اہم گوشوں کو پے کر دونوں کے ذہنی مناظر کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے کہ یہ ایرانی قصّہ جس کے کردار نوش لب، مست ناز، ناز مست اور عجیب ملک ہیں، پرانی داستان ہونے کے باوصف مقبول شاہ کی سحر انگیز زبان کے طفیل کشمیری مزاج کے اسقدر نزدیک ہیں کہ یہ کردار ہمیں خود اپنے ہی کشمیر کے جانے پوچھے عزیز کردار نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کے وصل و فراق کے مناظر کی تزئین و آرائش ملک کے ایک نامور مصوّر اور خاک دامنگیر کشمیر کے ایک ممتاز فرزند غلام رسول سنتوش نے کی ہے۔ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ بک گئی تھی۔ اور اب اس کے نسخوں کو دیکھنے کے لئے بقول میر انکھیاں ترستیاں تھیں۔ لیکن شکر ہے کہ کلچرل اکادمی نے ادبی حلقوں کے بے پناہ اصرار پر اس کتاب کو دوبارہ شائع کیا ہے۔ لیکن اس بار کتاب کی شیرازہ بندی اور جلد سازی میں پہلا سا اہتمام نہیں برتا گیا ہے۔

جناب ٹینگ صاحب نے ہی کشمیر کی واحد لوک کہانی ناگرائے ہی مال کے کشمیری اور فارسی ایڈیشنوں کو ترتیب دیا ہے۔ کشمیری ایڈیشن کے بارے میں مجھے اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں کہ اسے کشمیر کے دور متوسطین کے سرخیل شعرا میں سے ایک اہم شاعر ولی اللہ متو نے نظم کیا ہے۔ اور فارسی مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ یہاں یہ کہنا دور از کار نہیں کہ کشمیری زبان کے سکوت کا پُر آشوب عالم دیدنی ہے کہ ایک مقامی اسطور بھی پہلی بار ہمارے روبرو فارسی ہی کی قبائے چُست میں پیش ہوتا ہے۔ اسے اگر ایک طرف ایرانِ صغیر کی کرامت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تو دوسری طرف خود ہی مادری زبان کی کس مپُرسی کا عالم بھی ہماری آنکھوں میں

بھرنے لگتا ہے۔ بہر کیف ـــــ ٹینگ صاحب نے اِس قصّے کے فارسی نقوش کا کھوج بڑی عرق ریزی سے لگایا اور اُس کے تین مثنوں اور اور اُن کے تخلیق کاروں کے بارے میں پوری واقفیت بہم پہنچائی۔ یہ تین شعراؑ ملا اشرف ویری، صدرالدین وفائیؔ اور بابا اسرار قادری ہیں۔ فارسی ادبیات کشمیر میں یہ تینوں شعراء گمنام ہونے کے باوصف شاعرانہ رنگ و آب کی حیثیت میں دُرِّ یتیم کا درجہ رکھتے ہیں۔ کہیں کسی مؤرخ نے سرسری طور پر ایک آدھ شاعر کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن جناب ٹینگ صاحب نے تینوں شعراؑ کی حیات اور اُن کے کارناموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ اِس حیثیت میں اِن تینوں گُمنام شاعروں کی دریافت کا سہرا جناب ٹینگ ہی کے سر ہے۔ ویری صاحب کا مسودہ جناب ٹینگ کو کہیں نہیں مِل سکا ہے۔ لیکن مفتی صدرالدین وفائیؔ اور اسرار شاہ قادری کے نسخے ٹینگ صاحب نے ایک ناقدانہ تبصرے کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ اور اپنے مُقدّمے میں ناگ قوم، ناگ اسطور اور خود ناگراج یا ناگرائے کے متعلق ایسی تاریخی شہادتیں بہم کیں ہیں کہ مُقدّمہ ایک تاریخی، تنقیدی اور تحقیقی دستاویز میں بنکر رہ گیا ہے۔ تاریخ اور اسطور کی اِس باہمی قربت اور آمیزش کا ٹینگ صاحب سے زیادہ کوئی رمز شناس نہیں۔ یہ دونوں مثنویاں کشمیر کی فارسی مثنویوں کی تاریخ میں اہم اضافہ ہیں لیکن ٹینگ صاحب کا یہ قول محلِ نظر ہے کشمیر کے فارسی مثنوی نگاروں میں صدرالدین وفائیؔ کے درجے کا کوئی دوسرا شاعر نہیں۔ اِن مثنویوں میں کہیں کہیں کتابت کی نارسائی کھٹکتی ہے۔ لیکن انہیں کاتب کی کرم فرمائی پر معمول کیا جا سکتا ہے۔ درآنحالیکہ ہمارے کاتبوں کی جوان نسل فارسی سے بے بہرہ ہے۔

اُن کی بھی گلو خلاصی ہو جاتی ہے۔ اصل میں ایسی کتابوں کے لئے علم دوست کاتبوں کا انتخاب لازمی ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ؎

ابھی کچھ لوگ ہیں دُنیا میں باقی۔

کشمیری زبان و ادب کے ایک اور نیاز مند محقق جناب ناجی مُنوّر نے محمود گامی کا کلیات ترتیب دیتے ہوئے محمود کی کئی مثنویوں کو بھی کلیات میں شامل کیا ہے۔ یوسف زلیخا کا قصّہ احسن القصص ہے۔ جسے خود الہام کی زبان نے قرآن میں جگہ دی ہے۔ فارسی میں مُلّا عبدالرحمان جامی نے اسے مثنوی کا روپ دیا۔ محمود گامی نے اسی مثنوی کو نظر میں رکھ کر اسے کشمیری زبان کا جامہ پہنا دیا۔ اس دلگداز مثنوی کے علاوہ نظامی کی شیرین خسرو اور لیلیٰ مجنون، فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیاء اور منطق الطیّر سے منصور نامہ اور شیخ صنعاں، الف لیلہ سے، قصّۂ ہارون رشید متفرقات سے قصّہ محمود غزنوی اور معراج نامہ اسی قاموسی شاعر نے نظم کئے ہیں۔ اور کلچرل اکادمی نے ناجی صاحب کا ترتیب دیا ہوا کلیات محمود گامی چھاپ کر بیک وقت کشمیری زبان کو ان تمام شہپاروں سے متعارف کیا ہے۔

امیر شاہ کریری مرحوم کشمیری زبان کے مثنوی نگاروں میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے کشمیری زبان میں سام نامہ لکھ دیا ہے جو ایران کے اسطوری پہلوان سام، نریمان اور گلدخت کے فسانۂ محبت کی داستان ہے۔ یہ مثنوی رزمیہ اور بزمیہ شاعری کی آمیزش کا بہترین نمونہ ہے۔ اور اسکی روانی قابلِ داد ہے۔ فارسی میں یہ قصّہ فردوسی کے علاوہ خواجو کرمانی اور عسجدی نے بھی لکھا ہے۔ لیکن امیر شاہ فقط کہانی کی حد تک ان کا پابند ہے۔ کشمیر کے ایک نوجوان

شاعر منظور ہاشمی نے کلچرل اکادمی کی فرمائش پر اسے ترتیب دیا ہے۔
اور کلچرل اکادمی نے ہی اسے شائع کیا۔ اس سے پہلے آنجہانی لکھمن جو
بلبل ناگامی نے اسی کہانی کو نظم کا جامہ پہنایا تھا۔ اور جناب غلام نبی خیال
نے اسے ترتیب دیکر کلچرل اکادمی کے اہتمام سے شایع کرایا تھا۔

آجکل کلچرل اکادمی کے ہی اہتمام سے فردوسی کے شاہنامے کا کشمیری
ترجمہ جسے فردوسیٔ کشمیر عبد الوہاب پرے حاجنی (مرحوم) نے ترتیب دیا ہے،
مکمل کیا جا رہا ہے۔ یہ کام جناب پروفیسر حاجنی کی نگرانی میں حلقۂ ادب
حاجن کے اراکین کر رہے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ یہ عظیم بالشان شاہکار
بہت جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے گا۔ وہاب پرے کے بارے
میں، میں نے سُنا ہے کہ تاشقند کے عجائب گھر میں فردوسی کی شبیہ کے
شانہ بشانہ وہاب پرے کی تصویر لٹک رہی ہے۔ اور اس کے نیچے
فردوسیٔ کشمیر لکھا ہوا ہے۔ یہ بات وہاب کے مرتبہ کو پہچاننے کیلئے کافی ہے۔

اب تک میں نے اُن کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں کلچرل اکادمی
نے بالواسطہ طور پر فارسی اور کشمیری کے قلمزموں کو ملانے کی کوشش کی
ہے۔ اب ایسی تصانیف کا تذکرہ ہوگا جہاں بلاواسطہ طور پر یہ کام کیا
گیا ہے۔ میں ایسے کاموں کے منظوم حصے کا اول اور نثری کارناموں کا
بعد میں تذکرہ کرونگا۔

مُلّا محسن فانی کشمیر کے فارسی شعراء میں ایک امتیازی خصوصیت
رکھتے ہیں۔ وہ سبک ہندی کے نمائندہ شاعروں میں گردانے جاتے
ہیں۔ فانی حضرت شیخ یعقوب صرفی کے شاگردوں میں شامل تھے۔
اور اس حیثیت میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے ہم عنان۔

فانیؔ کے شاگردوں میں مُلّا طاہر غنی اور حاجی محمد اسلم سالمؔ جیسے نغز گو شاعر پل بڑھ کر جوان ہوئے تھے۔ فانی کی زندگی کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ وہ وجود وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اور شہزادہ دارا شکوہ سے انھیں یک گونہ اخلاص تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دبستان مذاہب فانی نے دارا شکوہ سے تعلق اور وحدت الوجودی نکتہ نظر ہی کے زیرِ اثر لکھی تھی۔ لیکن کچھ محققین اِس کتاب کو فانی سے منسوب ہونے تک سے انکار کرتے ہیں۔ بہر حال کلچرل اکادمی نے ڈاکٹر امیر حسن عابدی سے فانی کی مثنویات ترتیب دلائی ہیں۔ اِس شیرازہ بندی میں چار مثنویاں، مثنوی ناز و نیاز، مثنوی میخانہ، مثنوی مصدر الآثار، اور مثنوی ہفت اختر شامل ہیں۔ ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے مُقدّمے کے طور پر فانیؔ کی حیات اور شاعری پر ایک مبسوط محقّقانہ مقالہ لکھ دیا ہے۔ اور کوئی پچاس ماخذ سے اِستفادہ کر کے اپنی تقریظ کو اعتبار کی سند عطا کی ہے۔ اُنہوں نے مثنویات فانی کے تقابل کی خاطر پانچ معتبر نسخوں کو یکجا کر دیا ہے۔ اور ترتیب و تدوین کی خاطر رضا لائبریری رام پور، کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن، انڈیا آفس لائبریری لندن اور مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے اِستفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۹۶۴ء میں کلچرل اکادمی کے اہتمام سے شایع ہوئی ہے۔

کشمیر کے مشہورِ عالم فارسی شاعر غنی کاشمیری سبک ہندی کے رہنما شاعروں میں شُمار ہوتے ہیں۔ صنعت ایہام اور دلیل و دعوا میں فارسی شاعری ان کا کوئی ہمسر پیدا نہیں کر سکی ہے۔ اپنی حیات ہی کے دوران اُن کی شاعری کی پرواز اِسقدر اونچی تھی کہ معاندین ایرانی

شعرا بھی اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مرزا صائب، ظفر خان احسن، ابو طالب کلیم، محمد جان قدسی سبھی سر برآوردہ شعرا غنی کی رفاقت اور اُس کی ہمنوائی پر تفاخر کرتے تھے۔ 'کرالین' کی دریافت کے لئے صائب کا کشمیر آنا افسانہ سہی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ صائب کے کشمیر سے ایران جانے کے بعد صائب کشمیر سے ہر آنے والے سے بے تابی کے ساتھ پوچھتے کہ کشمیر سے میرے لئے کیا ارمغان لائے ہو۔ اُس کی مُراد غنی کی کوئی تازہ غزل کوئی تازہ شعر ہی ہوا کرتا تھا۔ غنی کے دیوان کی تدوین کا پتہ ہمیں غنی کے سالِ وفات یعنی ۱۰۷۹ھ میں ہی لگتا ہے۔ جسے غنی کے شاگرد مسلم نے مُدوّن کیا تھا۔ اسکے بعد غنی کے کلام کے بے شُمار مخطوطے اور ایڈیشن معرضِ وجود میں آئے۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں کشمیر کے ایک سخن فہم اور سخن سنج محمد امین داراب مرحوم نے بڑی کد و کاوش کے ساتھ دیوان غنی کے بیس مخطوطے، چار بیاضیں اور چار اشاعتی ایڈیشن نظر میں رکھ کر اس عروۃ الوثقیٰ کی نئے سرے سے ترتیب و تدوین کی۔ یہ کام انہیں کلچرل اکادمی کی طرف سے سونپا گیا تھا۔ اور انہیں اس سلسلے میں ہندوستان کے کئی علمی اداروں کے چکر کاٹنا پڑے۔ تصحیح و حواشی کا کام سید علی جواد زیدی نے کیا جو اُسوقت ڈائرکٹر انفارمیشن گورنمنٹ آف انڈیا کی حیثیت میں کشمیر میں کام کر رہے تھے۔ اور اکادمی کے سکریٹری انچارج کے طور پر بھی فرائض انجام دے رہے تھے۔ زیدی صاحب نے اِس کتاب پر عالمانہ دیباچہ لکھا ہے۔ اور غنی کے سوانحی حالات اور اُنکے کلام کی نزاکتوں پر کُھل کر بحث کی ہے۔ لیکن داراب صاحب کی طرف سے کوئی مقدمہ وغیرہ نہیں چھپا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو سکتا

کہ انہیں اس تالیف کو مکمل کرنے میں کیا ہفتخوان طے کرنا پڑے۔
اور کن مراحل سے گذرنا پڑا۔ درآنحالیکہ داراب صاحب خود بھی بہت
اچھے فارسی گو شاعر تھے، غنی کے بارے میں اُن کی رائے، اُنکا خیال
زیدی صاحب کے مقابلے میں زیادہ صحیح بھی ہوتا اور مستند بھی، یہ
تشنگی بہت بُری طرح سے کھٹک رہی ہے۔

غنی کے سوانحی حالات اور انکے فن اور فکر پر ایک اور مہتم بالشان
کام ڈاکٹر ریاض احمد شیرانی نے کیا ہے۔ اُنہوں نے فارسی زبان میں
یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ جو دراصل طہران یونیورسٹی میں اُن کے پی ایچ
ڈی کا مقالہ تھا۔ شیرانی صاحب نے غنی کے سوانحی حالات کے علاوہ اُنکے
فن اور فکر پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ اور غنی کے ماحول، معاندین، اُنکی
نجی زندگی کے حالات اور انکے عہد کے ماحول کے بارے میں کئی دلچسپ
پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ اس کتاب کو ہندوستان میں افغانستان
کے اُس وقت کے سفیر کبیر کے توسل سے ریاستی کلچرل اکادمی کی طرف
سے آفسیٹ پر شائع کیا گیا۔ ٹینگ صاحب نے بحیثیت ڈپٹی
سکریٹری فارسی زبان میں ہی اسکا عرضِ ناشر لکھدیا ہے۔

ابھی تک میں اکادمی کے CONTRIBUTION کی بات کر رہا تھا
جو شعری کارناموں کی حیثیت میں ہمارے سامنے یا تو اپنی اصل صورت
میں آئے ہیں یا پھر بالواسطہ یا بلاواسطہ ترجموں کے روپ میں
ہمارے ادب میں شامل ہوئے ہیں۔ اور اب کشمیری ادب کی حیثیت
میں معروف و مشہور ہیں۔ نثری ادب میں فارسی ادب سے چند
شہکار کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں۔ ان میں، زین العابدین رہنما کی بین الاقوامی

شہکار کتاب پیامبر سرِ فہرست ہے۔ زین العابدین رہنما فارسی نثر میں ایک الگ آہنگ اور روش کے موجد ہیں۔ پیامبر حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی ایمائی اور ڈرامائی تصویر ہے جو سیلانِ شعور کی رو میں کچھ اسطرح سے لکھی گئی ہے کہ قدم قدم پر نبی ﷺ کے سانسوں تک کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اور آج سے چودہ سو سال قبل کا معاشرہ ہماری زبان میں نہ فقط عملاً پھرنے لگتا ہے بلکہ ہم تو عملاً اُسی قرنِ خیر میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ کشمیری زبان اس حیثیت میں بیدار بخت ہے کہ دوسری زبانوں کے ادب میں جہاں یہ اہم ترین کتاب پوری متعارف نہیں، وہاں کشمیر کے ایک دلنواز فرزند ڈاکٹر شمس الدین احمد صاحب نے اسکا کشمیری ترجمہ آج سے پورے تیرہ سال قبل کلچرل اکادمی کے ایماء پر ہماری زبان کو ارمغان کے طور پر دیا۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے پروفیسر اور سربراہ ہیں۔ فارسی زبان کی مزاج شناسی اور نقد ادبی میں اُن کا اپنا مقام ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ اُنہیں اپنی مادری زبان کشمیری کے ساتھ بھی والہانہ عشق ہے۔ ڈاکٹر شمس جن دنوں طہران میں مقیم تھے اُنکی ایک شناسا خاتون نے اُنہیں پیامبر کتاب یہ کہکر تحفے میں دی تھی، کہ ایران کا کوئی گھر نہیں جہاں یہ کتاب موجود نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ تحفہ خود اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس گلستانِ حیات کو کشمیری رنگ وآب دیکر اسکی نکہت باریوں کو ساری کشمیری قوم کیلئے وقف کر دیا۔ اس عظیم کام کیلئے جہاں ڈاکٹر صاحب مبارکبادی کے مستحق ہیں، وہاں کلچرل اکادمی

بھی شکریہ اور سپاس گذاری کی مستوجب ہے کہ اِس نے ہر مرحلے پر ڈاکٹر صاحب کو اِس کام میں اپنا اشتراک پیش رکھا۔ اسکی اشاعت اور طباعت کا کام شایانِ شان طور پر کیا اور ڈاکٹر شمس الدین احمد کو اِس بات پر راضی کر لیا کہ وہ یہ کتاب طباعت و اشاعت کیلئے کلچرل اکادمی کی تحویل میں دیدیں۔ میرا خیال ہے، کہ اگر ڈاکٹر صاحب کو طباعت و اشاعت کا کام بھی خود کرنا پڑتا تو شاید وہ کسی بھی منزل پر اوب جاتے اور اتنا بڑا کام نہ معلوم کتنی دیر معرضِ اخفا میں رہتا۔ ترجمے کے بارے میں فقط اسقدر عرض کرنا چاہونگا کہ ڈاکٹر صاحب فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ترجمے میں وہ COMMITMENT نباہ لی ہے جس کی توقع ایک عاشقِ رسولؐ سے ہو سکتی ہے۔ اُنھوں نے بڑی دردمندی سے اِس کتاب کا ترجمہ ایک نو سفر زبان میں کیا ہے اور لفظ و معنی میں اِس بات کا خیال رکھا ہے کہ زین العابدین کا ترجمہ کشمیری سانچوں میں اِس طرح ڈھل جائے کہ اصل کتاب کا لطف قائم رہے۔ ترجمہ بہر حال مُشکل فن ہے۔ خاص طور پر ایسے نثری شاعری کے کارنامے کا، لیکن ڈاکٹر صاحب اپنی اِس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اور تینوں جلدوں کی طباعت اور اشاعت، جلد بندی اور شیرازہ بندی اکادمی کی نفاست مندی کی غماز ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اِس شہکار کام کے علاوہ حاجی بابا اصفہانی کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایک دلچسپ سفرنامہ ہے۔ جسے ناول کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب اُس عصر کے ایرانی معاشرے کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔ طنز و ظرافت اِس ناول نما سفرنامے کی موجِ زیریں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے

تاریخی دلائیل سے ثابت کیا ہے، کہ یہ کتاب جیمز جسٹنن موریر نے لکھی ہے۔
اور ایرانی قوم کے غصّے سے بچنے کے لیۓ ایرانیوں میں سے ہی ایک فرضی نام
حاجی بابا کو کتاب کا اصل مصنف قرار دیا ہے۔ لیکن ایرانی مذاق اور مزاج
کی نزاکتوں اور ایرانی قوم کی نفسیات کو جس طرح اِس کتاب میں پیش کیا گیا
ہے اُس سے شک ہونے لگتا ہے کہ ایک انگریز، جو ایک مختصر سی مدّت
کے لیۓ ایران کے طبقۂ اُمرا سے منتعلق رہتا ہے، کس طرح پوری ایرانی قوم
اُن کی اجتماعی نفسیات، اُن کے اساطیر اور نچلے طبقوں کے مزاج سے
اسقدر واقف ہو گیا ہے کہ وہ ایرانی قوم شخصیت کے مزاج کی کُنہ تک
پہنچ گیا ہے۔ یہ بحث ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کسی اور وقت اُٹھائی
جا سکتی ہے لیکن مجھے جو کچھ یہاں عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب
نے بڑی مہارت سے ترجمے میں اصل مزاج کو قائم رکھا ہے۔ اور اسکا
ترجمہ یا محاورہ کشمیری میں ہو پایا ہے۔ طنز کی چاشنی کو بھی ترجمے کی
موجِ زیریں کے طور پر قائم رکھا گیا ہے جو نہایت مُشکل امر ہے۔ اِس
کتاب کا ترجمہ بھی ڈاکٹر صاحب سے کلچرل اکادمی نے کرایا۔ سنہ ۱۹۷۶ء
میں اپنے اہتمام سے اِسے نہایت سلیقے سے شایٔع کیا ہے۔

کلچرل اکادمی نے ڈاکٹر صاحب ہی سے ایک اور اہم اور عظیم کتاب
رامائن کا کشمیری ترجمہ بھی کرایا ہے۔ یہ کتاب امرداس الہ آبادی کی
تصنیف ہے۔ اور کسی رامائن کا بالراست ترجمہ نہیں۔ بلکہ مصنّف
کی طبعزاد انداز نگارش ہے۔ جو پیامبر ہی کی طرح STREAM
OF CONSCIOUSNESS میں لکھا گیا ہے۔ نثری ناول ہے۔
امرداس کا اصل نام امر سنگھ تھا۔ اور یہ شخص اورنگ زیب عالمگیر

کے عہد میں زندہ تھا۔ اس نے اِس ناول کے مُقدّمے میں اورنگ زیب
کی بڑی تعریف کی ہے اور جا بجا اشارے کئے ہیں کہ شہنشاہ اُسکی
تصنیف سے آگاہ ہے۔ اس نے اپنی تصنیف میں ہنومان ناٹک، والمیکی
کی رامائن، تلسی داس کی رامائن، بھگت مالا، بھگوت گیتا اور مہابھارت
سے استفادہ کیا ہے۔ اور ہر قصّے کو اپنے نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔
اور مختلف روایات اور اُن کے اسناد کا تنقیدی تجزیہ کیا ہے۔ اِس
حیثیت میں اِس کتاب کا درجہ رامائن کے بارے میں دائرۃ المعارف
کا سا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اِس
کتاب کا ترجمہ چار سال میں کیا ہے۔ اِس کتاب کی اہمیّت کا اندازہ اِس
بات سے ہو سکتا ہے کہ اِسے بنیاد فرہنگ ایران نے نو جلدوں میں شائع
کیا ہے جو سو صفحوں سے زیادہ ٹائیپ پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب
کا ترجمہ اسوفت اکادمی کے اہتمام سے طباعت و اشاعت کے مراحل
سے گذر رہا ہے۔ اِسلئے ترجمے پر اپنی رائے کا اظہار کرنا قبل از وقت ہوگا۔
ڈاکٹر صاحب مہابھارت کا کشمیری ترجمہ کرنے کا بھی خیال رکھتے
ہیں۔ اُنہوں نے اپنی ایک نجی گفتگو میں مجھے بتایا کہ مہابھارت کا
اوّلین ترجمہ سُلطان بڈشاہ کے عہد میں مُلّا احمد نے کشمیری میں
کیا تھا جو انقلابِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ میں اِس روایت کو برقرار
رکھ کر اپنی قومی روحِ اجتماعی کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔

کلیلہ و دمنہ عالمگیر سطح پر کہانیوں کی مشہور ترین کتاب ہے۔
اِن کہانیوں کی ابتداً خود ہمارے کشمیر سے ہوتی ہے۔ اِس دریائے
دانش میں جا تکا کہانیوں سے لے کر ہندوستان، افغانستان، ایران،

اور عراق کی مختلف کہانیوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اسکی عجب پسندی کی یہ
دلیل ہے کہ خود کشمیر میں اس کے کئی VERSIONS لکھے گئے ہیں۔ جنمیں گُناڈے
کی پروہت کتھا سے لے کر سوم دیو کی کتھا سرت ساگر، کھیمندر کی پرہت
کتھا منجری تک سب کچھ شامل ہیں اقبال کے دنوں میں کئی ممالک کے
بادشاہ اور ایوانِ صدر ان کہانیوں کو اور زیادہ دلچسپ انداز میں اپنی زبان،
اپنے تمدّن، اپنے مزاج اور ماحول کے مطابق لکھانے کی کوششوں میں
مصروف رہے ہیں۔ نوشیروان عادل کے ایک درباری برزویہ نے اِسے
ہندوستان سے تبرکاً اپنے ساتھ ایران لایا۔ اور اِس کے بعد اِس کے کئی
VERSIONS فارسی میں لکھے اور لکھائے گئے۔ ابن مقفع نے اسے اوّل بار
کلیلہ دمنہ کے نام سے ۷۵۰ عیسوی کے قریب عربی زبان میں لکھ دیا۔ یہ
دو خلیفہ منصور عباسی کا تھا۔ اِسکے بعد اِسکا سفر عربی سے فارسی کی
طرف شروع ہوا۔ اور رودکی نے نصر بن احمد سامانی کے عہد میں
اسے منظوم فارسی میں تصنیف کیا۔ یہاں سے افسانہ ہائے عجائب کا
یہ دفتر افغانستان پہنچا۔ اور ابو المعالی نصر اللہ منشی نے اسے فارسی
میں دوبارہ لکھ دیا۔ یہیں ہرات میں مُلّا واعظ کاشفی نے اسے "انوار
سہیلی" کے نام سے ترمیم و اضافے کے ساتھ مدون کیا۔ ہرات سے
یہ کہانی اپنے وطن ہندوستان لوٹ آئی اور ابو الفضل نے عہدِ اکبری
میں عیارِ دانش کے نام سے دوبارہ لکھا۔ ہر دور اور ہر سماج نے اِن
کہانیوں میں اپنے ماحول کے مطابق اپنی طرف سے کُچھ اضافے کیے۔
اگر کوئی صاحب اسطور اور تاریخ کے باہمی تعلق سے واقف ہو تو
اُسے اِن کہانیوں میں بغداد کے شبستانوں کی خوشبو سے لے کر

افغانستان کی صلابتوں اور ہندوستان کی سحر انگیز فضاؤں تک تاریخ اور
عمرانیات سماوی فسانے ملیں گے۔ کلچرل اکادمی نے صحیح طور پر اس بات کو
محسوس کیا کہ سے مطلع این اختران کشمیر ماست اور کشمیر کے معروف ادیب
ڈاکٹر مرغوب بانہالی سے ان کا کشمیری ترجمہ کرایا۔ مرغوب صاحب نے
بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس کام کو نبھالیا۔ اور مقدمہ کے
طور پر ان کہانیوں کے اصل و نسل کے تاریخی تناظر کو پیش کیا ہے۔
اور آبحیوان کے اس چشمے کو تاریخ کے مختلف ادوار سے گذار کر عہد
حاضر تک پہنچا دیا ہے۔
شیخ العالم ششش صد سالہ تقریبات کے دوران کلچرل اکادمی نے
چاہا تھا کہ فارسی کے تمام ریشی ناموں کو ایڈٹ کر کے شائع کیا جائے۔
لیکن آرزو کا سلسلہ لاانتہا فرصت قلیل، اکادمی کے اس ارادے کے
نتیجے میں فقط ایک ریشی نامہ، ریشی نامہ مُلّا بہاءُالدین متو کو جناب
مسعود ساموں، اور پروفیسر اسداللہ وانی نے ترتیب دیا۔ اور کلچرل
اکادمی نے اسے بڑی نفاست سے شائع کیا ہے۔ مولفین کی تقریظ
جگہ جگہ برمحل نظر ہے۔ اور حد یہ ہے کہ اُنھوں نے مُلّا بہاءُالدین متو کو
نہ شاعر مانا ہے اور نہ ہی مورخ، حالانکہ بہاءُالدین متو تاریخ کو شعر کا
جامہ پہنانے میں کشمیر کے فارسی شاعروں میں لاثانی ہیں اور انہوں نے
اس تاریخی شہکار میں شعر اور تاریخ کی منطق کو کچھ اس طرح آمیز
کیا ہے کہ تاریخی واقعات شاعرانہ شہکار بھی بن پائے ہیں۔ لیکن
مولفین کی اُچٹتی نظر نے اسے محسوس نہیں کیا ہے۔ میں اس پر بحث
کروں تو شاید مقالہ گراں بار ہوگا، لیکن اتنا کہنا ضروری جانتا ہوں

ہزاروں چیزیں موجود تھیں۔ اگر اس نمائش کو ایک عجائب گھر کی صورت میں محفوظ کیا جا سکتا تو کشمیر میں اسلامی دور کے تمام اجزائے ترکیبی منضبط طور پر ایک جگہ جمع ہوتے اور اس دور کے تمام پہلوؤں کی صحیح نمائندگی کا حق ادا ہوتا۔ یہاں یہ بات عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اربابِ اقتدار نے کشمیر میں تہذیب محل کی تعمیر میں جو تجاہلِ عارفانہ برت لیا ہے وہ افسوس ناک ہے۔ لیکن ہم بتانا چاہیں گے کہ ایمپوریم گارڈنز میں تہذیب محل کی تعمیر بابائے کشمیر جناب شیخ محمد عبداللہ کی آخری خواہش تھی۔ اور اگر ہمارے اربابِ اقتدار اُن کی اس آخری خواہش کا احترام کرنا چاہتے ہیں تو اس معاملے کو لال فیتے سے آزاد کر کے فوراً عملی صورت دی جانی چاہیئے۔ ہم جناب ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے عرض کرنا چاہیں گے کہ تہذیب محل کی تعمیر کشمیر کے تمدن کے تحفظ کی فوری ضرورت ہے۔ اور اس کی تعمیر پر شاید دو پُلوں کی تعمیر کی لاگت سے زیادہ صرفہ نہیں ہوگا۔ لیکن اس کی تعمیر سے وہ تمام اہم ترین شہکار یکجا جمع ہو سکتے ہیں جو اس وقت عمارتوں کے صحنوں، گوداموں اور برآمدوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ ان میں سے اکادمی کا نگار خانہ وہ دولتِ بیدار ہے جس کے لئے ہماری اکادمی سارے ملک میں مشہور ہے۔ اگر تہذیب محل کی تعمیر مکمل ہو جاتی تو عجائب گھر، لائبریری، نگار خانہ اور دوسری اہم امکانی ضرورتوں کے لئے اکادمی کو کسی کا دریوزہ گر نہ ہونا پڑتا۔ میرا خیال ہے کہ جناب سکریٹری صاحب اس وقت ہمیں بتائیں گے کہ اس سلسلے میں کونسے معاملات مزاحم ہیں۔ اور اُنھوں نے اس کی تعمیر کے لئے اب تک کیا کیا ہے۔

اسی طور پر عربی فارسی کی اسقدر اہم ترین تصانیف کو شائع کرنے کے ساتھ ساتھ کلچرل اکادمی نے فارسی کتابوں کی اشاعت کیلئے قلم کاروں اور ترتیب کاروں کی مالی معاونت میں بھی کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ اس ضمن میں حبیب اللہ کاملی مرحوم کو دیوان صرفی کی تدوین کے لئے، گردھاری لال تکو کو دیوانِ محسن فانی کے لئے، اسداللہ ریشی کو ریشی نامہ لامیہ کی اشاعت کے لئے، غلام نبی خیال کو رباعیاتِ عمر خیام کے ترجمے کے لیے، حبیب اللہ کاملی کو بحرالعرفان کی اشاعت کے لیے، گردھاری لال تکو کو پارسی سرایانِ کشمیر کی تدوین کیلئے، عبدالقادر سروری مرحوم کو کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ کیلئے، شمس الدین غمگین صاحب کو اپنا کلام 'چشمۂ شیرین' چھاپنے کیلئے اور ڈاکٹر کاشی ناتھ پنڈتا کو حافظ کی شاعری کی اشاعت کے جزوی اخراجات کے طور پر اکادمی کی طرف سے ایک خطیر رقم دیدی گئی اور یہ سب کتابیں اکادمی کی مالی معاونت سے ہی شائع ہوسکیں۔

اکادمی کا ذخیرۂ مخطوطات عربی اور فارسی کا عظیم سرمایہ ہے جسکی جلد سازی، شیرازہ بندی اور تحفظ و بقا کے لئے کیمیائی ادویات کی فراہمی پر اکادمی نے اب تک چالیس ہزار روپے صرف کئے ہیں۔ مخطوطات کی موجودہ تعداد پانچ سو سے کچھ زیادہ ہے۔ ان مخطوطات میں سلطان قلی قطب شاہ کے کتب خانے سے اوراق کلام اللہ، زعفران سے لکھا ہوا قرآن مجید اور آبِ زر سے تحریر شدہ ایک کلام اللہ جو ۱۰۰۳ھ میں لکھا گیا ہے، شامل ہیں۔ اسکے علاوہ دیوانِ عبدالوہاب شائق کا قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ خطِ ناخن میں لکھا ہوا ایک مخطوطہ کسی غلام مصطفےٰ ابن محمد رمضان سیالکوٹی کا خطاطی کا بہترین شہکار جو ۱۲۸۰ھ کا تحریر کردہ ہے۔

حضرت بابا داؤد خاکی کا قصیدہ لامیہ اور خود اُن کی قلم سے لکھا ہوا قصیدہ غسلیہ نوادرات میں شامل ہیں۔ یہاں پر عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ قصیدہ حضرت بابا داؤد خاکیؒ نے کشمیر کے آخری خود مختار تاجدار یوسف شاہ چک کی بحالیٔ صحت پر لکھا تھا۔ اور اِس دلنواز بادشاہ کی انصاف پسندی اور عدل پروری کی بڑی تعریف کی تھی۔ حضرتِ شیخ حمزہ مخدوم کے بھائی بابا علی رینہ کی تصنیف تذکرۃ العارفین خود اُن کے ہی دستخط سے نوادرات کے اِس خزینے کا ایک اور دُرِ یکتا ہے۔ حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کی مدح میں کشمیر میں کئی ریشی نامے لکھے گئے ہیں جو اُن کی حیات اور کارناموں کے علاوہ اُس وقت کے اور سماج کے بھی آئینہ دار ہیں۔ ایسے تذکرہ نویسوں میں بابا نصیب الدین غازی، بابا داؤد مشکواتی، میر عبداللہ، بابا کمال اور بابا خلیل سب سے زیادہ معتبر، مستند اور شہرت مند ہیں۔ کلچرل اکادمی کے اِس خزینۃ الاسرار میں میر عبداللہ، بابا نصیب الدین غازی، اور بابا خلیل کے تذکروں کے قلمی نسخے موجود ہیں جو یا تو خود اُن مصنفوں کے خط میں موجود ہیں یا پھر قریب العصر خطاطوں نے لکھ دئے ہیں۔ وردالمریدین کی شرح بابا داؤد خاکی نے خود دستورالسالکین کے نام سے لکھی ہے۔ اور اکادمی کے مخزن میں اسکا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ محمود شبستری فارسی زبان کے مشہور صوفی شاعر ہیں۔ اُنھوں نے متصوفانہ خیالات پر مبنی ایک مثنوی گُلشنِ راز کے نام سے تصنیف کی ہے۔ خود رضازادہ شفق کے بیان کے مطابق ۷۱۰ھ میں شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے سوالات کے

جواب میں لکھی گئی ہے۔ اِس مثنوی کا اثر اقبال نے اِسقدر قبول کیا ہے کہ اُنہوں نے اِس کے تتبّع میں گلشنِ رازِ جدید لکھ دیا ہے کلچرل اکادمی کے مخطوطات میں گلشنِ راز کا جو قلمی نسخہ موجود ہے اُس پر ۷۱۰ھ کی تاریخ درج ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ خود محمود شبستری کی حیات میں یہ نسخہ لکھا گیا ہے۔ کیونکہ محمود شبستری کا سالِ ارتحال ۷۲۰ھ ہے۔

حمید اللہ شاہ آبادی سِکھ دور میں زندہ تھے اور زبردست باغی شاعر تھے، میں انکی شاعری نہیں انکی مثنوی 'چائے نامہ' کی طرف اشارہ کرنا چاہونگا۔ اِس شخص نے عمر بھر چائے سے شرابِ ناب کا کام لیا ہے۔ اور اسکی صفتیں گنائی ہیں۔ شاہ آبادی ۱۲۶۴ھ میں رحلت کر گئے ہیں۔ اُن کے چائے نامے کا ایک قلمی نسخہ اکادمی کے مخطوطات میں شامل ہے۔ یہ نسخہ ۱۳۱۵ھ میں حمید اللہ کی موت کے اکیاون سال بعد لکھا گیا ہے۔

یار محمد خان وہ پہلے کشمیری تھے جنہوں نے کشمیری زبان کو وسیلۂ اظہار بنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ مشن سکول میں کشمیری پڑھانے پر مامور تھے اور خود کو پروفیسر یار محمد خان لکھا کرتے تھے۔ اُنہوں نے گلشنِ کشمیر کے نام کا ایک رسالہ تحریر کیا ہے جسمیں مختلف النوع موضوعات پر کشمیری میں خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ یہ ایک طرح کا مُجمل دائرۃ المعارف ہے۔ اِس کا وہ قلمی نسخہ جو خود یار محمد خان نے ۱۸۹۳ء میں تحریر کیا ہے اکادمی کے خزینہ مسودات کی زینت ہے۔

رامائن منظوم فارسی کا ایک نسخہ رام داس اور درگا آنند کی مُشترکہ

تصنیف ہے۔ اِس کا قلمی نسخہ بھی کشمیر کلچرل اکادمی کے شعبۂ مسودات میں
موجود ہے۔ یہ مسودہ ۱۹۸۰ بکرمی میں تحریر ہوا ہے۔

شیخ احمد چاگلی حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ کے خلفا میں بڑے
سربرآوردہ ولی تھے۔ اُنہوں نے اپنے مرشد کے حالات و کمالات پر ایک
رسالہ 'سلطانیہ' کے نام سے تصنیف کیا ہے۔ اِسکا قلمی نسخہ کلچرل اکادمی
میں موجود ہے۔ اِس کا سنہ کتابت ۱۰۹۰ھ ہے جو حضرت شیخ کا قریب العصر
زمانہ ہے۔

اورادِ فتحیہ کا ایک نسخہ کشمیر کے مشہور ولی اور شاعر حضرت مرزا
اکمل الدین خان بدخشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مرزا اکمل الدین خان
بدخشی شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے دور میں بقید حیات تھے۔
اُنہیں مغلوں سے قرابت تھی۔ لیکن وہ کشمیر ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔
کشمیری شاعری کے دورِ دوم کے شاعروں میں اُن کا بھی نام آتا ہے۔ اِسکے
یہ معنی ہیں کہ اُن کی شاعرانہ طبیعت بڑی تازہ کار تھی اور وہ کشمیری زبان
پر دست رس رکھتے تھے۔ وہ فارسی کے پائے کے شاعر تھے۔ اور مثنوی
بحر العرفان اُن کی طویل ترین مثنوی ہے جسے مرحوم حبیب اللہ کاملی
نے ترتیب دیا ہے۔

آخر میں اُس کتاب کا تذکرہ کرونگا جس کا ذکر سب سے اوّل
آتا تھا۔ نصاب الملک یا ذخیرۃ الملک، یہ کتاب حضرت میر سیّد
علی ہمدانیؒ کی تصنیف ہے جو اُنہوں نے کشمیر ہی میں سلطان قطب الدین
کے لئے لکھی تھی۔ اِس کا سالِ کتابت ۷۸۶ھ ہے۔ اور یہی سال حضرت
میر کا سالِ وصال بھی ہے۔ اِس حیثیت میں یہ کتاب گلشنِ راز ہی کی طرح

سب سے اہم مخطوطہ ہے۔ اِن مخطوطات کے علاوہ تاریخ حسن اور شرحِ وقایئع نعمت خان عالی کتاب احیأ العلوم، تزکِ تیموری، بدائع منظوم کشمیری اور مثنوی ارزن وہی مال اِس عقد مروارید کے کچھ اہم ترین موتی ہیں۔

ناسپاس گذاری ہوگی اگر آکسفورڈ یونیورسٹی کے شائع شدہ شاہنامے کے انگریزی ترجمے کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ یہ کتاب نہایت نادر ہے۔ مصوّر ہونے کے علاوہ اسکی نفاست اور عمدہ گی ذوقِ جمال کا دامن کھینچ لیتی ہے۔ اسکی ندرت کاری کا انداز اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اِس دلاویز نگارخانۂ رزم و بزم کی فقط ۱۵۲ کاپیاں چھاپی تھیں۔ اور ہندوستان کے حصے میں صرف بارہ[۱۲] کاپیاں آئیں تھیں۔ کلچرل اکاڈمی کے جمال شناس سکریٹری نے بائیس ہزار روپے کی قیمت سے یہ نادرِ زمانہ کتاب خرید کر اپنے گنجینۂ نوادرات میں ایک اور شہکار کا اضافہ کیا ہے۔

مقالے کے آخیر پر کچھ سُخن گسترانہ معروضات کی اجازت بھی چاہونگا۔ فارسی اور عربی تراجم کی تعداد کلچرل اکادمی کے قدوقامت، کشمیری زبان کی نوسفری اور عربی اور فارسی زبانوں کے خزینۃ العلوم کے پیشِ نظر قطعی طور پر ناکافی ہے۔ اگر فارسی اور عربی کے گنج ہائے معانی کو کشمیری میں منتقل کرنے کا کوئی منضبط منصوبہ اکادمی کے پیشِ نظر ہوتا تو شاید تراجم کا سلسلہ زیادہ وافر، بامعنی اور فائدہ مند ہوتا۔ موجودہ صورت میں تو فقط انفرادی کوششوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ لیکن اگر کلچرل اکادمی ایک بورڈ ترتیب دیکر ہر سال تراجم کے لئے

نشانے منفرد کرتی تو ترجموں کا یہ سلسلہ ہماری علاقائی زبانوں کو بالعموم اور ہماری مادری زبان کو بالخصوص سرمایہ دار بنانے میں اہم ترین فریضہ انجام دیتا۔ اسکے لئے جب تک ایک الگ دارالترجمہ کا قیام عمل میں آتا اُسوقت تک انفرادی طور پر اس کام کے ماہرین کو آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ اس طرح کے کام سے خود ہماری تہذیب کی ہزاروں گرہیں کھل جائیں۔ اور ہمیں اپنے تمدن اور اپنی تاریخ کے بارے میں اُن باتوں کا علم ہوتا جو اب تک سینہ بسینہ فقط چند لوگوں تک محدود ہیں۔

کلچرل اکادمی کا شعبۂ مخطوطات نہ فقط کلچرل اکاڈمی کا بلکہ ساری کشمیری قوم کا قابلِ فخر سرمایہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مخطوطات اور نادر الوجود کتابوں کا ایک DESCRIPTIVE کیٹیلاگ تیار کرایا جائے۔ اور اُسے فوراً شائع کیا جائے۔ اسکا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہمارے محققین اور ریسرچ سکالرس کو سورسز کے بارے میں صحیح اطلاع بہم ہو سکے گی۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ اکادمی کے مخطوطات پر کئی زبانوں اور علوم کے ریسرچ سکالر اپنے پی، ایچ، ڈی کے مقالات ترتیب دے سکتے ہیں۔ خود ان مخطوطات کی کیٹیلاگنگ بھی ایک ایسا موضوع ہے جس پر پی، ایچ، ڈی کی ڈگری دی جا سکتی ہے۔ فی الحال اکادمی، خدا بخش لائبریری کے طرز پر سال میں ایک بار اپنے مخطوطات کی روشنی میں ریسرچ پیپرس لکھا سکتی ہے۔ اور اُنہیں شائع کر کے علمی حلقوں کو سیراب کر سکتی ہے۔ اس طرح کلچرل اکادمی کے علمی کاموں میں ایک اور اہم باب کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

کلچرل اکادمی نے ہجرہ تقریبات کے دوران ایک محیر العقول

اسلامی نمائش کا انتظام کیا تھا۔ اس نمائش کی اکثر چیزیں اکادمی کی ملکیت ہیں۔ باقی ایسی چیزیں ہیں جنہیں اکادمی خرید سکتی ہے۔ اگر اربابِ اکادمی اور خاص طور پر اس کے سیماب صفت فعال سکریٹری چاہیں تو بڑی آسانی سے ان تمام اشیائ کو یکجا جمع کر کے ایک میوزیم ترتیب دیا جا سکتا ہے جو ایک پورے تمدن کا عکاس ہوگا، شرط یہی ہے کہ ایسے نوادرات کیلئے کسی فایر پروف عمارت کا انتظام کرایا جا سکے۔ یہاں مجھے پھر تہذیب محل کی تعمیر کا خیال آتا ہے۔ بات بڑی مشکل ہے، لیکن میں ٹینگ صاحب کیلئے عرض کرنا چاہونگا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اکادمی کی عربی اور فارسی خدمات کا یہ جائزہ فقط تعارف کی حد تک محدود ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس جائزے میں کچھ اہم چیزیں رہ بائی ہوں۔ کیونکہ سمندر میں ایک بار کی غواصی سے تمام گہر ہائے آبدار نکالنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ میں فقط محققین اور سامعین کے سمندِ شوق کی مہمیز کا کام کر پایا ہوں۔

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

تاریخ: ۲۶ر مارچ ۱۹۸۴ء

دوسری نشست

مقالہ: عربی اور فارسی کے تئیں کلچرل اکادمی کی خدمات

مقالہ نگار :۔ رشید نازکی

ایوانِ صدارت :۔ ڈاکٹر وید کماری گھئی۔ پیران کشور۔

دینش بندھو نوتن۔ خالد حُسین

—•—

سوالات و آراء :۔

شرکاء :— • منشور بانہالی :۔ نازکی صاحب کا مقالہ اطلاعی تھا۔ جہاں مقالے میں کشمیر کے فارسی شناس علماء اور شعراء کا ذکر موجود ہے وہاں صوبہ جموّں سے کسی کا بھی ذکر نہیں۔ بانہال کے خواجہ احمد بانہالی فارسی کے اچھے شاعر اور عالم تھے۔ کامگار صاحب نے علامہ اقبال کی 'رموزِ بے خودی' اور بابا داؤد خاکی کی 'وردالمریدین' کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ شاید نادانستہ طور پر یہ بات رہ گئی ہے۔

• رشید مجروح :۔ جناب رشید نازکی نے اپنے مقالے میں "گلریز" کا بھی ذکر کیا ہے۔ گلریز کشمیری ماحول کی عکاسی کرتی ہے جیسا کہ ٹینگ صاحب نے بھی تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد اپنے مقدمے میں لکھا ہے۔ اگر اسے ترجمہ کہا جاتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہی ماحول مثنوی میں موجود ہو جو اصل مثنوی میں ہے۔ ایک نقاد کے مطابق ترجمہ کرنے سے پہلے مُترجم کے لئے لازمی ہے کہ اس ماحول کا بغور مطالعہ کرے جس

ماحول کی تخلیق کا وہ ترجمہ کرنے جا رہا ہو۔ اس سلسلے میں ایک اہم سوال ہے کہ کیا مقبول گُلریز کا ترجمہ کرنے میں کامیاب رہے ہیں یا نہیں؟ میں اپنے اُستادِ محترم سے یہ جاننا چاہونگا کہ کیا گُلریز ایک کامیاب ترجمہ ہے یا نہیں؟ یا اسے ایک 'ایڈاپٹیشن' کہا جائے۔

● ڈاکٹر مرغوب بانہالی :۔ اس مقالے کے لئے میں نازکی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہونگا کہ اگر خوبصورت چہرے پر معمولی سا بھی داغ ہو تو وہ کافی نمایاں اور بدنما لگتا ہے۔ ایک دو باتیں اس مقالے میں ایسی ہیں جن پر نظرثانی ہونی چاہیئے یا پھر مقالے کو غیر متوازن ہونے سے بچا لیا جانا چاہیئے۔ مقالے میں ڈاکٹر شمس الدین احمد صاحب کے بارے میں جو عبارت آرائی اور تعریفی جملے استعمال کئے گئے ہیں اس سے جانبداری کی بُو آتی ہے۔ جو کام اُنہوں نے ابھی پایۂ تکمیل کو بھی نہیں پہنچایا ہے اُس کا ذکر بھی مقالے میں موجود ہے۔ اگر مقالہ نگار مناسب سمجھیں تو اسے DELETE کر دیں۔ ایک بڑی بات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ میں پھر "غیر متوازن" لفظ استعمال کرونگا۔ شمس الدین احمد کی تعریف ٹینگ صاحب سے بھی زیادہ ہے حالانکہ ٹینگ صاحب کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُنہوں نے کُتب خانۂ مہجور کو ریاست سے باہر جانے سے اور محققین کی دسترس میں رکھنے کا جو اقدام اسے خرید کر انجام دیا ہے وہ تمام ادیبوں پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اس کا بھی ذکر ہونا چاہیئے۔

حاجی بابا اصفہانی کو سفرنامہ قرار دیا گیا ہے جبکہ ایسا نہیں۔ وہ ایک ناول ہے۔ اکادمی کے کُتب خانے میں جتنے بھی مخطوطات ہیں اُنکی کیٹلاگنگ ہونی چاہیئے۔ یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اسکے

علاوہ بھی کُتب خانوں میں ایسے بے شُمار قلمی نُسخے ہیں جو بہت ہی اہم ہیں اور جن کے تلف ہو جانے کا احتمال ہے ۔ میری تجویز ہے کہ اکادمی کو انہیں خریدنے کی کوشش کرنی چاہئیے ۔

● ناظر کولگامی :- میں اس محنت شاقہ کے لئے نازکی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں جو اُنہوں نے یہ مقالہ لکھنے کے لئے کی ہے ۔ مقالہ کے عنوان سے ظاہر تھا کہ اکادمی نے شاید فارسی اور عربی کے لئے بہت کچھ کام کیا ہے ۔ اکادمی نے اِن زبانوں کے شاہکاروں کا کشمیری میں ترجمہ کروایا ہے ۔ میں نازکی صاحب سے پوچھنا چاہونگا کہ کیا اِن تراجم سے عربی اور فارسی کی خدمت ہوئی ہے یا کشمیری کی ؟

● رشید نازکی :- میں نے مقالے کے آغاز میں ہی صفائی پیش کی تھی کہ شاید اس میں سبھی باتوں کا احاطہ نہ کیا جا سکے ۔ میں نے اِس مقالے میں فارسی اور عربی کے تئیں اکادمی کی خدمات کو آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے ۔ صوبہ جموں کے کچھ اصحاب کا ذکر نہیں ہو سکا ہے ، ہر شخص کا تذکرہ اِس مقالے میں نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ یا نہالی صاحب کا نام میرے ذہن میں تھا اور اُن کی نعتیں بھی مجھے یاد ہیں ۔ جہاں تک کامگار صاحب کا تعلق ہے اُن کا ذکر بھی میں نے نہیں کیا ہے کیونکہ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں تھا کہ آیا کامگار صاحب کو اِن کتابوں کی اشاعت کے لئے اکادمی نے کوئی مالی امداد دی ہے یا نہیں ۔

میرے دوست مرغوب صاحب نے یہاں کچھ دلچسپ نکتے اُبھارے ہیں ۔ مجھے خوشی ہے کہ اُنہوں نے میری واقفیت میں کچھ اضافہ کیا ہے ۔ کچھ مشورے بھی دئے ہیں ۔

میرا خیال ہے کہ مرغوب صاحب سے ایک تسامح ہوا ہے۔ وہ یہ کہ میں نے ڈاکٹر شمس الدین احمد اور ڈاکٹر مرغوب بانہالی دونوں حضرات کا محبت سے تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد نے اب تک تین کتابوں کا ترجمہ کیا ہے جس پر وہ کام کر رہے ہیں اس کے بارے میں مجھے پوری واقفیت ہے، اسلئے جانبداری یا تعریف کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھتا۔

حاجی بابا کے بارے میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ ناول سے زیادہ ایک سفرنامہ ہے۔

نجی کُتب خانوں میں مسوّدات / قلمی نسخوں کے موجود ہونے کے بارے میں، میں اتنا ہی کہونگا کہ انہیں تبھی خریدا جاسکتا ہے جب لوگ انہیں بیچنے کے لئے تیار ہونگے۔ اکادمی نے اس کی کوششیں کی ہیں۔ اور انہیں خریدا جانا چاہئیے۔ میں یہ تجویز اپنے مقالے میں ضرور لکھونگا۔

ناظر صاحب کے سوال کے جواب میں اتنا ہی عرض ہے کہ تراجم دونوں ہی زبانوں کو مالا مال کرتے ہیں جس سے کیا جائے اور جس میں کیا جائے۔

ایک اطلاع

کلچرل اکادمی کے گنجینۂ نوادرات میں محفوظ نادر مخطوطات کا ایک توضیحی کتاب نامہ مرتب کرنے کا کام ہاتھ میں لیا جاچکا ہے۔ کتاب کا تین چوتھائی حصہ تیار ہوچکا ہے۔ خیال ہے کہ یہ کتاب نامہ ۸۶-۱۹۸۵ء کے مالی سال میں منظرِ عام پر آجائیگا۔ اس کتاب نامہ کی ترتیب سے یہ بات منظرِ عام پر آئی ہے کہ اس میں کم از کم چالیس مخطوطات ایسے ہیں جنکی واحد نقل اکادمی کے ہی کُتب خانے میں دستیاب ہے۔

سنسکرت اور انگریزی
میں
کلچرل اکادمی کی کارکردگی

نیلامبر دیو شرما

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگوئجز یا کلچرل اکادمی، جس نام سے یہ عام طور پر موسوم ہے، کا قیام جولائی سنہ ۱۹۵۸ء میں عمل میں آیا۔ ابتدائی ایام میں اکادمی نے ایک سرکاری محکمے کے طور پر کام کیا، حالانکہ اپنے طرزِ عمل میں دوسرے سرکاری محکموں کے مقابلے میں اسے کافی آزادی حاصل تھی۔ ۱۶ راگست سنہ ۱۹۶۳ء میں ایس۔ آر۔ اور ۳۴۵ کے ذریعے ریاست جموں وکشمیر کے آئین کی دفعہ نمبر ۱۴۶ میں رکھی گئی گنجایش کے تحت اکادمی ایک ایسا خود مختار ادارہ قرار دی گئی جسکی اپنی مہر ہوگی اور تمام امور سیکریٹری کے ذریعے اور سیکریٹری کے نام سے طے پائینگے۔

دوسرے اغراض و مقاصد کے علاوہ اکادمی کا قیام اسلئے عمل میں آیا کہ یہ

۱۔ یہ ادارہ اپنی تخلیقات شائع کرنے کے علاوہ ادب کی اشاعت میں مدد فراہم کرے۔

۲۔ اُن زبانوں میں یا اُنکے بارے میں کتاب نامے، ادبی مجموعے، ڈکشنریاں وغیرہ شائع کرے۔ جنکا ذکر ریاستی آئین کی دفعہ نمبر 146 میں ہوا ہے۔

۳۔ یہ ادارہ سنسکرت، عربی اور فارسی میں نایاب اور قدیم مخطوطات کو مرتب کر کے ماہرین کے مشورے سے اُنکی اشاعت کا اہتمام کرے۔ مگر اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ اِس قسم کے مخطوطات کا ریاست جموں و کشمیر کی تہذیب و تمدّن اور اُنکی ترقی کے ساتھ گہرا تعلق ہو۔

۴۔ اکادمی جموں و کشمیر کی زبانوں میں سے ادب اور فن کے متعلق کتابوں کے تراجم دوسری زبانوں میں کروانے میں ترجمہ کاروں کو مدد دے اور اِس قسم کے ترجمے کروانے کا اہتمام کرے۔ اِس کے علاوہ ملکی زبانوں میں سے تراجم کروانے کا بھی بندوبست کرے۔

جیساکہ مندرجہ عبارت سے واضح ہے کہ اِس قسم کے تمدنی اور تہذیبی اداروں کی طرح اکادمی کا آئین اغراض و مقاصد کے سلسلے میں وسیع اور بسیط ہے اور تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اِس کے اغراض و مقاصد میں اختصار کا فقدان ہے۔ جسکے نتیجے میں نہ صرف ملکی زبانیں بلکہ عالمی زبانیں بھی اِس کے دائرہ کار میں شامل ہیں۔ عملی طور پر اکادمی کے اربابِ اختیار حقیقت پسند رہے اور انعامات اور مصنفین کو مالی امداد کے سلسلے میں اکادمی صرف اُن ہی کتابوں اور مسودوں پر غور کرتی ہے جنکا تعلق :-

۵۔ جموں و کشمیر کی تہذیبی تاریخ اور اُن زبانوں کے ساتھ ہو جنکا اندراج ریاستی آئین کے دفعہ نمبر 146 اور چھٹے شنڈول میں ہوا ہے، اِن زبانوں میں اردو، ہندی، کشمیری، ڈوگری، لداخی، پنجابی، بلتی اور

نام کی کتاب پروفیسر لکھشمی نرائن اور سنسار چند نے ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کر کے لکھی اور راقم نے اسے مرتب کیا۔

"AN INTRODUCTION TO MODERN DOGRI LITERATURE" راقم نے لکھی ہے اور A CULTURAL STUDY OF THE NILAMATA PURANA" دو جلدوں میں ڈاکٹر وید کماری گھئی کی تصنیف ہے۔ اسکا دیباچہ شری کے ایم، پانیکر نے لکھا ہے یہ کتاب ۲ دو زبانوں میں ہے، پہلی جلد میں تبصرے اور حاشیے وغیرہ ہیں جبکہ دوسری جلد میں اصل متن سنسکرت میں ہے اور شلوکوں کے نیچے انگریزی ترجمہ درج ہے۔ اس کے علاوہ اکادمی نے سنسکرت میں کوئی اور کتاب شائع نہیں کی۔

جہاں تک انعامات کا تعلق ہے سنسکرت کی ایک ہی کتاب کو: اکادمی نے انعام کے لئے چُنا ہے۔ یہ کتاب شُکھ دیو شاستری نے لکھی ہے۔ اور اس کا نام "نوشیہ شت کے" ہے۔ اس سلسلے میں انگریزی خوش قسمت ہے۔ "THE GENIUS OF TAGORE" کے علاوہ جیسے ٹیگور صدی کے دوران انعام ملا مندرجہ ذیل انگریزی کتابوں کو اکادمی نے انعام کیلئے منتخب کیا۔

1. FOLK TALES FROM KASHMIR
   BY
   PROF. S. L. SADHU

2. STUDIES IN KASHMIRI
   BY
   PROF. J. L. KOUL

3. PRATIBJINA KARIKA OF UTPALADEV
   BY
   Dr. R. K. KAW

4. BUDHISM IN LADAKH BY
NAWANG TSERING

سنسکرت اور انگریزی کے مسودوں کی چھپائی کے لئے اکادمی نے زیادہ مالی امداد نہیں دی ہے۔ وہ اسلئے کہ اکادمی کے قواعد ان زبانوں میں تخلیقی ادب کے فروغ کے لئے کوئی ضمانت فراہم نہیں کرتے، دوئم یہ کہ مالی امداد کے لئے بھیجے گئے مسودات ہمیشہ معیار کی کسوٹی پر پورے نہیں اُترتے۔ تاہم اب تک دس انگریزی اور چار سنسکرت مسودوں کو کتابی صورت میں چھاپنے کیلئے مالی امداد فراہم کی گئی ہے۔ انگریزی میں جن کتابوں کی مالی معاونت کی گئی ہے، اُن کے نام ہیں:۔

1. STUDIES IN KASHMIRI 2- A SOCIO-ECONOMIC SURVEY IN GUREZE -3- THE PROGRESS OF HINDI IN J K STATE -4- PRATIBJINA KASIKA OF UTPALDEVA -5- AN ANTHOLOGY OF KASHMIRI POETRY -6- KASHMIRI PHONETIC READERS AND SELECTED VACABULARY 7- CORPUS OF SARDA INSCRIPTIONS OF KASHMIR -8- CONTRIBUTION TO DOGRI PHONETICS AND PHONEOLOGY -9- RESEARCH IN INDIAN LINGUISTICS 10- DUGGAR A FOLK ART.

سنسکرت میں جن مسودوں کی چھپائی کے لئے مالی امداد دی گئی ہے،

وہ ہیں:- PARIJARI MANTRI,

EIVA MAHA RISHI DESH KASHMIR-

چوتھی کتاب "SHIVA NIRVANA" کا تعلق ڈوگرہ حکمرانوں کی تاریخ کے ساتھ ہے۔ یہ واضح بیان سنسکرت اور انگریزی میں اکادمی کی دین کی اور اشارہ کرتا ہے۔ اب میں مختصراً چند تجاویز پیش کرونگا جن کو اگر بروئے کار لایا جائے تو قدیم سنسکرت مسودوں کی اشاعت اور سنسکرت اور انگریزی میں تخلیقی کارناموں کو فروغ ملے گا۔

اگرچہ فارسی اور عربی کی طرح انگریزی اور سنسکرت ریاستی آئین کی دفعہ نمبر ۱۴۶ اور چھٹے شیڈول میں شامل نہیں تاہم اِن زبانوں کو ریاستی آئین میں مندرج زبانوں کے ساتھ برابر کا حصہ دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ درجہ ان کو دیا جانا چاہیئے۔ یہ قدم نیا S-R-O جاری کر کے یا اکادمی کی جنرل کونسل کے ذریعے آئین میں ترمیم کر کے اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اِس اقدام سے سنسکرت میں موجودہ مسوّدوں کے اس انبار کو چھاپنے کے لئے دروازے کُھل جائینگے جن کا تعلق نہ صرف ریاست جموں وکشمیر کی تہذیب اور ادب کے ساتھ ہے بلکہ ان کا تعلق مذہبیات، جمالیات اور فلسفے کے ساتھ بھی ہے۔ ساتھ ہی اس اقدام سے سنسکرت ادیبوں اور محقّقوں کی نہ صرف تحقیق کرنے میں حوصلہ افزائی ہوگی اور وہ (اپنے) ڈاکٹریٹ کے مقالات سنسکرت میں لکھیں گے بلکہ وہ سنسکرت میں تخلیقی کام کرنے کی طرف بھی راغب ہونگے جیساکہ ملک کے دوسرے حصّوں میں سنسکرت کے عالم اور ادیب کرتے ہیں۔ ایسا قدم اُٹھانے سے عربی، فارسی اور انگریزی کی ترقی میں بھی مدد ملے گی۔

انگریزی نہ صرف دنیا کو جھانکنے کا ذریعہ ہے بلکہ یہ ساری دنیا میں جدید علم کے پھیلاؤ، سائنس اور ٹکنالوجی کی بھی امانت دار ہے۔ یہ دنیا کی قوموں کے درمیان ادبی اور فنی تبادلے کا ایک طاقتور ذریعہ ہونے کے ساتھ ہی ہندوستان کے مختلف خطوں اور ریاستوں کے درمیان بھی رابطے کا ذریعہ ہے۔ ہماری ریاست میں انگریزی لکھنے والوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ اُن میں سے تو چند ایک اچھا لکھتے ہیں۔ یہ لوگ ادبی انشائیے لکھنے کے علاوہ ادب، تنقید، تاریخ، مذہب اور فلسفے کے متعلق اچھے مضامین سپردِ قلم کرتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جنہوں نے صحافت میں نام پیدا کیا ہے۔ کچھ لوگ کالج اور یونیورسٹی کے جریدوں میں افسانے اور نظمیں شائع کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ، اِس حقیقت کے باوجود کہ اُن کا موضوع اکادمی کے قواعد کے دائرے سے باہر ہے، کوشش کر کے مالی معاونت حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ قواعد کو اس طرح بنایا جانا چاہیئے یا اُن میں اس طرح ترمیم کی جانی چاہیئے کہ انگریزی اور سنسکرت میں (اِس میں فارسی اور عربی کو بھی شامل کیا جانا چاہیئے) اچھا لکھنے والوں کے مسودوں پر مالی امداد فراہم ہو اور اگر ان زبانوں میں لکھی گئی کتابیں پائے کی ہوں تو اُن کو انعام کیلئے منتخب کیا جانا چاہیئے۔ ریاستِ جموں و کشمیر کے آیئن کے چھٹے شیڈول میں زبانوں کیلئے مشاورتی کمیٹیوں کا ذکر ہے (اِس کے ساتھ گوجری بھی شامل ہے) یہ بہت ہی مناسب ہوگا کہ اگر سنسکرت اور انگریزی کیلئے بھی اس قسم کی مشاورتی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں (اِس قسم کی مشاورتی کمیٹیاں فارسی اور عربی کے لئے بھی ہونی چاہیں) اِن کمیٹیوں کے ممبران اُن مسائل پر غور کرینگے جن کا سامنا متعلقہ زبانوں کو ہے۔ یہی کمیٹیاں

ترجیحات اور اشاعتی پروگرام کو بھی ترتیب دینگی۔ اس اقدام سے نہ صرف ان زبانوں میں لکھنے والوں کو اظہار کے وسائل فراہم ہونگے بلکہ اس کی بدولت ان زبانوں میں مستقبل کے لکھنے والوں کیلئے بھی راستے کھُل جائینگے۔

میں یہ بات دہراتا آیا ہوں کہ ریاست جموں و کشمیر ایک چھوٹا موٹا ہندوستان ہے۔ میں اس بات کو دہرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ ہندوستان میں ایسی دوسری کوئی بھی ریاست نہیں جس میں نسلوں، ذیلی تمدنی روایات، زبانوں اور بولیوں کی اسقدر رنگارنگی، اننے مذاہب اور عقائد، موسم اور آب ہوا کا وہ تنوّع موجود ہے جو کہ ریاستِ جموں و کشمیر کا خاصا ہے۔

ہماری ریاست مختلف تہذیبی اور تمدنی دھاراؤں کا سنگم ہے۔ یہاں پر ہمیں مختلف عقیدوں، فلسفوں، علوم و فنون کا ایک حسین و جمیل مرقع دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ اس رنگارنگی کی آبیاری کی جائے اور ہر زبان کے لکھنے والے کو اپنے طور پر اپنی انفرادیت ظاہر کرنے کا موقع دیا جائے۔ اپنی تہذیبی وراثت کے ہم تبھی سچے وارث کہلائینگے جب ان باتوں کو بروئے کار لایا جائے گا۔

انگریزی سے ترجمہ

مترجم: چمن لال چمن

۲۶ مارچ ۱۹۸۴ء

مقالہ: سنسکرت اور انگریزی میں کلچرل اکادمی کی کارکردگی

مقالہ نگار:۔ نیلامبر دیو شرما۔

گفتگو

شرکائ:۔

- جناب شام سُندر آنند لہر:۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ اگر فارسی اور عربی زبانوں سے متعلق مقالے اُردو زبان میں پڑھے گئے تو سنسکرت اور انگریزی کے بارے میں مقالہ انگریزی میں کیوں پڑھا گیا۔ دوسری بات یہ کہ شرما صاحب نے فرمایا ہے کہ انگریزی کو دوسری زبانوں کے برابر درجہ دیا جانا چاہیئے میں اِس بات کی زوردار مخالفت کرتا ہوں۔ یہ دُرست ہے کہ سنسکرت کا تمام تر زبانوں کے ساتھ تعلق ہے۔ پہاڑی علاقوں میں بھی لوگ "اچھنا" اور "گچھنا" کہتے سُنائی دیتے ہیں۔ مگر انگریزی کا ہماری دیگر زبانوں یا ہماری تہذیب کے ساتھ کوئی واسطہ یا سروکار نہیں۔ اسلئے انگریزی کو دوسری زبانوں کے برابر درجہ دینے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔
- جناب عبدالاحد:۔ میں پروفیسر شرما کی تجاویز کے ساتھ پورا پورا اتفاق کرتا ہوں۔ اگر ہمیں اپنے LITERATURE کو اپنے CULTURE کو INTERNATIONAL سطح تک پہنچانا ہے تو یقیناً انگریزی زبان کا سہارا لینا ہوگا۔ میں ٹینگ صاحب کی فراخدلی کی داد دیتا ہوں جنہوں نے میری انگریزی کتاب کو سب سے بڑی سے نوازا ہے۔ لہٰذا میں

پروفیسر شرما کے مقالہ کی داد دیتا ہوں اور اُنکی زور دار حمایت کرتا ہوں۔

• محترمہ سُکھبیر کور :۔ میں اِن بھائی صاحب کی یہ بات ماننے کو ہرگز تیار نہیں کہ ہم اپنا کلچر محض انگریزی زبان کے ذریعے دُنیا بھر میں پیش کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں "میرا پاکستان" نام کی ایک کتاب منظرِ عام پر آئی ہے جو لیکھک نے اپنی ماں بولی پنجابی میں لکھی ہے۔ جسکا دُنیا بھر میں ذکر چلا اور ترجمے ہوئے۔ ہر زبان میں اس شاہکار کے چرچے ہو رہے ہیں۔ اِسلئے ہمیں اپنی ہی زبان میں خیالات کا اظہار کرنا چاہیئے۔

• جناب وشوا ناتھ دل :۔ انگریزی زبان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دُنیا بھر کے ممالک میں اسے لاتعداد مراعات حاصل ہیں۔ ہماری ریاست میں بھی اسے دوسری زبانوں کے برابر درجہ دینے سے دیگر زبانوں کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر زبان کو اپنی انفرادیت برقرار رکھنی چاہیئے۔ اگر انگریزی زبان کا اثر حاصل کرکے ہم دیگر زبانوں میں ادب تخلیق کرینگے تو اُس میں ORIGINALITY ختم ہو جائے گی۔

• جناب رمیش منگوترا :۔ یہ بھاشن انگریزی میں سُن کر مجھے بے حد افسوس ہوا۔ آخر کس لئے ہم آزاد ہونے کے بعد بھی انگریزی کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ ہمیں اب راشٹر بھاشا ہندی کو آگے بڑھانے کے جتن کرنے چاہئیں۔ کیوں نہ ہم راشٹر بھاشا کے ذریعے ہندوستان کی تمام تر زبانوں کو آگے لے جانے کی کوشش کریں۔

• محترمہ نرمل بھاردواج :۔ میں تھوڑی LATE پہنچی اسلئے شرما صاحب کا PAPER تو سُن نہ سکی۔ لیکن PAPER کے بارے میں بھائیوں کی باتیں سُن کر

مجھے جو کچھ پتہ چلا ہے۔ اُسکے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ انگریزی بہت ترقی یافتہ زبان ہے۔ اُس کے پڑھنے سے ہمیں بہت زیادہ معلومات مل سکتی ہیں۔ اور انگریزی میں ادب تخلیق کر کے ہم دُنیا بھر میں عزت حاصل کر سکتے ہیں۔

- مقالہ نگار :۔ مجھے یہ مقالہ لکھنے کے لئے جو چیٹھی ملی وہ بھی انگریزی میں تھی۔ TOPIC بھی انگریزی میں دیا گیا تھا۔ اور میں نے جب مقالے کی زبان کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ انگریزی میں بھی لکھا جا سکتا ہے۔ بہر حال میں نے انگریزی میں PAPER لکھا اور پڑھا تو اس میں ہتک کی کوئی بات نہیں۔ انگریزی میں PAPER لکھنے سے نہ تو میں بڑا بن جاتا ہوں اور نہ ہی حقیر ہو جاتا ہوں۔ ہم اب بھی گالی دیتے ہیں تو انگریزی میں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ زبان ایک دروازہ ہے دیوار نہیں۔ میں ڈوگری زبان کا حمایتی ہوں لیکن دوسری زبانوں کی قدر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ زبانوں کے معاملے میں جذباتی نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم انگریزی زبان سے سائنسی اور دیگر ادبی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اِسلئے انگریزی پڑھنے یا لکھنے میں میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے۔

- ڈاکٹر وید کماری :۔ شرما جی کا یہ PAPER سُنا۔ اس سے پہلے عربی اور فارسی کے بارے میں مقالہ پڑھا گیا۔ دونوں مقالے بڑے اچھے لگے۔ بیلا میر جی نے سجھاو دیا کہ اکیڈیمی کو چاہیئے کہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے سلسلے میں کام کرنے کے لیئے ایک بورڈ بنائے۔ میرے وچار میں بہت سے (MANUSCRIPTS) ہماری

ریاست میں ہیں۔ خاص طور سے فارسی اور سنسکرت زبانوں
میں ہیں جنہیں سنبھالنے کے لئے کوششوں کی بڑی ضرورت ہے۔
میں شرما جی کے اس سجھاو کی تائید کرتی ہوں اور اکیڈمی کو
چاہیئے کہ اس بارے میں سوچے اور کوئی ویشیش پروگرام تیار
کرے۔

•

لداخی زبان وادب اور کلچرل اکیڈمی

جمینگ گیاتسن

جب سے اکادمی کا قیام عمل میں لایا گیا تب سے لیکر آج تک اسکی اپنی ایک منفرد تواریخ رہی ہے، جو قابل فخر اور قابلِ قدر ہے۔ اکادمی قائم ہونے سے نہ صرف ہمیں اپنی زبان اور اپنے فن کو ترقی دینے میں مدد ملی، بلکہ اپنے کلچر، اپنی میراث کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ انہیں آگے بڑھانے اور وُسعت دینے میں بھی کافی مدد ملی ہے۔ زندگی کے اِن شعبوں میں ایسے مثبت اقدام اُٹھانے کے لئے ریاست بھر کے لوگ اپنی اکادمی پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جہاں تک لداخ لیہہ اکادمی کا تعلق ہے اِسکا قیام ۱۹۶۹ء میں عمل میں لایا گیا۔ تب سے لیکر آج تک ریاستی اکادمی کی اس شاخ نے لداخی زبان وادب، فن اور کلچر کے میدانوں میں قابلِ تعریف کام انجام دیا ہے۔ ادبی میدان میں

لیہہ آفس نے سب سے پہلے سنہ ۱۹۷۰ء میں اپنے کام کی شروعات کیں۔ جب اس نے لداخ کے نامور ادیب شری تاشی رگبیاس کے ترتیب دیے ہوئے لداخ کے لوگ گیتوں کے مجموعے کی پہلی جلد شائع کی اور تب سے لے کر اب تک اکادمی نے لداخ کے ادب، فن اور کلچر سے متعلق تیس ۳۰ سے زائد کتابیں شائع کی ہیں جو نہ صرف لداخ کے لوگوں کو ہی وہاں کی زندگی کے مختلف شعبوں کی جانکاری فراہم کر رہی ہیں۔ بلکہ ہزاروں کی تعداد میں آنے والے بدیشی سیاحوں کو بھی وہاں کی زندگی سے متعارف و مانوس کرانے میں مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔

لوکھورگی دیو دیپ یعنی سالانہ ہمارا ادب :۔ لیہہ آفس نے سب سے پہلے سنہ ۱۹۷۶ء میں "لوکھورگی دیپ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ چنانچہ آج تک لداخ کے (ہمارا ادب) کے اس سلسلے کے سات شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ سالانہ انتھالوجی کے اس سلسلے میں لداخی کلچر، ادب، فن، سنگیت اور تواریخ سے متعلق موضوعات پر عالموں کے لکھے ہوئے مقالات موجود ہیں جن سے آج دیش بدیش میں لداخی زندگی کے ان گوشوں کو ایک منظم طریقے سے اجاگر کرنے میں مدد ملی ہے۔

شبکھ زوم یعنے شیرازہ :۔ ریاستی اکادمی دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے "شیرازہ" کی طرح ہی لداخی میں بھی سنہ ۱۹۷۹ء سے اس طرح کا ایک چھ ماہی جریدہ شائع کرتی آ رہی ہے۔ جس میں حسبِ دستور مقالے، شعری تخلیقات، مختصر ڈرامے اور دیگر ادبی قلم پارے چھپتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے لداخ میں ایک ادبی حلقہ قائم ہونے میں مدد ملی ہے۔ اور ساتھ ہی مختلف ادبی اصناف اور موضوعات سے پڑھنے والوں کو روشناس
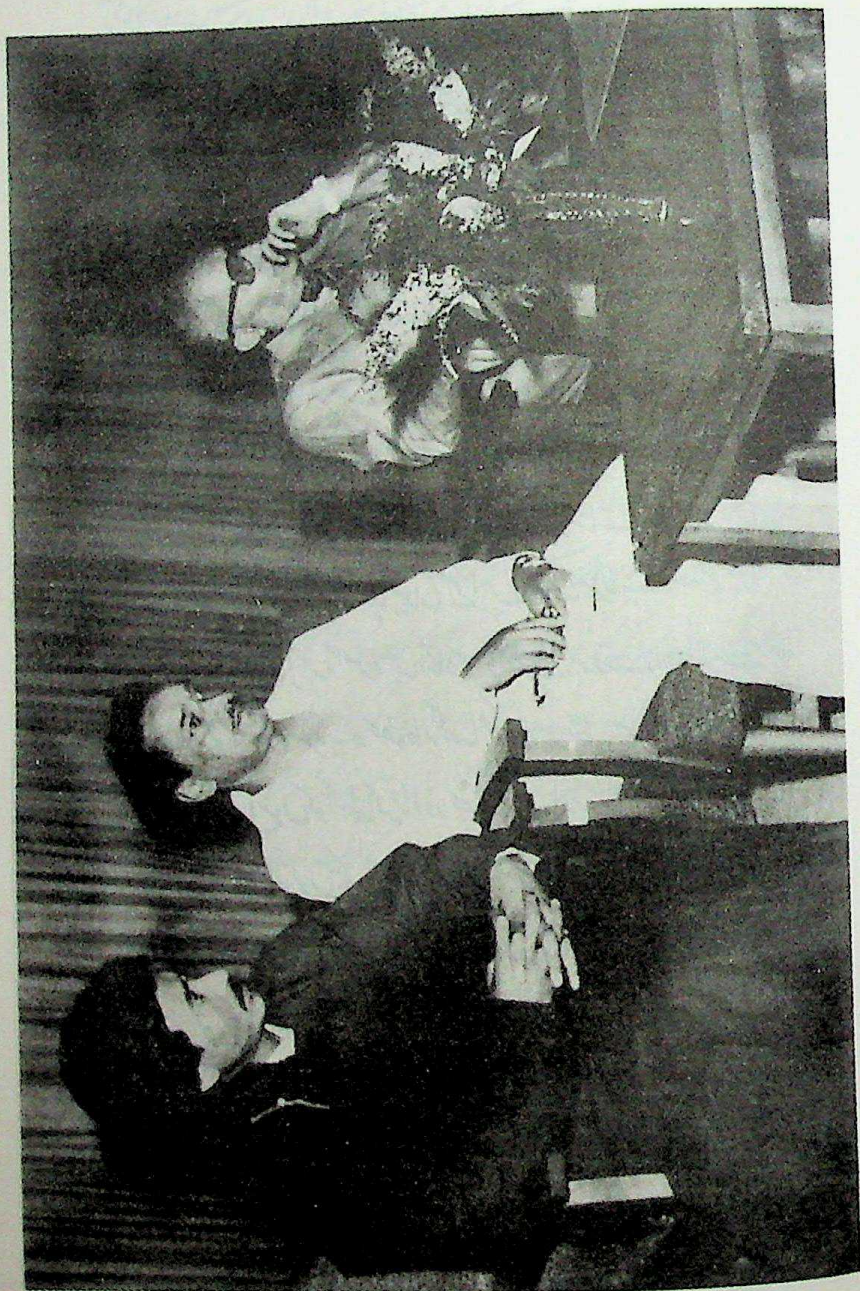
کرانے کا ایک اہم ذریعہ بن گیا ہے ۱۹۷۹ء سے جب اس ادبی رسالے کی اشاعت شروع ہوئی تھی اب تک آٹھ شمارے شایع ہو چکے ہیں۔

کہانی ۔ 'افسانہ اور کہانی' جیسا کہ آپ خود واقف ہیں، ایک اہم ادبی صنف ہے اور تخلیقی تصانیف کا ایک خاص جز بھی۔ چنانچہ لیہہ آفس نے لداخ کی لوک کہانیوں کو اکٹھا کر کے ان کی دو جلدیں شایع کی ہیں۔ یہ خود میں ایک اہم اور قابلِ تعریف کام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آج کے زمانے میں زندگی اتنی تیز رفتار اور مصروف ہو کے رہ گئی ہے کہ لوگوں کے پاس پرانے وقتوں کی طرح آرام سے کہانیاں سننے اور سنانے کے لئے کوئی وقت نہیں رہا ہے۔ نتیجتاً لوک کہانیوں کے اس انمول سرمایہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ لاحق تھا۔ لیکن اس ضمن میں اکادمی کی طرف بروقت اقدامات سے صدیوں پرانے اس سرمایہ کو محفوظ رکھنا ممکن ہو سکا ہے۔ گاؤں گاؤں میں جا کر ان لوک کہانیوں کو اکٹھا کرنا اور پھر ان کو زیورِ طبع سے آراستہ کر کے کتابی صورت میں لوگوں تک پہنچانا کسی بڑی ریاضت سے کم نہیں۔

ڈرامہ :۔ اکادمی نے اس ریاست کی اور دو اکائیوں کی طرح لداخ میں بھی ڈراما کو پھلنے پھولنے کے لئے اہم اقدامات کئے ہیں۔ ڈراما ادب کی ایک ایسی زوردار صنف ہے جسے سماجی برائیوں کو دور کرنے میں مؤثر ذریعہ کے طور پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اس ادبی صنف سے جہاں قدیم ورثے کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے وہاں لوگوں کی تفریح کا سامان بھی مہیا کیا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر لیہہ آفس ہر سال لداخ میں ایک بار جشن تمثیل کا اہتمام کرتا آ رہا ہے۔ گئے برس تک اس جشن میں جہاں

ایک بار فقط چھ ڈراما کلب شرکت کر سکتے تھے وہاں اِس برس سے اکادمی کے سیکریٹری محمد یوسف ٹینگ صاحب نے سال میں دو بار جشنِ تمثیل منانے اور ہر جشن میں چھ کے بجائے دس کلبوں کو شامل کرنے کی منظوری دی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اکادمی کے سکریٹری صاحب لداخ کی ثقافتی وراثت اور کلچر کو جلد از جلد ترقی دینے میں کسقدر دلچسپی رکھتے ہیں۔

لوک ناچ:۔ اکادمی نے لداخی رقص کو منظم اور مربوط شکل دینے کیلئے اب تک قابلِ قدر کام انجام دیا ہے۔ اِسکی شروعات سنہ ۱۹۶۹ء میں ہوئی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ لداخ کے دُور دراز علاقوں میں جانا کتنا مُشکل اور دُشوار ہے۔ لیکن اکادمی کے کارکن اِن سبھی مُشکلات کا سامنا کرتے ہوئے دُشوار گذار علاقوں میں جاکر سال میں کئی مرتبہ لوک رقص کی محفلوں کا اہتمام کرتے رہے ہیں۔ ایسا کرنے سے جہاں ایک طرف اِس قدیم آرٹ کو از سرِ نو زندگی بخشنے میں مدد ملی ہے وہاں لوگوں کے لئے تفریح کا سامان مہیا کرنا بھی ممکن ہوا ہے۔ چنانچہ اکادمی کی اِن کوششوں سے آج لداخ کے لوک ناچ کو بڑھاوا ملا ہے۔ اور غیر ممالک سے آنے والے سیاحوں کو بھی یہاں کے اِس لوک رقص کو دیکھنے کا ایک منظم موقع میسّر ہوتا ہے۔

قدیم نوادرات اور فنی نمونے:۔ ریاستی اکادمی یہاں کے فن کو ترقی دینے اور اِسے مقبولِ عام بنانے کے لئے بھی قابلِ تعریف کام کر رہی ہے۔ قدیم فن کو محفوظ رکھنے کے لئے نوادرات اور قیمتی فنی نمونوں کو خرید کر ایک میوزیم قائم کرنے کی بھی تجویز ہے۔ نوجوان لڑکوں لڑکیوں میں فن کی نسبت دلچسپی پیدا کرنے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کی غرض سے لیہہ اور کرگل میں اکادمی ہر سال مصوری کے مقابلوں کا اہتمام کرتی ہے۔

اِن مقابلوں میں پہلی، دوسری اور تیسری جگہ پانے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو انعامات دے کر اِن میں مصوری اور فن میں دلچسپی پیدا کرتی آرہی ہے۔

ویسے فن اور مصوری کے میدان میں لداخ خود میں ایک لامثال خزانہ ہے۔ یہاں ساتویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کے روایتی فنی نمونے موجود ہیں۔ گاندھرو، موریہ، کشمیری، چینی، تبتی۔ اِن سبھی فنی سکولوں کا ایک سنگم یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اِن فنی تخلیقات کو دیکھ کر ماہرینِ فن حیران ہو کے رہ جاتے ہیں۔

اَلچی، سُمدا اور منگیو گیارہویں صدی کے کشمیری فن کے لئے دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ لیکن الچی فن کی روایت اب ہمارے مُلک میں نہیں ہے۔ اسلئے اکادمی کو الچی فن یعنی گیارہویں صدی کی کشمیری مصوری کو ترقی دینے اور اسے آگے بڑھانے کے لئے اور اہم کام انجام دینا چاہیئے۔

انعامات و اعزازات:۔ اکادمی ریاست کی ہر اکائی کے کلچر، ثقافت، ادب، فن اور زبان وغیرہ کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ترقی کیلئے بیہم کوششیں کر رہی ہے۔ ادب کو ترقی دینے کے لئے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ جب تک یہاں کے ادیب اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کرتے، اُنکی حوصلا افزائی کے لئے مناسب اقدام نہیں کئے جائیں، تب تک کسی بھی ادب کا ترقی کرنا ناممکن ہے۔ اِس لئے ہماری اکادمی ادیبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ہر برس ریاست کی ہر زبان میں لکھی گئی بہترین کتاب پر انعام دیتی آرہی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں اکادمی نے میری تصنیف "سچوم گی سکیہ انیس سدما" پر مجھے پہلے انعام سے نوازا۔ یہ کسی لداخی قلم کار کو اکادمی کی طرف سے بہترین تصنیف پر

دیا جانے والا پہلا انعام تھا۔ تب سے لے کر آج تک آٹھ لداخی ادیبوں کو اُنکی بہترین تصانیف پر انعام مل چکا ہے۔

اسی طرح ڈراما نویسی پر بھی اکادمی ہر برس ریاست کی ہر زبان میں لکھے گئے بہترین ڈراموں کو بھی انعامات دیتی رہی ہے۔ ایسا کرنے سے ڈراما نویسوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی ہے۔ ابھی تک اکادمی نے لگ بھگ دس لداخی ڈراموں پر انعامات دئے ہیں۔ لداخ کے لوگ جتنا ڈرامہ کو پسند کرتے ہیں اتنا فلم دیکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ اس بات کے پیش نظر اکادمی کو چاہیئے کہ ڈراما نویسوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ مستقبل میں ڈراما کھیلنے والوں کو ڈراموں کی کوئی کمی نہ ہو۔

سیمینار :-

ایک دوسرے کے خیالات جاننے کے لئے اور تبادلۂ خیالات اور فہم و فکر کے لئے سیمیناروں کا منعقد ہونا بہت ہی لازمی ہے۔ اکادمی کے سیکریٹری کی ہدایت اور اُن کے ساتھیوں کی سرپرستی میں لیہہ آفس سال میں کئی بار مقامی عالموں کو سیمینار میں مدعو کرتا رہا ہے۔ ان سیمیناروں کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ کبھی کبھی مختلف موضوعات پر مختلف عالم اپنے اپنے پرچے پیش کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف علمائے اپنے اپنے مقالات پڑھتے ہیں۔ ان پرچوں پر باضابطہ بحث و مباحثے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۸۲ء میں اکادمی کے صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور سیکریٹری محمد یوسف ٹینگ کی مہربانی سے سرینگر میں بھی ایک کُل ہند لداخی سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ یہ سیمینار جموں و کشمیر کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

تربیت :۔ اکادمی دلّی میں ڈراما سے متعلق علوم کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک لداخی نوجوان کو کئی سال تک مالی امداد دیتی رہی ۔ یہ نوجوان اب اس علم و فن میں پوری مہارت حاصل کر کے لداخ کے دیگر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ڈراما کے فن کی عملی اور علمی تربیت دے رہا ہے۔ ہم لداخیوں کیلئے یہ اکادمی کی ایک اہم دین ہے۔

مالی امداد :۔ اکادمی ادیبوں کو مالی امداد دے کر بھی حوصلہ افزائی کرتی آرہی ہے۔ اس سلسلے میں جہاں اکادمی اردو، ہندی، کشمیری اور ڈوگری میں لکھی کتابوں کو چھاپنے کے لئے ادیبوں کو مالی امداد دیتی رہی ہے وہاں لداخی میں لکھی گئی کتابوں کو شائع کرنے کے لئے بھی لداخی ادیبوں کو مالی امداد دیتی آرہی ہے۔ جہاں کشمیری اور ڈوگری کی بیسیوں کتابیں اکادمی کی مالی امداد سے چھپ چکی ہیں وہاں لداخی میں ابھی تک صرف چار پانچ کتابیں ہی اکادمی کی مالی امداد سے چھپ کر آگئی ہیں۔

کچھ تجاویز :۔ اکادمی کو چاہیئے کہ وہ لداخ کے نئے ادیبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے زیادہ سے زیادہ مالی امداد فراہم کرے تاکہ تو تصنیف شدہ کتابیں شائع ہو جائیں۔ اکادمی کی لیہہ شاخ لداخ کی ثقافت کو ہر پہلو سے ترقی یافتہ دیکھنے کے لئے بھرپور کوششیں کر رہی ہے۔ لیکن جس پیمانے پر اکادمی کے لیہہ آفس کا کام ہونا چاہیئے تھا اُس سطح پر ابھی تک کام نہیں ہو رہا ہے، اسکی کئی وجوہات ہیں :

میں نے اس کا ذکر ابھی کیا کہ ۱۹۶۹؁ میں لیہہ میں اکادمی کی ایک شاخ کھولی گئی۔ تب سے لے کر آج تک یہاں کی اکادمی کرائے پر لئے گئے چھوٹے چھوٹے کمروں میں کام کر رہی ہے جن میں نہ الماریوں کو رکھنے

کے لئے جگہ ہے نہ ٹھیک ڈھنگ سے چلنے پھرنے کی جگہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ۲۸ سال گزرنے کے باوجود بھی لیہہ میں اکادمی کا اپنا کوئی مکان تعمیر نہیں کیا جاسکا جہاں اس کا دفتر اور دیگر شعبے اپنا کام کرتے۔ جبکہ سرینگر اور جموں میں اکادمی دفاتر کے لئے عالیشان عمارتیں اور شاندار ہال تعمیر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ لیہہ آفس میں بھی ریاستی اکادمی کا ہی ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن آج بھی اس شاخ کی حالت بڑی نازک ہے۔ مجھے یہ سبھی دیکھ کر لگتا ہے کہ ایک "دوشیزہ" جیسے اپنے جسم کو سجا سنوار کر، زیورات اور گہنے پہنا کر تو بیٹھی ہے لیکن وہ اپنا چہرہ ہی سجانا بھول گئی ہے۔

کلچرل اکادمی کے کئی ایسے پروگرام ہوا کرتے ہیں جو سٹیج پر ہی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن لیہہ میں ایسا کوئی ہال نہیں ہے جہاں اجتماعی رُوپ سے کلچرل پروگرام یا ڈرامے ٹھیک ڈھنگ سے دکھائے جاسکیں۔ اسلئے اکادمی کے لئے یہ لازمی ہے کہ جموں اور سرینگر کی طرح ایک ہال لیہہ میں بھی جلد از جلد تعمیر کیا جائے۔

منی بس کی ضرورت :- آپ سبھی جانتے ہیں کہ لداخ کے بہت سارے گاؤں دُور گھاٹیوں میں آباد ہیں۔ لیہہ کے ارد گرد کچھ گاؤں کو چھوڑ کر باقی دیہات میں بس سروس نہیں ہے۔ ایسے دیہات میں بھی اکادمی کبھی کلچرل پروگرام اور مشاعرے وغیرہ منعقد کیا کرتی ہے اور آمد و رفت کے مُناسب ذرائع نہ ہونے کے باعث ایسے موقعوں پر ادیبوں اور فنکاروں کو بہت ہی مُشکلات در پیش آتی ہیں۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ لیہہ اکادمی کیلئے ایک منی بس کا بندوبست کیا جائے۔

موسیقی کے ساز بجانے کی تربیت :- اکادمی کو چاہیئے کہ وہ

اپنی طرف سے یہاں کے کم سے کم پانچ چھ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو مختلف ساز بجانے میں مہارت حاصل کرتے کے لیے دلّی یا جموں تربیت کے لئے بھیجے تاکہ وہ تربیت یافتہ نوجوان واپس آکر یہاں کی موسیقی میں کچھ جدت لاسکیں۔

لداخی لغت :۔ لداخ اپنی زبان، فن، ادب، کلچر اور فلسفے کے شعبوں میں اپنی جگہ ایک مخصوص مقام رکھتا ہے۔ ہماری زبان میں دھرم، فلسفہ، علمِ نجوم، علاج معالجے، سائنس اور ادب کے سینکڑوں نُسخے اور کتابیں موجود ہیں۔ اِن میں درج لاکھوں کی تعداد میں الفاظ کے معانی سمجھنے جاننے کے لئے لداخی زبان کی ایک جامع ڈکشنری مُرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ویسے لداخی لغت مُرتب کرنے کا فیصلہ تو اکادمی نے آج سے کئی سال پہلے لیا تھا لیکن میں اکادمی سے گزارش کرتا ہوں کہ اِس کام کو فوراً عمل میں لایا جائے۔ ایسا کرنے سے لداخی زبان اور ادب کو ترقی دینے میں خاصی مدد ملے گی۔

"شیرازہ" :۔ یہ رسالہ لداخی دانشوروں کے لئے بہت ہی مقبول اور اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کی مانگ بہت بڑھ رہی ہے۔ اس مانگ کو دیکھتے ہوئے سال میں اسے فقط دو مرتبہ شائع کرنا کافی نہیں ہے۔ اسلئے کم سے کم سال میں چار بار یہ رسالہ شائع کیا جائے۔

ترجمہ کرنے کے اِنتظامات :۔ اکادمی نے لداخ کے لوک گیت 'لوکھور گی دیو دیپ شیرازہ' کہانیاں اور ڈرامے وغیرہ کی بے شمار کتابیں شائع کی ہیں۔ لیکن ان کا ترجمہ کرنے کے لیے کوئی قدم ابھی تک نہیں اُٹھایا گیا ہے۔ میرے خیال میں اگر اکادمی ایسا کوئی بندوبست کرے

کہ جو اہم کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں یا جو آیندہ شائع کی جائینگی اُن میں سے کم از کم سال میں ایک کتاب اُردو، انگریزی یا ہندی میں ترجمہ کرا کے چھاپی جائے تاکہ ملک کے اندر اور ملک سے باہر پڑھنے والے لوگ اکادمی کی اِن مطبوعات سے واقف ہو سکیں۔ اِس سے نہ صرف لداخ و جموں کشمیر کے کلچر اور ادب کو ترقی ہی ملے گی بلکہ غیر ممالک میں بھی ہمارے ادب اور ریاست کی اہمیت بڑھے گی اور ہمارا وقار بھی بڑھے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے محبوب رہنما مرحوم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبد اللہ کے دورِ حکومت میں ریاست کی تینوں اکائیوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی۔ اب ہمیں اُمید ہے کہ ہماری سرکار ریاست کی ہر اکائی کے کلچر، ادب، فن اور زبان کی ترقی کے لئے پوری پوری کوشش کریگی اور اپنا مکمل تعاون دیگر مناسب اور موزون اِمداد فراہم کرے گی۔

ہم اکادمی کے سیکریٹری محمد یوسف ٹینگ صاحب اور اُنکے ساتھی افسران سے بھی یہی اُمید رکھتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہماری اِن تجاویز پر ضرور غور کیا جائے گا۔

ہندی تر سے ترجمہ

مترجم :۔ موہن نراش

تاریخ :- ۲۶ مارچ ۱۹۸۴ء

مقالہ :- کلچرل اکادمی لیہہ۔

مقالہ نگار :- شری گیال سن

مقام :- ابھنو تھیٹر جموں۔

گفتگو

۱- شری نوانگ زھرنگ نے مندوبین کو بتایا کہ اکادمی نے ہیمس گھمپا کی ڈائیری کا انگریزی ترجمہ شائع کرنے کا منصوبہ پہلے ہی ہاتھ میں لیا ہے۔ لداخی ایک مکمل زبان ہے اور اس کا اپنا ایک باقاعدہ رسم الخط ہے جسکے نتیجے میں ہمیں اس وقت کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہیں۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ ہندی اور ڈوگری کی طرح لداخی شعبہ بھی جموں یا کشمیر یونیورسٹی میں قائم کیا جانا چاہیئے۔ اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ اگرچہ لداخی کتابیں جموں یا کشمیر میں نہیں بکتیں مگر امریکہ، جرمنی اور فرانس میں اُن کو فروخت کیا جا رہا ہے۔ اُنہوں نے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ لداخی پر چار بین الاقوامی کانفرنسیں مختلف ممالک میں ہو چکی ہیں۔ اور اسکی پانچویں کانفرنس مستقبل قریب میں دہلی میں ہو رہی ہے۔

۲- شری وید راہی نے کہا اُنہیں اس بات پر فخر ہے کہ اُن کا تعلق ایک ایسے خطّے سے ہے جہاں کی زبان لداخی کی طرح ترقی یافتہ ہے۔ اُنہوں نے مُطالبہ کیا کہ مقالے میں اُٹھائے گئے نکتوں پر غور کیا جائے۔ اُنہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ سیمنار میں کی گئی سفارشات پر عمل کیا جائے گا۔ شری راہی نے محسوس کیا کہ خود مختار ادارہ ہونے کے ناطے اکادمی سرکاری کنٹرول سے آزاد ہے اور اسکی خود مختاری کو ہمیشہ برقرار رکھا جانا چاہیئے۔

۴۔ شری رنجور نے اکیڈیمی میں کام کرنے والے مختلف ایڈیٹروں اور اہلکاروں کے کام کی سراہنا کی۔ اُس نے اُمید ظاہر کی کہ اکادمی اس سیمنار کی سفارشات پر غور کرے گی۔ اُنہوں نے کہا کہ اکادمی سرکاری کنٹرول سے باہر ہے اور اس کی خود مختاری کا تحفظ کلیتاً کیا جانا چاہیئے۔

شری بلراج پوری نے کہا کہ سیمنار میں پڑھے گئے تمام مقالے درحقیقت رپورٹیں ہیں۔ اِن میں تنقید کا فقدان تھا۔ شری پوری نے تجویز کی کہ سیمنار ایک ایسی کمیٹی کا تقرر کرے جو یہاں پر پیش کی گئی تجاویز کا جائزہ لے۔ اُنہوں نے اِس کمیٹی کو ایک نگران کمیٹی بتایا جو سرکار کے ساتھ تعلقات کا سنجیدگی سے جائزہ لے گی جس میں سرکار اور خودمختاری اور اِس قسم کے دوسرے مسائل پر غور ہوگا۔ شری پوری کا کہنا تھا کہ زبان کا سیاست کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اُنہوں نے اِس بات کا یقین سے اظہار کیا کہ قومی سطح پر بالآخر اُردو کا بول بالا ہوگا۔ ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ ہندی کو مختلف زبانوں کے درمیان ایک رابطے کا کام دینا ہے تاکہ زبانیں ایک دوسرے کے قریب ہوں۔

اکادمی کے پچیس سال
خدمات کا ایک اور رُخ

رمیش مہتا

ریاست جموں و کشمیر کے آئین کی دفعہ ۱۴۶ کو عمل میں لانے کے لئے ۲۴ اگست ۱۹۵۸ء کے دن سرینگر میں اُس وقت کے صدر ریاست اور اکادمی کے سرپرست ڈاکٹر کرن سنگھ نے جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز کا باضابطہ طور رسم افتتاح کیا تھا۔ اُسوقت اکادمی کا دائرۂ عمل بہت محدود تھا اور مختلف منصوبوں کو اُسی تناسُب سے ترتیب دیا گیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اکادمی کے دفتر کیلئے ایک چھوٹی سی بلڈنگ کرایہ پر لی گئی تھی۔ بعد میں جیسے جیسے اکادمی کے کام اور اُسکے انتظامیہ عملے میں اضافہ ہونے لگا تو سرینگر میں اکادمی کے

سنٹرل آفس کو لال منڈی کی ایک عمارت میں منتقل کیا گیا۔

پچھلے کچھ سالوں سے وہاں کا سب آفس بھی لال منڈی کی ہی ایک دوسری عمارت میں لایا گیا ہے۔ جبکہ جموں میں فی الحال دفتر کے لئے GREEN ROOMS کا استعمال کیا جارہا ہے اور اکادمی کا ADMINISTRATIVE BLOCK زیرِ تعمیر ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ٹیگور صدی تقریبات کے سلسلے میں سرینگر میں تعمیر شدہ ٹیگور ہال کو اکادمی کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ جموں میں ۱۹۷۸ء میں ابھنو تھیئٹر بن کر تیار ہوا اور سرینگر کے لئے "تہذیب محل" کی تعمیر کا مسئلہ زیرِ غور ہے۔ اُس کا ماڈل بن کر تیار ہو چکا ہے۔ اُمید ہے ریاستی سرکار جلدی ہی اس کو تعمیر کرنے کی منظوری دے دیگی۔

۱۹۴۷ء سے پہلے ریاست میں تمدنی سرگرمیوں کی باضابطہ ترقی کا عمل لگ بھگ نفی کے برابر تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب ریاست کے تمدن کی جھلک پیش کرنے والے پروگراموں کی نمائش جموں اور سرینگر جیسے شہروں تک ہی محدود تھی اور ڈرامہ کے نام پر زیادہ تر رام لیلا یا اُس سے ملتی جُلتی تکنیک والے ڈراموں کو سٹیج پر دکھایا جاتا تھا۔ حصولِ آزادی کے ساتھ ہی ریاست میں ادبی رسالوں کی اشاعت لگ بھگ بند ہوئی تھی اور کتابوں کے شائع ہونے کا کوئی واجب انتظام بھی نہ تھا۔ ریاست میں کلاسیکی سنگیت ناچ اور فنِ مصوری کی جو روایت موجود تھی، وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔ کبھی کسی زمانے میں بسوہلی، کرمچی اور مارتنڈ یا اونتی پور کے مندروں اور جگہ جگہ پھیلی باولیوں کے لئے مورتیاں بنانے والے بُت ساز موت کے مُنہ میں چلے گئے تھے۔ اور بدلتے زمانے کے مجسمہ سازی کے فن کے ساتھ قدم ملا کر چلنے میں یہ علاقہ پیچھے جارہا تھا۔ اپنی ترقی کے

عمل میں ریاست کے تمدن کے محافظ اس ادارے نے نہ صرف ان مرتے ہوئے فنون کو زندگی بخش دی بلکہ ان کو ترقی کرنے کا بھی موقعہ دیا۔ اور اس کام کے لئے ٹھوس قدم اُٹھائے گئے۔ اس سے پہلے یہاں جو مقالات پڑھے گئے وہ اکادمی کی زبانوں کے میدان میں کی گئی کوششوں کا لیکھا جوکھا پیش کرتے ہیں۔ اُن مختلف زبانوں کے پس منظر میں جہاں اکادمی کی کارکردگی کی نشاندہی کی گئی، وہیں اکادمی کی کوتاہیوں کو بھی اُبھارا گیا۔

اِن مقالات میں جن موضوعات پر بات چیت ہو چکی ہے، اُن کے پس منظر میں مزید بحث کر کے میں آپ سب کا قیمتی وقت نہیں لینا چاہتا ہوں۔ میں اُن مدوں کی نشاندہی کرنے کی اجازت چاہونگا جو آپ حضرات کی جانکاری سے لگ بھگ پرے ہیں۔ ایسا میں اِس بنا پر کہنے کی گستاخی کر رہا ہوں، کیونکہ ان کے بارے میں جو تھوڑی بہت جانکاری آپ کو ہے وہ یکطرفہ ہوگی۔ اور آج جبکہ ہم اکادمی کے پچیس سال پورے ہونے کی خوشی میں اکادمی کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے یہاں جمع ہوئے ہیں تو میری نظر میں یہ حقیقت بہت اہم بن جاتی ہے کہ آپ سب کو اِن سرگرمیوں کی صحیح اور ٹھیک جانکاری ملے تاکہ آپ اِس چھوٹے سے جائزے کے پیشِ نظر اپنی تجاویز سے اکادمی کو نوازیں۔

مقالے کے خاص مدعا پر آنے سے پہلے ایک بات کی وضاحت کرنا واجب ہوگا۔ اگرچہ آپ حضرات کے سامنے صرف زبانوں سے متعلق مسئلوں پر ہی مقالات پڑھے گئے ہیں، تو بھی مصوری، مجسمہ سازی، تھیٹر اور دیگر فنونِ لطیفہ پر بھی مقالات تیار ہیں اور بہت جلد ایک ایسے ہی سیمینار میں وہ مقالات پڑھے جائینگے۔ اسلئے میں یہاں اُن کا

ذکر نہیں کرونگا۔ مجھے اُمید ہے آپ سب لوگ اِس بات کو مدِ نظر رکھ کر میرے مقالے کو میری طے شدہ حدود میں ہی دیکھیں گے۔

بات پھر وہیں سے شروع کریں جہاں میں نے یہ کہا تھا کہ شروع میں اکادمی کا دائرۂ عمل بہت محدود تھا۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں اکادمی جب اپنے بچپن کی حدوں کو پار کر رہی تھی تو اُس کے قد و قامت اور خد و خال میں بھی تبدیلی آرہی تھی۔ مشاعرے کروانے یا جشنِ جموں و کشمیر منانے کی حدود کو پیار کرتے ہوئے اکادمی نے جموں اور کشمیر میں تمدنی سرگرمیوں کو باضابطہ طور وسعت دینے کی غرض سے نئے شعبوں کو تشکیل دیا اور شیرازہ کے اجراء سے ریاست کے ادیبوں کی وساطت سے منظرِ عام پر لانے کیلئے پلیٹ فارم فراہم کیا۔ سنہ ۱۹۶۵ء سے دوسری زبانوں میں بھی شیرازہ کی اشاعت شروع ہوئی۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں آل انڈیا پینٹنگ ایکزیبشن کی شروعات ہوئیں تو سنہ ۱۹۶۴ء سے ہی یہ نمائش ریاستی سطح پر کی جانے لگی۔ سنہ ۱۹۶۴ء سے ہی تخلیقی ادب کے شاہکاروں پر انعام دینے کا بھی سلسلہ شروع کیا گیا۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں ریاست میں موسیقی اور فنونِ لطیفہ کی تربیت کے لئے سہولیات فراہم کرنے کی غرض سے جموں اور سرینگر میں الگ الگ INSTITUTE OF MUSIC AND FINE ARTS کا قیام عمل میں لایا گیا۔

سنہ ۱۹۷۰ء کے بعد اکادمی کی سرگرمیوں میں تیزی آنے لگی اور اکادمی نے نہ صرف ریاستی تمدن کی جھانکیاں پیش کروائیں بلکہ قومی یک جہتی کو بڑھاوا دینے کی غرض سے آندھرا پردیش اور کرناٹک کی مایہ ناز ہستیوں پر مشتمل اوپیرا 'وِتستا'، 'کشمیری'، 'ہمالہ کے چشمے' (اُردو) 'پیا باج پیالا' (اُردو) اور 'ٹیپو سلطان' (اُردو) کو ریاست سے باہر جاکر ہندوستان کے

مختلف حصوں میں رہنے والے لاکھوں لوگوں کے دلوں کو جیت لیا۔ ایک
وقت وہ بھی آیا جب ریاست کے تمدنی ورثے کی جھلک پیش کرنے کے لئے
ہمارے فنکاروں نے بذاتِ خود وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی رہنمائی میں
وینیزویلا، ٹرنی ڈاڈ، ٹوربیگو اور واشنگٹن میں تمدنی پروگرام پیش کئے
اور بھرپور داد و تحسین حاصل کی۔ اکادمی کی تاریخ میں پہلی بار ۸۳-۱۹۸۲ء
میں کشمیر کی تاریخ اور اس کے تمدن کی لازوال جھلک پیش کرنے والے
اوپیرا 'وبنۂ' (وتستا) کی پوری ریکارڈنگ کو ایک ڈسک پر منتقل کر کے
جاری کیا گیا۔ دوسرے اوپیراؤں کے ڈسک اور CASSETTE تیار کرنے
کے سلسلے میں بھی کام ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ یہ بھی جلد ہی قدردانوں کے
ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کشمیر کے دو ادیبوں
کامگار اور نندہ لال طالبؔ کو ملکی سطح پر متعارف کرانے میں اکادمی نے
اہم رول ادا کیا ہے۔ آپ سب کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اکادمی نے
اس سال سدھارتھ کاک کی فلم BHANDS OF KASHMIR کی
36 منٹ کی 35 M.M کی ایک فلم کو دس ہزار روپے میں خرید کر
محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ فلم کشمیری سٹیج کی مشہور صنف 'بھانڈ پاتھر'
پر مشتمل ہے اور کافی اہمیت کی حامل ہے۔

اگرچہ نامور ادیبوں، فنکاروں اور ادب نواز شخصیتوں کی قبروں پر
لوحِ مزار نصب کروانے کی کسی کو کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہوگی،
لیکن اکادمی کے لئے یہ کام ایک بہت بڑے CHALLENGE کی
حیثیت رکھتا ہے۔ اکادمی نے کشمیر کے آخری تاجدار اور فنونِ لطیفہ کے
شیدائی یوسف شاہ چک کی قبر پر مرحوم شیرِ کشمیر جناب شیخ محمد عبداللہ

دستِ مبارک سے ایک کتبہ نصب کروایا ہے۔ اسی مہم کے تحت اکادمی نے کشمیر کے مشہور و معروف ادیبوں اور شاعروں کی قبروں کی تلاش کر کے ان پر TOMB STONES نصب کروائے ہیں۔ رسول میر (شاعر)، حسن کھویہامی (مورخ)، مقبول کرالہ واری (شاعر) نعمہ صاحب اور رحمان ڈار کے نام اس سلسلے میں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۶۸ء سے اکادمی ہر سال ALL INDIA ARTIST CAMP آرگنائز کرتی آ رہی ہے۔ یہ ہمارے لئے نہایت خوشی اور فخر کا مقام ہے کہ ملک کے نامور عصری مصوروں مثلاً ایم۔ ایف حسین، پری نوش سین، جی۔ آر سنتوش، لکشمن پوری، آر۔ ایس بھاسکرن، طیب مہتہ، امپاداس، وی۔ ایس۔ اپادھیائے وغیرہ نے نہ صرف ان کیمپوں میں حصہ لیا، بلکہ ان کیمپوں میں تیار کی گئی PAINTINGS سے اکادمی کو مالامال بھی کیا۔ اسی طرح ALL INDIA SCULPTOR CAMP کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جموں میں ان کیمپوں کی بدولت جدید اور عصری SCULPTURE GARDEN وجود میں آ رہا ہے، جو ماہرین کی رائے میں ملک کا ایسا واحد ادارہ ہے

یہ تو تھے کچھ ایسے کارنامے جنہیں اکادمی وقتاً فوقتاً ہاتھ میں لیتی رہی ہے اور جن کے پایہ تکمیل تک پہنچانے سے ہم سب لوگوں کو خوشی حاصل ہوگی مگر ان سے ہٹ کر اکادمی نے کچھ ایسے پروگرام بھی شروع کئے ہیں جنہیں ہم منصوبہ بند پروگرام کہہ سکتے ہیں۔ اور جو اکادمی کی سالانہ کارکردگی کا حصہ ہیں ان منصوبوں کی تفصیل میں نہ جا کر اب یہاں اُن کا ایک سرسری جائزہ ہی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کیونکہ ان پر تفصیل سے بات کرنے کیلئے کافی وقت درکار ہے۔

DOCUMENTATION :- آپ سب لوگ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کسی بھی چیز کی تخلیق سے کہیں مشکل اُسکی حفاظت کا کام ہوتا ہے۔ وقت بہتے پانی جیسا ہے جسکی روانی میں ہر چیز بہہ جاتی ہے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جنہیں بچانے کی کوشش کرنا انسانی تہذیب کو زندہ رکھنے کے برابر ہوتا ہے۔ بادشاہتیں ختم ہو جاتی ہیں اور بیش قیمت کتابیں لاپرواہی کا شکار ہوکر دیمکوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اکادمی نے جموں و کشمیر کے تمدنی ورثے کی حفاظت کے لئے کئی ایک اقدام کئے ہیں۔ جہاں اکادمی نے ایک طرف بسوہلی اور جموں سکولوں کی ۲۰۰ کے لگ بھگ منیچر (MINIATURE) تصویریں خرید کر اُن کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا ہے، وہیں آل انڈیا آرٹسٹ کیمپوں میں ملک کے نامور مصوّروں کے ہاتھوں تیار کی گئی جدید تصویروں کو بھی محفوظ رکھا گیا۔ اگر شاہ توس سے بنے پوستین (شاہی کوٹ) اور ڈوگرہ سرداروں کے چوغے کو مسخ ہونے سے بچایا گیا ہے تو کشمیری دستکاری کے نادر نمونوں کے ساتھ روائتی اور کشمیری لوک لباس اور زیورات کو بھی اکٹھا کر کے آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ مغربی اور فلمی سنگیت نے ہمارے روائتی سازوں کو تباہ کر کے انہیں مٹانے کی بھرپور کوشش کی ہے جس کے جواب میں اکادمی نے کشمیری ساز سنطور، نوٹ، سارنگی، رباب، کشمیری ستار، روائتی ڈھول، شہنائی، نگاڑہ، تُمبکناری، جنگ اور دوسری مختلف چیزوں کو خرید کر اُنہیں محفوظ رکھنے کا پورا پورا انتظام کیا ہے۔ یہ ساز ہماری تمدنی انفرادیت کی علامت ہیں اور ان کی حفاظت کی بہت بڑی ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے۔ اسطرح ٹیکنالوجی کی یلغار نے پرانی وضع کے برتنوں، شمعدانوں اور لکڑی پر نقش و نگاری

کے نمونوں کو OUT OF MARKET کر دیا ہے اور ایسا لگنے لگا ہے
کہ وہ وقت اب دور نہیں جب یہ چیزیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملینگی۔
اِس نقطۂ نظر سے اکادمی نے اِن چیزوں کے نادر نمونوں کو اکٹھا کر کے محفوظ
رکھا ہے۔ اِسی طرح خطاطی کے نادر نمونوں کو بھی اکٹھا کیا گیا ہے۔

ریاست کے چپے چپے پر اِس کا تہذیبی اور تمدنی ورثہ بکھرا پڑا ہے۔
اِس سارے ورثے کو جمع کرنا یا خرید کر محفوظ رکھنا اکادمی کے بس میں نہیں
ہے۔ اس کام میں کئی مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اسلئے اکادمی نے یہ
کوشش کی ہے کہ جن اہم چیزوں کو اکادمی اپنی تحویل میں نہیں لے سکتی،
اُن کے فوٹو گراف تیار کر کے اُنہیں محفوظ رکھا جائے، تاکہ کل چیزوں کے
نباہ ہوجانے پر اُن کی یادگار تصویریں اُنکی عظمت اور خوبصورتی کی جھلک
پیش کر سکیں۔ اِس لحاظ سے اکادمی نے مختلف مضامین مثلاً فنِ تعمیر، آثارِ قدیمہ،
ادب اور لوک ادب سے وابستہ فوٹو گرافوں کے ۳۰۰۰ سے بھی زائد نگیٹو جمع
رکھے ہیں۔ اب تک حاصل کئے گئے فوٹو گرافوں میں سب سے اہم کشمیر میں
تیار کیا گیا پہلا قالین۔ زین العابدین بڈشاہ کے زمانے کی CANOPY۔
وادی کے مختلف حصّوں میں کشمیری بادشاہوں کے زمانے کے کتبے، ہندو
راجاؤں کے ذریعے بنائے گئے عمارتوں کے نمونے اور یونانی حکمرانوں کے
زمانے کے سکوں کی تصاویر محفوظ رکھی گئیں۔

اِس پس منظر میں یہ بات بہت اہم اور قابلِ توجہ بھی ہے کہ اکادمی نے
نہ صرف الچی گمپا کو دوبارہ دریافت کر کے اُسکی تصویریں تیار کیں اور
ساتھ ہی بھارت سرکار سے اس کی حفاظت کے لئے بھی کہا گیا ہے۔
اِس طرح آج کا یہ مشہور گمپا اکادمی کی کوششوں سے ہی اندھیروں سے

باہر نکلنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔

اکادمی نے للتادتیہ، اونتی ورمن، بڈشاہ، شہاب الدین، اکبر اور جہانگیر کے زمانے کے کتبوں کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں کافی کام کیا ہے۔

اکادمی نے کشمیر کی بلند قامت ادبی اور فنی ہستیوں کی قلم بند کی ہوئی تخلیقات کو اکٹھا کیا ہے جن میں رسول میر شاہ آبادی، محمود گامی، آزاد، فوق اور غافر کے نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اکادمی نے بیش بہا چیزوں کی تصویروں کا ذخیرہ اکٹھا کیا ہے جو آج اگرچہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن ان کی قیمت آنے والے وقتوں میں بے حد بڑھ جائے گی۔

لائبریری:۔ نہ صرف تخلیق کاروں اور ریسرچ سکالروں کیلئے بلکہ تمدنی تاریخ پہچان کی نظر سے بھی لائبریریوں کی اپنی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے اور مہذب قوموں کی زندگی میں ان کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ اکادمی کے لئے لائبریری کی ضرورت اِس لحاظ سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ جہاں ایک طرف اِس میں پردیش کی تاریخ اور تمدّن پر ایک ہی جگہ سبھی کتابوں کو میسر رکھنے کی ذمہ داری ہے، وہیں مختلف شعبوں کیلئے REFERENCE LIBRARY فراہم کرنا بھی لازمی ہے۔

اِسی طرح نادر کتابوں اور قلمی نسخوں کی حفاظت بھی لازمی ہے۔ اِس نقطہ نظر سے اکادمی نے نہ صرف مرکزی دفتر میں بلکہ OFFICES اور انسٹیچوٹ میں بھی لائبریریاں قائم کی ہیں۔ اکادمی کے مرکزی دفتر میں ۹۶۰۱ عام قسم کی اور ۶۰۰ کے قریب نادر کتابیں اور ۵۲۳ قلمی نسخے ہیں۔ سب آفس جموں میں ۳۰۰۰ کتابیں اور سرینگر انسٹیچوٹ میں موسیقی کی ۹۷۱، فنونِ لطیفہ پر ۸۲۸ اور دوسرے مضامین پر

۴۴۳ ۸کتابیں ہیں۔ اسی طرح جموں انٹی چوٹ میں مہاراناوجے دیوجی کے سنگیت پر مشتمل دو ایسی کتابیں بھی ہیں جو ندرت کے اعتبار سے کافی اہم ہیں۔ لداخ اور سرینگر کے سب آفسوں میں بالترتیب ۴۰۰ اور ۶۰۰ کتابیں ہیں۔

لائبریری میں کتابوں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے لیکن اگر آپ کی لائبریری میں گراموفون ریکارڈ CASSETTES اور ٹیپ ریکارڈنگ بھی ہو، تو یہ سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔ اکادمی کے پاس اسوقت ۱۹۴۷ء سے پہلے کے کشمیری زبان کے گراموفون ریکارڈ ہیں۔ اس کے علاوہ جدید دور کے غزلوں اور کلاسیکی سنگیت پر مبنی انٹرنیشنل ریکارڈنگ کے ۴۶ گراموفون ریکارڈ ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان سے ۱۶ صدابند کیسٹ بھی ہیں۔

اکادمی نے وقتاً فوقتاً ملک کے مشہور و معروف ادیبوں اور فنکاروں کو ریاستی ادیبوں اور فنکاروں سے ملانے کے لئے پل کا سا کردار ادا کیا ہے۔ اس ضمن میں اکادمی کی محفلوں میں نہ صرف باہر سے آئے ادیبوں اور فنکاروں کو مقامی ادیبوں اور فنکاروں سے تبادلہ خیال کا موقعہ ملتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے تخلیقی عمل کو سمجھنے کا بھی موقعہ ملتا ہے۔ ایسی محفلوں میں شرکت کرنے والوں میں جناب بدرالدین طیب جی، عبدالصمد وانی، نیمیچند جین، عصمت چغتائی، ابراہیم القاضی، سریش اوستھی، کرشن چندر، دلیپ کمار، ناگ ارجن، اگے۔ گنگا پرشاد وِمل، کشمیری لال ذاکر، وجیندر ناتھ مشر، نرگس

مہیپ سنگھ، رام درشن مشر، ملک راج آنند، اور علی سردار جعفری کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اکادمی نے ملک کے نامور ماہرِ لسانیات ڈاکٹر سید صبشور ورما کے اعزاز میں ایک بے مثال محفل منعقد کی۔ اسکے علاوہ فن کے میدان میں مشہور شخصیات شری ایم۔ پی مینگی۔ کنول کرشن، ایم۔ آر آنند، ایم۔ الیف حسین، این۔ اے کرشنن اور لیڈی رینو مکرجی نے اکادمی کی طرف سے منعقد کئے گئے سیمناروں میں شرکت کی۔

GET TOGHTHER اور سیمناروں کے سلسلے میں تین محفلوں کا ذکر خاص طور پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ محفلیں بزرگ ادیبوں فنکاروں کے گھروں میں ہی منعقد کی گئی تھیں۔ ایسی پہلی محفل کشمیر کے مشہور صوفی شاعر عبدالاحد زرگر کی رہائش گاہ کاوڈارہ میں سنہ ۱۹۸۱ء میں منعقد کی گئی تھی۔ دوسری محفل سنہ ۱۹۸۲ء میں مبارک شاہ فطرت کے ساتھ اُن گھر واقع مدین صاحب میں اور تیسری محفل صوفیانہ موسیقی کے عظیم فنکار عبدالخالق سیتاری کے ساتھ اُن کے گھر بجبہاڑہ میں منعقد ہوئی۔ اِن محفلوں کی کارروائی کو تصویروں اور صدا بندی کے ذریعے محفوظ رکھا گیا ہے۔

فیلوشپ اور خلعتِ فاخرہ:۔ فنکار اپنے اندرونی دباؤ سے مجبور ہو کر فن کی تخلیق کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اُسے اس بات کی فکر ہی نہیں رہتی کہ اُس کے فن کو کوئی تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔ نہ اُسے باہری واہ واہ ہی سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ لیکن ایسے ہی فنکاروں کی عزت کرنے سے اعزاز دینے والے اداروں کی عزت بڑھتی ہے۔ یہ اعزاز کسی فنکار کے ریاض، لگن اور محنت کا ہی اعزاز نہ ہو کر پوری تمدنی میراث کے اعزاز کی علامت بن جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں اکادمی نے ریاست کے

ایسے ادیبوں، موسیقاروں اور فنکاروں کو فیلوشپ اور خلعتِ فاخرہ
سے نوازا جنہوں نے اس ریاست کے تمدن کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے۔
اب تک ایسی عظیم شخصیات کو فیلوشپ اور ۲۴ شخصیات کو خلعت فاخرہ
سے نوازا گیا ہے۔

بہترین ڈرامہ مسودوں کیلئے انعامات :- کسی بھی قوم کی تمدنی زندگی میں
سٹیج کا ایک اہم مقام ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے سنسکرت ڈراموں کا دور
ختم ہو جانے پر جموں وکشمیر میں ڈرامائی ادب نفی کے برابر تھا۔ ۱۹۴۷ء
سے پہلے کشمیری اور ڈوگری زبانوں میں ڈرامہ کی صنف برائے نام ہی
نظر آتی ہے۔ اور اس میدان میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے۔ وہ معیار اور
تکنیک کے لحاظ سے کافی پست ہے۔ اکادمی نے ڈرامہ نویسی کے فن کی
اہمیت پہچان کر سنہ ۱۹۶۴ میں ایک سکیم شروع کی جس کے تحت بہترین
ڈرامہ نگاروں کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے پہلا اور دوسرا انعام
دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ بعد میں پہلے انعام کیلئے ۷۰۰ اور دوسرے
انعام کے لئے ۵۰۰ روپے کی رقم دی جانے لگی۔ ابھی تک اس سکیم کے تحت
مختلف زبانوں کے ۲۷ ڈراموں کے مسودوں کو انعامات سے نوازا گیا ہے۔

اس منصوبے کے پس منظر میں ڈرامہ نگاروں کو اکثر یہ شکایت رہتی
ہے کہ بیشتر انعام یافتہ مسودے پہلے تو چھپتے ہی نہیں اور اگر چھپ بھی
جائیں تو ان کو سٹیج کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تمدنی وفود کا بین الریاستی تبادلہ :- نہ صرف قومی یک جہتی
بلکہ تمدنی لین دین کے لحاظ سے بھی مختلف تمدنی وفدوں کا ایک علاقے
سے دوسرے علاقے میں جانا اور وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کرنا کافی اہم
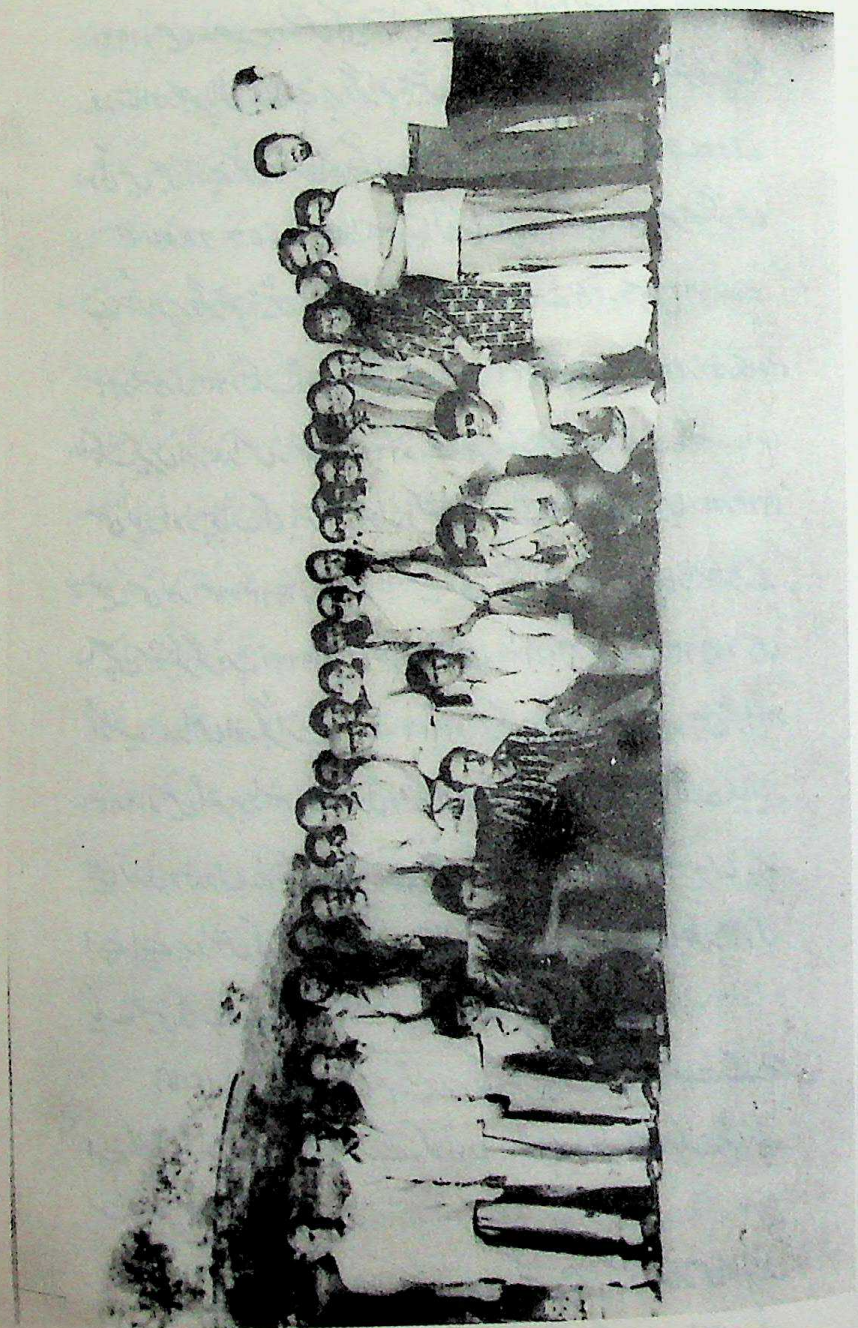
کام ہے۔ اس سکیم کے تحت ریاستی کلچرل اکادمی کا کلچرل ٹروپ پہلی بار ۱۹۶۱ء میں مدھیہ پردیش کی یاترا پر بھیجا گیا جہاں اُنہوں نے گوالیار، ودشا اور بھوپال میں اپنے پروگرام پیش کئے۔ لوٹتی بار اس کلچرل ٹروپ نے دلّی میں بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ ۱۹۶۱ء میں اکادمی نے بمبئی کے LITTLE BELLET TROUP کا استقبال کیا۔ اس ٹروپ نے سرینگر میں بے شُمار پروگرام پیش کئے۔ اُس کے بعد اکادمی نے ۲۹ ردسمبر ۶۳ء سے ۲۲ رجنوری ۶۴ء تک اُتر پردیش اور بہار ۲۶ ردسمبر ۶۴ء سے ۲۲ رجنوری ۶۵ء تک کیرل اور مدراس۔ ۱۴ ردسمبر ۶۶ء سے ۹ رجنوری ۶۷ء تک آسام، منی پور اور پنجاب کی یاترا پر جموں وکشمیر کے تمدنی وفدوں کو بھیجا۔ اور ۱۹۶۳ء میں منی پور ۶۴-۱۹۶۳ء میں ، میسور ۱۹۶۴ء میں مہاراشٹر کے سچن شنکر گروپ، ۱۹۶۶ء میں مغربی بنگال، ۱۹۶۶ء میں آسام، ۱۹۶۳ء میں اُڑلیسہ، مدراس اور گجرات۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں کرناٹک، ۱۹۸۲ء میں گوا اور ۱۹۸۳ء میں اُتر پردیش کے تمدنی وفدوں کا اس ریاست میں سواگت کیا گیا۔ ان تمدنی وفدوں نے ایک دوسرے کے پردیشوں میں مختلف جگہوں پر اپنے اپنے پردیش کی "تمدنی عظمت" جھانکی پیش کی۔ اور اس طرح قومی یک جہتی کی روایت کو زیادہ مضبوط بنانے میں مدد دی۔

اکادمی نے وقتاً فوقتاً یوم جمہوریہ کی تقریبات میں شمولیت کے لئے اپنے کلچرل ٹروپس کو دہلی بھیجا ہے۔ کوئی دو سال پہلے ایسا ہی ایک ٹروپ شملہ بھی بھیجا گیا تھا۔

فنِ خطاطی:- پرانے زمانے سے کشمیر میں اُردو فارسی کا چلن رہا ہے۔ اسلئے کتابت کا کام کرنے والے ماہر کاتبوں کو اس سرزمین نے

پیدا کیا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مغل بادشاہوں کے دربار میں کچھ نامور کاتب کشمیر سے ہی گئے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے آہستہ آہستہ خطاطی کا فن زوال پذیر ہونے لگا۔ اور چھٹے دہے کے آخر میں ایسا لگنے لگا تھا کہ یہ خوبصورت فن اب مٹنے ہی والا ہے۔ اس خوبصورت فن کو زندہ کرنے کا احساس پہلی جنوری ۱۹۶۹ء سے اکادمی کے زیرِ انتظام سرینگر میں کتابت کی کلاس چلائی گئی، جسمیں اُستاد پیر حسام الدین خانیاری کی سرپرستی میں چھ طالب علموں نے کتابت کی تعلیم لینا شروع کی لیکن سنہ ۱۹۶۲ء میں طالب علموں میں دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے کلاس بند کر دی گئی۔ سنہ ۱۹۷۴ء میں دوبارہ اس کلاس کو چلانے کا کام شروع کیا گیا۔ اور طالب علموں کو ماہانہ ۶۰ روپے وظیفہ دینے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اس بار اس کلاس کے ستارے کچھ بلند تھے۔ کلاس چل نکلی اب وظیفہ کی رقم میں اضافہ کرتے ہوئے اسے ۱۲۵ روپے مقرر کر دیا گیا۔ اس عرصے میں اکادمی کے ذریعے چلائی جانے والی اس کلاس میں جتنے بھی طلبا نے کتابت کی تربیت پائی ہے، وہ سبھی سرکاری یا پرائیویٹ ایجنسیوں میں ملازمت کر رہے ہیں۔ اکادمی کے اس کلاس کی کامیابی سے متاثر ہو کر بھارت سرکار اور اُردو بورڈ نے اس کلاس کو مستقل طور چلانے کے لئے سبسڈی دینا شروع کی۔ طالب علموں اور کاتبوں میں اس فن کیلئے کشش پیدا کرنے اور اُس کو اپنانے کے لئے سنہ ۱۹۷۶ء میں قومی سطح پر کتابت کا مقابلہ منعقد کیا گیا جس میں ۶۵ کاتبوں نے حصہ لیا۔ لکھنؤ کے شری محمد احمد اور سرینگر کے محمد یوسف مسکین کو ایک ایک ہزار روپے کا پہلا انعام دیا گیا اور محمد قاسم فیضی بمبئی اور محمد عتیق صدیقی دہلی کو سات سات سو روپے کا دوسرا انعام دیا گیا۔ اسی طرح سے دوسرے لوگوں کو بھی انعامات

سے نوازا گیا۔ کتابت کے نادر نمونوں کو سنبھال کے رکھا گیا۔ بعد میں ۱۹۷۷ء
میں ایسا ہی مقابلہ منعقد کیا گیا جسمیں ۶۸ کاتبوں نے حصہ لیا۔ تیسرا کل ہند
مقابلہ ۱۹۷۹ء میں منعقد کیا گیا۔ اور اِن دونوں مقابلوں میں پوزیشن حاصل
کرنے والوں کو موزون انعامات دیئے گئے۔ اور اُنکے نمونوں کو بھی اکادمی کی
آرٹ گیلریوں میں سنبھال کے رکھا گیا۔ کتابت کے نادر نمونوں کی کھوج کے لئے
اکادمی نے مقبروں کے پتھروں، کتبوں، سنگ بنیادوں اور کپڑے کے ٹکڑوں
کا سروے کر کے بیش قیمت اور نادر نمونوں کو اکٹھا کیا جنکی سرینگر اور جموں
میں نمائش کی گئی۔ اِس فن کو مٹنے سے بچانے کے لئے اب تک اکادمی نے
تین لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ خرچ کیا۔

ٹائپنگ انسٹیچوٹ اور اُردو شارٹ ہینڈ:۔ سائینس اور
ٹیکنالوجی کے اِس دور میں جہاں کتابت جیسا فن زوال پذیر ہو رہا ہے وہیں
انگریزی اور ہندی کے ساتھ ساتھ اُردو ٹائپنگ کو بھی فروغ مِلا ہے۔
دفتروں کے لئے اُردو ٹائپنگ کی سہولیت کا ہونا کافی اہمیت کا حامل ہے۔
اُردو ٹائپنگ کی ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر اکادمی نے ۸۳-۱۹۸۲ء میں ٹیگور ہال
سرینگر میں ایک اُردو ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ انسٹیچوٹ کی شروعات کیں۔
اِس ادارے میں تربیت حاصل کرنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو فی کس
ایک سو روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے اور کامیاب ہونے والے امیدواروں
کو ڈپلوما کی سند دی جاتی ہے۔ ابھی تک اس انسٹیچوٹ سے دس طالب علم
تربیت حاصل کر چکے ہیں اور تو طلبا کا دوسرا بیچ بھی ٹریننگ حاصل کر رہا ہے۔
انسٹیچوٹ میں فی الحال دس غیر سرکاری اور پانچ سرکاری امیدواروں
کو تربیت دینے کا انتظام ہے۔ دُکھ کی بات یہ ہے کہ ابھی تک جنرل ڈیپارٹمنٹ

اور ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ نے اکادمی کے بار بار اصرار پر بھی سرکاری ملازموں کے کوٹے میں بھرتی کرنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا ہے۔ اور اس طرح سے ریاستی سرکار نے اُن ملازمین کو اُن سہولیت سے محروم ہی رکھا ہے۔ جو اسمیں مہارت حاصل کر کے نہ صرف اپنے اپنے دفتروں میں اُردو ٹائپ رائٹنگ کا کام کرنے میں مددگار ثابت ہونگے بلکہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی اِس ضروری فن کی طرف راغب کر سکیں گے۔

مُصوّروں اور فنکاروں کو سبسِڈی:۔ کسی بھی تخلیقی فنکار کے لئے یہ بات کافی اہمیت رکھتی ہے کہ وہ کسی بھی تخلیق کو لوگوں کے وسیع طبقے اور فن کو پرکھنے والوں کے بیچ لائے اور اُن سے تعریف یا تنقید کے دو بول سُن سکے۔ آج کے دور میں ایک فنکار لاکھ اپنے اطمینان کے لئے کوئی چیز تخلیق کرنے کی بات کہے لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی برکتوں کے پیش نظر اُسکے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کی تخلیقات کا تعارف حاصل کرے اور اپنی تخلیقات ان تک پہنچائے۔

ریاستِ جموں و کشمیر میں الگ کوئی آرٹ گیلری نہیں ہے جسکی وجہ سے فنکاروں کو اپنے شاہکاروں کی نمائش کرنے کی سہولیات سے محروم رہنا پڑا ہے۔ جب تک آرٹ گیلریوں کا چلن نہیں ہوتا تب تک فن کے دلدادہ اور تعریف کرنے والے لوگوں کی جماعت کا تیار ہونا بھی ناممکن ہے۔ اسی خیال کو مدِنظر رکھتے ہوئے سنہ ۶۴-۱۹۶۳ء سے اکادمی نے ریاست کے فنکاروں کو ہندوستان کی مشہور آرٹ گیلریوں میں اپنے فن کی نمائش کرنے کی سہولیت مہیا کی ہے۔ شروع میں شری غلام رسول سنتوش، ترلوک کول، پی، این کاچرو، بنسی پارسو اور کشوری کول کو ریاست سے باہر اپنے فن کی نمائشیں

منعقد کرنے کے لئے دو دو ہزار روپے کی مالی امداد دی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ
اِن نمائشوں کی بدولت ریاست کے فنکار قومی سطح پر اپنی پہچان بنانے میں
کامیاب ہو گئے ہیں۔ اور اُن کے فنی نمونے اچھی اچھی آرٹ گیلریوں میں جگہ
پا سکے ہیں۔ سبسڈی کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

وظائف: سنہ ۱۹۶۵ء میں ریاست میں INSTITUTE OF MUSIC AND FINE ARTS قائم ہونے کے ساتھ یہ محسوس کیا گیا
کہ مقامی قابلیت کو پروان چڑھانے کا بھرپور موقعہ فراہم کرنے سے ہی
کام نہیں چلے گا۔ اس طرح سنہ ۱۹۶۶ء میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ ریاست کے قابل اور
ذہین فنکاروں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملک کے اونچے فنی تربیت
کے اداروں میں پڑھنے کے لئے بھیجا جائے۔ ایسے فنکاروں کے سامنے سب سے
بڑی مشکل تعلیم حاصل کرنے کے دوران اپنا گذارہ چلانا ہے جس کے لئے پیسے
کی ضرورت ہے۔ فن کے ساتھ دِل لگاؤ رکھنے والے فنکاروں کو ۷۵ روپے
ماہانہ سے لے کر ۳۵۰ روپے ماہانہ کے حساب سے دو سے پانچ سال تک کے
وظائف دئیے گئے۔ اِس سکیم کے تحت فائدہ حاصل کرنے والوں میں
کتھک APP. ART ، PAINTING ، SCULPTURE
DRAMATICS, MUSIC اور لسانیات وغیرہ کے طالب علم شامل ہیں اور
اُنہوں نے دلّی، بڑودہ، شانتی نکیتن وغیرہ مشہور اداروں میں تعلیم حاصل
کی ہے۔ اِن میں سے ۲۷ آدمیوں کو اکادمی میں ہی مختلف عہدوں پر
تعینات کیا گیا ہے۔

ادیبوں اور فنکاروں کو مالی امداد: سنہ ۱۹۷۱ء میں اکادمی نے
مرکزی سرکار کی اِس یقین دہانی کو دھیان میں رکھ کر کہ اِس منصوبہ پر جتنا بھی

پنجابی، کشمیری، سنسکرت اور انگریزی کی کتابوں پر ہر سال بالترتیب ایک ہزار اور سات سو روپے کی رقم پر مشتمل پہلا اور دوسرا انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ سے یہ انعام کشمیری، لداخی اور گوجری کتابوں کو بھی دیا جانے لگا۔ ۱۹۷۳ء میں ان دونوں انعامات کو ایک ہی سطح پر لا کر ان کی رقم کو بڑھا کر دو دو ہزار روپے کر دیا گیا۔ اب تک گوجری میں ۶، انگریزی میں ۴، ہندی میں ۲۲، کشمیری میں ۳۵، پنجابی میں ۲۳، فارسی میں ایک، سنسکرت میں ایک، لداخی میں ۷، اُردو میں ۲۹ اور ڈوگری میں ۲۱ کتابوں کو انعام سے نوازا گیا ہے۔ اور اس مد میں کل ۲۱۲۸۰۰ روپے خرچ کیے جا چکے ہیں۔

غیر سرکاری یا رضا کار اداروں کو مالی امداد:۔ اگرچہ اکادمی کے جموں، سرینگر اور لیہہ میں واقع دفاتر اپنے اپنے صوبوں کی مختلف جگہوں پر وقتاً فوقتاً سنگیت، ناچ اور مشاعروں کا اہتمام کرتے ہیں پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اکادمی کی یہ کاوشیں ان علاقوں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کافی ہیں۔ ۶۲-۱۹۶۱ء میں اکادمی نے ادب، فن، تمدن اور ایسی ہی دوسری صنفوں کے پھیلاو اور ترقی میں کوشاں خود مختار غیر سرکاری اداروں کی سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لئے مالی امداد دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایسا کرنا اکادمی کے آئین کی شقوں کو پورا کرنے کے لئے بھی ضروری تھا۔ جہاں ۶۲-۱۹۶۱ء میں صرف تین اداروں ڈر گا سنگیت مہا ودھیالیہ (سری نگر)، پریم سنگیت نکیتن سرینگر، اور سنگیت مہا ودھیالیہ سری نگر کو دو دو سو روپے کے حساب سے کُل چھ سو روپے کی امداد فراہم کی گئی تھی۔ وہیں ۷۱-۱۹۷۰ء میں یہ رقم بڑھا کر ۲۶۲۰۰ روپے کر دی گئی تھی۔ اکادمی کی طرف سے دئے جانے والی مالی امداد سے بہت سارے رضا کار ادارے وجود میں آگئے

یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ ۸۲-۱۹۸۱ اور ۸۳-۱۹۸۲، ۸۴-۱۹۸۳ء میں بالترتیب

۱۷، ۸۴، ۸۹ اداروں نے اس سکیم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بالترتیب ۹۰۹۰۰،

۹۵۰۰۰/= روپے کی رقم حاصل کی ہے۔

یہاں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اِن اداروں کی تعداد اور ادبی و تمدنی سرگرمیوں کی بڑھتی ہوئی مانگ اور بڑھتی قیمتوں کے بپیش نظر یہ رقم بہت ہی کم مانی جائیگی۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِس مد میں رقم بڑھانے کے ساتھ ساتھ ایسی تنظیموں کی نشاندہی کی جائے جو ادب یا فن کی خدمت کرنے کے نام پر برائے نام کچھ لوگوں کی خدمت میں لگی ہیں اور اِس طرح صحیح اور کام کرنے والے اداروں کا حق چھین رہی ہے۔ ؛

ہندی سے ترجمہ

مترجم :۔ ابدال احمد مہجور

مہجور کا روزنامچہ مل گیا

اکادمی کے کُتب خانے میں تازہ ترین اضافہ مہجور کی ذاتی ڈائریاں ہیں۔ یہ ڈائریاں پچیس سال کے عرصے پر محیط ہیں اور اِن میں مہجور کی ذاتی زندگی کے کچھ ایسے دلچسپ واقعات درج ہیں جنکا کہیں اور ذکر نہیں ہوا ہے۔ یہ ڈائریاں جو مہجور نے اپنے قلم سے لکھی ہیں۔ اُس کی نجی اور ادبی زندگی کے علاوہ اِس اہم دور کی شخصیات اور تحریکات کے بارے میں بھی اہم انکشافات کرتی ہیں ؛

شیرازہ : ایک جائزہ

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

۱۹۴۷ء کے بعد ریاست جموں و کشمیر میں فنونِ لطیفہ، تمدن اور ادب کی روایات کی بازیافت اور تشکیل و توسیع کے جس بار آور عمل کا آغاز ہوا، وہ ہماری تاریخ میں ایک نئے روشن باب کا حکم رکھتا ہے۔ حصولِ آزادی کے فوراً بعد ریاست کے ثقافتی تشخص کی بحالی کے لئے اس کے تاریخی، لسانی اور ادبی سرمایے کی نشاندہی کی طرف توجہ دی جانے لگی، اور اس کے تحفظ و بقا کے ساتھ ساتھ اس کی نشر و اشاعت کے لئے مختلف تہذیبی اور تعلیمی اداروں نے اقدامات کئے۔ لیکن اس مقصد کی آئینی، منصوبہ بند اور مؤثر تکمیل کیلئے ریاستی کلچرل اکادمی قائم کی گئی، جو ریاست کی تمدنی اور ادبی احیائے نو کی تحریک کی ایک زندہ علامت بن گئی ہے، اور اس کا ترجمان رسالہ شیرازہ اس کا شناخت نامہ بن گیا ہے۔

شیرازہ کا پہلا شمارہ ۱۹۶۲ء میں منظرِ عام پر آیا، اور جب سے یہ

ریاستی زبانوں میں ریاست کی رفتار و ترقی اور فنونِ لطیفہ اور تہذیب و تاریخ کے بارے میں قیمتی مواد پیش کر رہا ہے۔ نیز ریاست کی، خاص کر اکادمی کی ثقافتی سرگرمیوں کی ترسیل بھی کر رہا ہے، اس کے علاوہ یہ کلاسکی ادب و ثقافت کی اشاعت و فروغ کا اہم وسیلہ بن گیا ہے۔

شیرازہ کی جلد اوّل، شمارہ ۳ میں شیرازہ کے بانی کار علی جوّاد زیدی (جو اُسوقت اکادمی کے سکریٹری تھے) رسالے کی مقصدیت اور دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں" شیرازہ اردو زبان میں شائع ضرور ہو رہا ہے، لیکن اسے اردو زبان کے دوسرے رسالوں کی طرح ایک عام علمی اور ادبی رسالہ سمجھ لینا غلط ہوگا۔ ہم نے اُس معیار کو نہیں اپنایا ہے کہ اس میں بہت سی نظمیں، غزلیں اور افسانے ہوں، کچھ مزاحیہ مضامین ہوں، اور کبھی کبھار دو ایک مقالے بھی شائع ہو جائیں۔ شیرازہ ایک خاص علمی اور تحقیقی رسالہ ہے، اور اس کا ایک واضح مقصد ہے ــــ ریاست کی ثقافتی اور علمی سرگرمیوں کو ہر خطّے اور علاقے کے اربابِ نظر اور صاحبانِ ذوق تک پہنچانا" اس میں شک نہیں کہ رسالہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ خالص علمی، ادبی اور تحقیقی مزاج کو قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ اور اس کا سہرا مکمل طور پر محمد یوسف ٹینگ کے سر ہے، جو اوّلین شمارے ہی سے اس کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ٹینگ صاحب شیرازہ سے وابستہ ہونے سے پہلے ہی صحافتی تجربہ، تحقیقی لگن اور تنقیدی نظر سے اپنی ادبی حیثیت منوا چکے تھے۔ اُنہوں نے شیرازہ کی متعینہ مقصدیت کی حدود میں اپنے دستِ حسن کار سے اس کی تحقیقی و ادبی انفرادیت کو استحکام عطا کیا، اور یہ اُن کی سعی پیہم اور ذوقِ لطیف کا نتیجہ ہے کہ آج شیرازہ ہند و پاک کے خالص علمی و تحقیقی
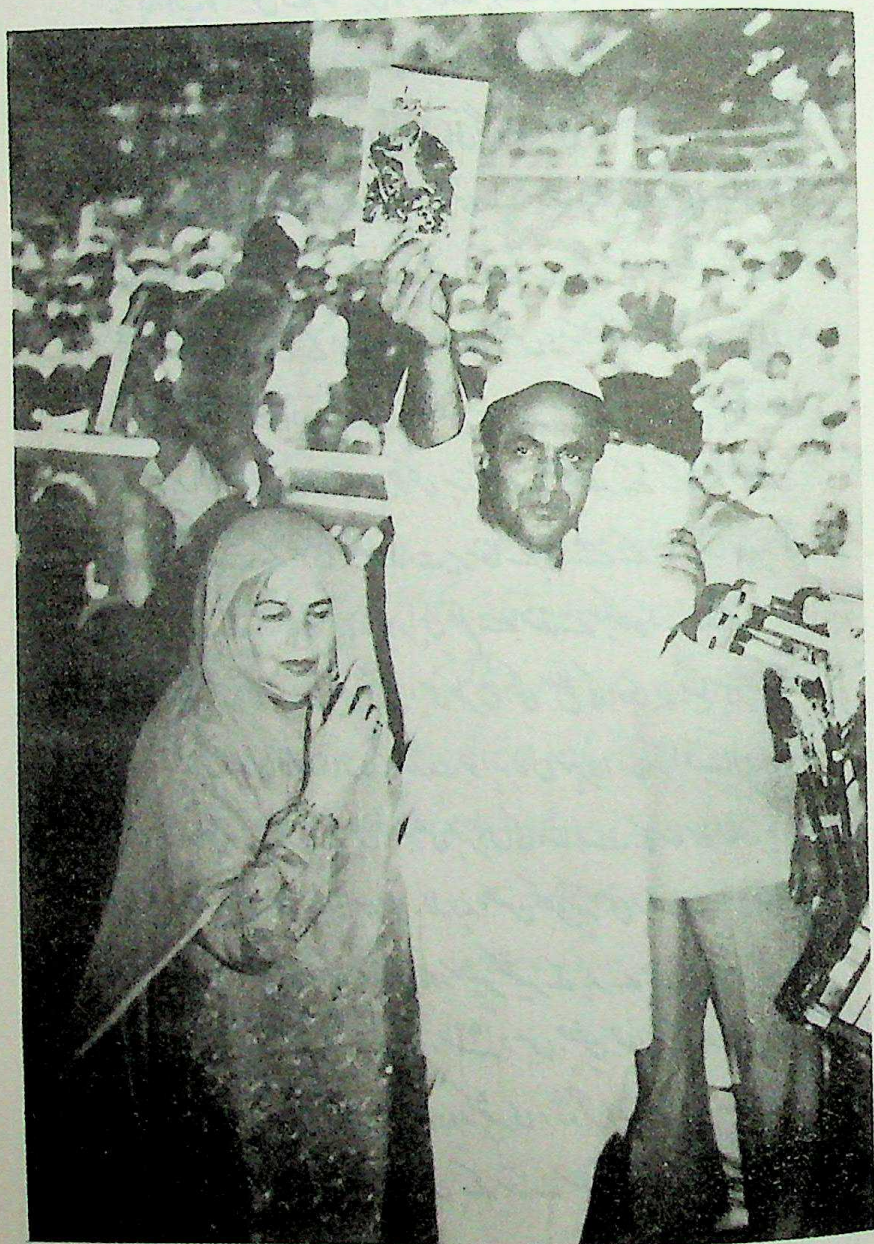
جرائد میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکا ہے۔ اپنے منفرد اور ارفع معیار کی بنا پر ہی ادب و تحقیق کے شائقین کو اس کے ہر نئے شمارے کا انتظار رہتا ہے۔

شیرازہ کے پچھلے شماروں کے مندرجات پر ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے مختلف خطوں اور لسانی گروہوں کی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کو اُجاگر کرنے کی جانب خصوصی توجہ دی گئی ہے، رسالے میں ترجیحی بنیادوں پر ایسے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، جو ریاست کے تینوں خطوں یعنی کشمیر، جموں اور لداخ کے ادبیات کے علاوہ رقص، موسیقی، مصوری اور سنگتراشی کی نوعیت اور ارتقا سے متعلق ہیں، یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مختلف مواقع پر اکادمی کے زیرِ اہتمام جو کُل ہند سیمینار منعقد کئے گئے اُن میں مُلک گیر نوعیت کے ادبی موضوعات پر مقالے پڑھنے کے ساتھ ساتھ ریاستی زبان و ادب کے بارے میں نامور اہلِ قلم سے مقالے لکھوائے گئے جو بعد میں شیرازہ کی زینت بن گئے۔ اسی طرح ملکی سطح کی ادبی اور سیاسی شخصیات مثلاً سیّد محی الدین قادری زور، پنڈت جواہر لال نہرو، علامہ اقبال اور منشی پریم چند کے بارے میں خصوصی نمبروں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ریاستی مشاہیر مثلاً شیخ نور الدین نورانی، للہ دید، حسن کھویہامی، محمد دین فوق، رسا جاودانی، خواجہ غلام محمد صادق اور شیرِ کشمیر کے بارے میں بھی خاص نمبروں کی تدوین و اشاعت عمل میں لائی گئی، ۱۹۶۱ء میں جشنِ جموں کے موقع پر کُل ہند سیمینار میں ریاست میں اردو، کشمیری، ڈوگری، پنجابی، ہندی اور سنسکرت زبانوں کے ادب پر ذیل کے مقالے شیرازہ کے سیمپوزیم[۱] اور ۲ میں شامل ہیں :-

کشمیری شاعری (حبہ خاتون سے وہاب پرے تک) ___ میر غلام رسول نازکی

کشمیر، اُردو کا اُبھرتا مرکز	حامدی کاشمیری
کشمیری شاعری (دورِ جدید)	رحمان راہی
کشمیری زبان و ادب کے چند مسائل	شمیم احمد شمیم
ڈوگری لوک گیت	رام ناتھ شاستری
ڈوگرا پہاڑی مصوری	سنسار چند
ڈوگری ادب، دورِ جدید	بنسی لال گپتا
ریاست میں پنجابی کا ارتقاء	شریمتی سرجیت مہندر سنگھ
جموں و کشمیر میں ہندی کی ترویج	دھرم چند پرشانت
دت کوی	گوری شنکر
ریاست میں سنسکرت ادب کا ارتقاء	اننت رام شاستری

علاوہ ازیں تاریخ و ثقافت کی شق میں تاریخ جموں کا ایک سُنہرا باب (گوردھن سنگھ)۔ ڈگر کے قدیم باشندے (ہنسراج پنڈوترا) اور عہد سلاطین میں کشمیر کی تمدنی ترقی (صاحبزادہ حسن شاہ) شاملِ اشاعت ہیں، عام شماروں میں ریاستی ادب اور ثقافت کے بارے میں جو قیمتی مضامین چھپے ہیں، اُن میں سے چند یہ ہیں :-

کشمیری لوک ادب :- ایک مطالعہ	اختر محی الدین
کشمیری زبان کی مثنویاں	غلام نبی خیال
ڈوگری ادب کا نیا دور	وشوا ناتھ کھجوریہ
دور سلاطین کشمیر اور موسیقی	نشاط انصاری
کشمیری زبان میں بچوں کا ادب	وسیم اختر
بڈشاہی عہد اور کشمیری ادب	اوتار کرشن رہبر

کشمیر میں پنجابی محاورات اور کہاوتیں	سیوا سنگھ
قدیم سنسکرت کا کشمیری شاعر، بلہن	گنگادت شاستری
کشمیری شاعری میں طنز و مزاح	پشکر بھان
کشمیری موسیقی، ایک مطالعہ	قیصر قلندر
کاشُر، چند امتیازی خصوصیات	اقبال ناتھ
جموں و کشمیر میں آزادی کے بعد اُردو زبان	شمیم احمد شمیم
جموں میں اردو، حال اور مستقبل	منظر اعظمی
کشمیری شاعری میں جدید رجحانات	محمد یوسف ٹینگ
صوبہ جموں میں اردو	ظہور الدین
جموں و کشمیر میں اردو زبان و ادب کے مسائل	سیف الدین سوز
کتھا سرت ساگر	کاشی ناتھ در
لداخ، مختلف نام اور انکی تاریخ	عبد الغنی شیخ
مرزا محمد افضل سرخوش کشمیری	عبد الاحد رفیق
پنڈت دیارام کاچرو خوشدل	مولوی محمد ابراہیم

محولہ بالا اور ہیچو دیگر سے مضامین میں ریاست کے ادبی اور تہذیبی ورثے کو منظرِ عام پر لانے کے علاوہ ایسے مقالے بھی شامل اشاعت ہوتے رہے جو کشمیری نژاد شخصیات سے متعلق رہے ہیں۔ ان میں مرزا داراب جویا (عبد الاحد رفیق)، مرزا مہدی مجرم کاشمیری (محمد ابراہیم)، عبد الرسول استغنا کشمیری (عابد رضا بیدار)، کشمیر کا ایک ممتاز صحافی اور مصنف، فوق (علی محمد خان)، تاراچند بسمل (موتی لال ساقی)، سیف الدین تارہ بلی (محمد امین رفیقی)، آچاریہ اودھ بھٹ (گنگادت شاستری ونود)
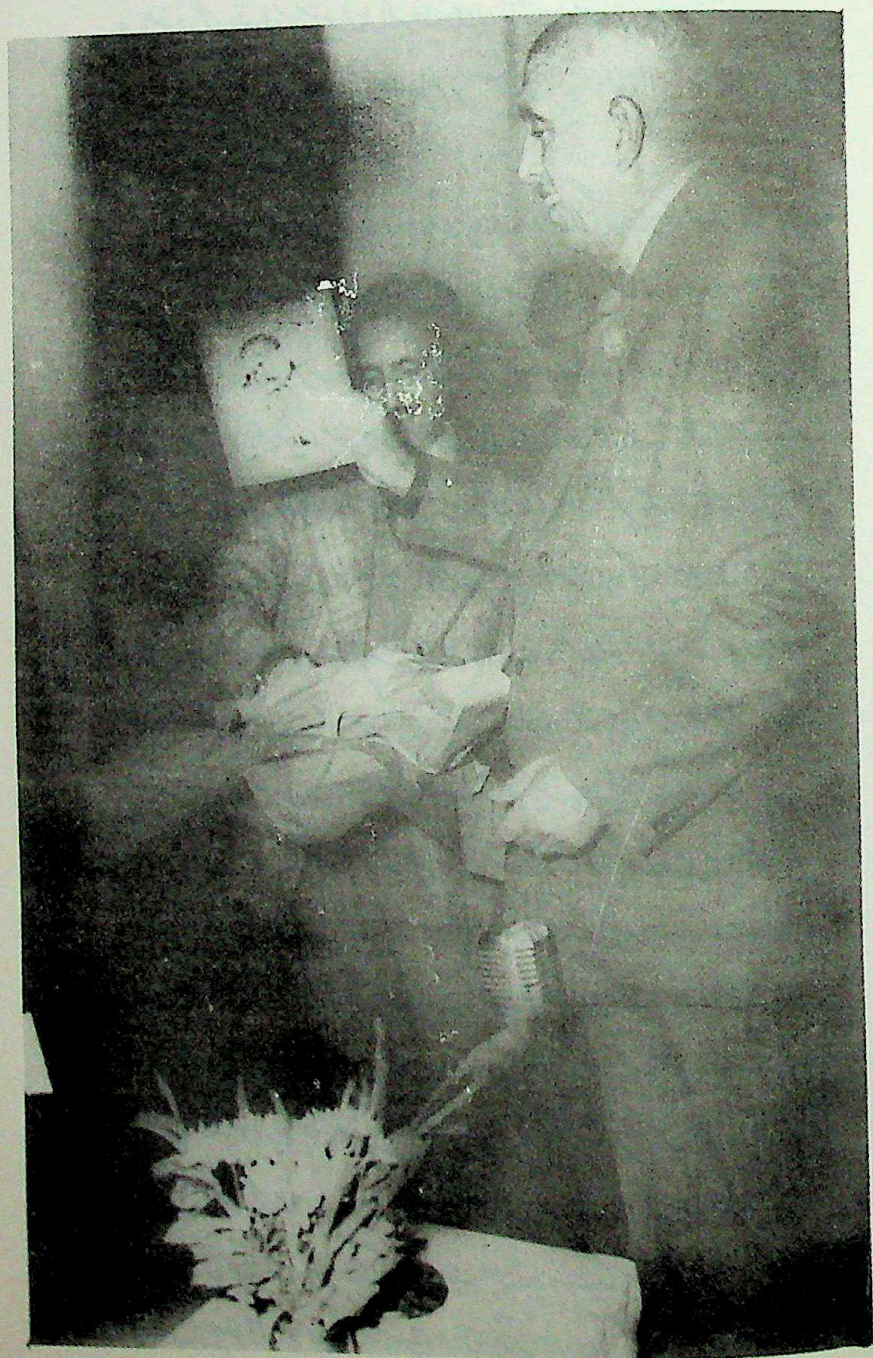
صمد میر (موتی لال ساقی)، مورخ حسن کا شاعرانہ مقام (رشید نازکی)، مرزا عبدالغنی بیگ قبول کاشمیری (اکبر حیدری)، پنڈت وشوا ناتھ ماہ کشمیری (ہریش حیدر سیٹھی)، حضرت شیخ العالم (مشعل سلطانپوری) اور شیخ یعقوب صرفی (غلام نبی خیال)۔

ریاست کی ثقافت کی ماہیت، وسعت، رنگارنگی اور سیکولر مزاج کو ایک مربوط انداز میں منظر عام پر لانے کے لئے ۱۹۶۶ء میں ثقافت نمبر جیسا وقیع، متنوع اور یادگار نمبر مرتب کیا گیا۔ اس تاریخی نمبر کے حرف آغاز میں محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں "اس نمبر میں ہماری ثقافت کے ارتقاء کا ایک عکس اُتارنے کی کوشش کی گئی۔ کشمیر کی تہذیبی روایات بڑی قدیم اور عظیم ہیں، لیکن یہ ہمیشہ ایک عظیم تر تہذیبی لہر سے وابستہ رہی ہے۔ ہندوستان کی وسیع فضاؤں سے تہذیبی جھونکوں کا یہ تبادلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ اس نمبر میں ریاستی تمدن کے متحدہ تصوّر کے مختلف گوشے اُبھرتے ہیں، اور ساتھ ہی اس کے ملک کے وسیع تر تہذیبی تصورات سے ہم آہنگی کے ابعاد آئینہ ہوتے ہیں۔ اس نمبر میں شیام لال سادھو نے کشمیر کا ریشی مسلک، تہذیبوں کا سنگم، پریم ناتھ بزاز نے کشمیر میں سیکولرازم کی اہمیت، جے، این، گنجھار نے کشمیر اور بدھ مت، جے، ایل، کول نے عوام کی خود ذاتیت اور کشمیر، علی محمد لون نے کشمیری لوک شاعری، موتی لال مصری نے ہماری سیاسی اور اقتصادی قدریں، بلجی ناتھ پنڈت نے کشمیر کی خصوصی روایات، نیلامبر دیو شرما نے ڈوگری شاعری میں انسان دوستی کی روایت، اختر محی الدین نے ہماری مشترکہ میراث، لوک ادب، اور محمد امین رفیقی نے کشمیر میں تہذیبی رواداری کی روایت میں ریاست کی تہذیبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ مزید برآں بیرون ریاست کے نامور ادیبوں نے

مُلکی تہذیب کے متحدہ تصور کی نشاندہی کی ہے۔

اس سے شیرازہ کی دوسری اہم خصوصیت کی طرف ہماری توجہ منعطف ہوتی ہے، وہ یہ کہ اس کا ترسیلی اور اشاعتی دائرہ کار صرف ریاست ہی تک محدود نہیں رہا ہے۔ حالانکہ علی جواد زیدی نے مئی ۶۲ء کے شمارے میں اسے ریاست کے مختلف لسانی گروہوں میں رابطے کا ایک اہم وسیلہ قرار دیا تھا اور لکھا تھا "شیرازہ اپنے مضامین کے ذریعے ایک زبان کو دوسری زبان کے قریب، ایک فن کو دوسرے فن کے نزدیک، اور ایک علاقے کی روایات کو دوسرے علاقے کی روایات کے متصل لانے کی لگاتار کوشش کرتا رہے گا، انہیں وجوہ کی بنا پر میں شیرازہ کو اردو کے تمام رسالوں سے مختلف سمجھتا ہوں، یہ ریاستِ جموں وکشمیر کا اپنا رسالہ ہے، اور اسے اس خصوصیت پر ناز ہے"۔ یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ رسالہ اس مقصد کی تکمیل کی طرف متوجہ رہا، یہ "جموں وکشمیر کا اپنا رسالہ بنا رہا ہے"۔ لیکن اس کے دائرہ کار کو کشمیر تک ہی محدود کرنا، ثقافت اور ادب کے ملکی بلکہ بین الاقوامی کردار کی نفی کے مترادف تھا، اور اس کا احساس رسالے کے مدیروں کو رہا ہے۔ چنانچہ اس کے ہر شمارے میں بیرونِ ریاست کی زبانوں کے ادب بالخصوص اردو ادب سے متعلق مضامین اور منظومات کو کھلے دل سے جگہ دی گئی۔ اس طرح سے یہ رسالہ ریاست کی مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ملکی تقاضوں کی تکمیل بھی کرتا رہا۔ اس عمل کو موثر بنانے کے لئے مستند نقادوں اور قلم کاروں کا تعاون حاصل کیا جاتا رہا، ان میں سید احتشام حسین، سید محی الدین قادری زور، خلیل الرحمن اعظمی، علی عباس حسینی، راجندر ناتھ شیدا، مسعود حسین خان، اختر انصاری،

گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر عابد حسین، عبدالقادر سروری، غلام ربّانی تاباں اور نصیر الدین ہاشمی قابلِ ذکر ہیں۔ اِن حضرات نے اردو ادب و ثقافت کے وسیع تر پہلوؤں کے بارے میں اپنے خیالات پیش کئے ہیں، ثقافت نمبر کو لیجئے، اِس میں ریاستی ثقافت کے علاوہ ہندوستانی ثقافت کے بارے میں درجِ ذیل اہم مضامین شامل ہیں :۔

ہندوستانی قومیت کے اجزائے ترکیبی	علی جوّاد زیدی
اردو ادب کا سیکولر مزاج	جگن ناتھ آزاد
غالبؔ کی شاعری میں ہندوستانی مزاج	عبدالقادر سروری
ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں	صباح الدین عبدالرحمان
ہند ایران طرزِ تعمیر کا اُبھار اور خصوصیات	مبکش اکبر آبادی
جنگِ آزادی کا ایک اولوالعزم مجاہد	صاحبزادہ شوکت علی خان
ہندوستان کا دستور، سیکولرازم کا مظہر	بشہباز حسین

شیرازہ نے بلاشبہ ریاست میں ادبی سرگرمیوں کے لئے سازگار فضا کو استوار کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ مختلف زبانوں بالخصوص کشمیری، ڈوگری اور اُردو کے لکھنے والوں کی نگارشات کی اشاعت کا موثر ذریعہ بنا رہا ہے خاص کر اردو کے قلمکاروں کے لئے، جو بیرون ریاست نشر و اشاعت کے اداروں پر قابض لوگوں کی رعونت اور بے اعتنائی کے مستقلاً شکوہ سنج رہے ہیں۔ شیرازہ ایک دلنواز رفیق کی طرح اُن کی ترجمانی کا حق ادا کرتا رہا، شیرازہ نے خاص طور پر نئی نسلوں کے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، اِس کا ثبوت وہ نوجوان نمبر ہے، جو ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اِس سے قبل اکتوبر ۱۹۷۹ء میں بھی ایک ایسا ہی نمبر منظرِ عام پر آگیا ہے، اِن

نمبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے لکھنے والوں کا ایک تازہ دم گروہ سامنے آیا ہے، ستمبر ۸۰ء کے نمبر میں محمد احمد اندرابی (مدیر) لکھتے ہیں۔ "ہماری ریاست میں بھی ملک کے دوسرے حصوں کی طرح نوجوان قلمکاروں کا ایک قافلہ سرگرم سفر ہے جنکی تخلیقات ہمیں ملتی رہتی ہیں۔" ان نمبروں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شیرازہ نے ریاست میں اردو زبان و ادب کو مقبول بنانے میں کتنا اہم رول ادا کیا ہے۔ اہل ریاست کو اردو سے جو ذہنی اور جذباتی لگاؤ رہا ہے اُسی کی بنا پر، ذرایع ابلاغ کی عدم موجودگی کے باوجود، وسط صدی تک اپنی ذاتی لگن اور ریاضتِ پیہم سے جموں اور سری نگر کے اہلِ قلم اردو کو ذریعۂ اظہار بناتے رہے اور اُنہوں نے پورے برّصغیر میں اپنی اہمیت منوائی۔ اِن بزرگوں میں ہرگوپال خستہ، حبیب کیفوی، اثر صہبائی، قیس شروانی، طالب کشمیری، شہ زور، غلام رسول نازکی، منوہر لال دل، میکش، رسا جاودانی، کشن سمیلپوری اور عشرت کاشمیری قابل ذکر ہیں۔ لیکن حصولِ آزادی کے بعد ریاست میں اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ تفویض ہونے اور نشر و اشاعت کے جدید ذرایع یعنی ریڈیو، انفارمیشن اور دوردرشن کی فراہمی اور خاص کر اردو رسایل مثلاً 'تعمیر' اور 'شیرازہ' کی اشاعت سے اردو کیلئے ایک سازگار ماحول قائم ہوا۔ نتیجے میں نئی نسلیں اِس زبان کی طرف زیادہ سرگرمی، اعتماد اور موانست سے راغب ہوئیں۔ اور آج بیسیوں نوخیز لکھنے والے ایک قافلے کی صورت میں سرگرم سفر ہیں۔ اِس قافلے کا اثر و نفوذ اتنا مادی ہے کہ مدیر شیرازہ کو لکھنا پڑا "یہ طے پایا کہ نوجوان قلمکاروں کی تخلیقات پر مبنی ایک خصوصی شمارہ ہر سال شایع کیا جائے۔" ظاہر ہے یہ اردو کی ترقی کے لئے ایک فالِ نیک ہے، اِس ضمن میں شیرازہ کے اردو کانفرنس نمبر (۱۹۸۱ء) کا

ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ یہ نمبر اُن مقالات پر مُشتمل ہے جو دو روزہ کل ہند اردو کانفرنس (منعقدہ جموں) میں پڑھے گئے۔ اِس نمبر کی افتتاحی تقریر میں محترم شیخ صاحب (صدر اکادمی) نے ریاست میں اردو زبان کی اہمیت کے بارے میں ایک اہم نکتے کا ذکر کیا ہے، کہتے ہیں "کوئی بھی صاحب ذہن شخص اِس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ایک صدی بھر سے اردو ریاست کی تین اکائیوں، کشمیر، جموں اور لداخ میں رابطے کی زبان کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتی آئی ہے۔ اور اسی زبان میں آئندہ یہ فرض ادا کرنے کی اہلیت ہے، ایک قدم آگے یہی زبان پورے ملک کے ساتھ ہمارے رابطے کی زبان کا کام دیتی آ رہی ہے۔ اردو زبان کی اسی اہمیت کے پیش نظر ۱۹۸۰ء میں اکادمی کی مرکزی کونسل نے، جسکی صدارت شیخ صاحب کر رہے تھے۔ شیرازہ کو ماہانہ کر دیا۔ یہ شیرازہ کی ترقی کے ضمن میں ایک اہم قدم ہے۔ چنانچہ اب یہ ماہ بہ ماہ ہوگیا ہے۔

شیرازہ کا نئی نسلوں سے رابطہ قائم کرنے کا تعمیری رویہ اِس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ یہ تہذیب و فکر اور ادب کو زمانی قیود سے ماورا سمجھتا ہے اور اسے ایک مسلسل بہاؤ کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ عصرِ حاضر میں دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کے بدلتے ہوئے حالات میں رویوں اور نظریوں میں تبدیلیوں سے چشم پوشی نہیں کرتا، یہی وجہ ہے، کہ جہاں اِس رسالے میں قدیم ادب کی تازہ تحقیق پر مقالے ملتے ہیں، جدید ادب کی تجربہ پسندیوں کے بارے میں بھی گرانقدر مواد دستیاب ہے، یہ رسالہ نیم تاریک تہہ خانوں میں گرد آلود اور شکستہ خط مخطوطوں میں پنہاں جواہر پاروں سے بھی اپنا دامن بھرتا رہا ہے، اور نئی حسیّت کے دشت و سراب

روشن فضاؤں میں قدم رکھنے اور نئی ادبی حسیت کے مختلف پہلوؤں کی موثر مرقع کاری کے عمل کے مظہر ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ ۱۹۷۳ء میں جدیدیت سے متعلق مقالات کی اشاعت سے شیرازہ کے مزاج و آہنگ میں گہری تبدیلی آگئی ہے جو اُسی سن میں میری حقیر کوششوں سے قدرے واضح شکل اختیار کر گئی، یہ تبدیلی اب اس کے مزاج کا ایک مستقل حصہ بن چُکی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جتنے بھی شُمارے شائع ہوئے وہ جدید حسیت سے متعلق متعدد نگارشات سے مزین ہیں۔ رسالے کی اس کیفیتی تبدیلی کو پورے ملک میں نظرِ استحسان سے دیکھا گیا۔

شیرازہ کا وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ریاست کے قدیم ادب کے دائرے سے نکل کر وسیع تر تہذیبی دائرے میں شامل ہونا اور پھر جدید ادبی رجحانات سے ہم رشتہ ہونا اس کے فعال حرکی اور زندہ وجود کا ثبوت ہے۔ لیکن ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، کہ شیرازہ کے مزاج کی تبدیلی، جواب خاصی نمایاں ہو رہی ہے، اس کے بنیادی دائرۂ کار اور مقصدیت یعنی کشمیریات کی ترجمانی سے انحراف کے عمل کو ظاہر تو نہیں کرتا؟ ایک ضمنی سوال یہ بھی ہے کہ شیرازہ کا ہر شُمارہ چند غزلوں، نظموں اور افسانوں کے علاوہ دو تین تحقیقی، تنقیدی مقالات پر مُشتمل رہے تو دوسرے رسائل کے مقابلے میں اس کا نشانِ امتیاز کیا ہوگا؟ یہ دونوں سوالات ہم سب کیلئے توجہ طلب ہیں۔

ذاتی طور پر ایک قاری کی حیثیت سے میں شدت سے اس بات کے حق میں ہوں کہ یہ رسالہ ترجیحاً کشمیریت سے متعلق رہے۔ مگر کشمیریات تک ہی محدود نہ رہے بلکہ ملک گیر تہذیبی اور ادبی تحریکات و رجحانات کا احاطہ کرے۔ ہم روشنیوں کے طلب گار ہیں اور روشنی جہاں سے بھی ملے،

ہم دل ونظر کے دریچے وا رکھیں گے۔ لیکن شیرازہ کے حالیہ شماروں میں کشمیریات کا حصہ، حصۂ غالب کے بجائے معمولی سا حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۸۲ء کے آٹھ شماروں میں معمولی سے دو مضامین کشمیر کے ادیبوں کے بارے میں ہیں، جبکہ بقیہ مضامین عمومی نوعیت کے ہیں۔ دوسرے سوال کا جہاں تک تعلق ہے، وہ بھی فوری توجہ چاہتا ہے۔ رسالہ اگر معمولی درجے کی منظومات، افسانوں اور چند ایک عمومی نوعیت کے مضامین پر مشتمل ہو تو اس کا تشخص مشکوک ہو جائے گا۔ اس صورت میں پرچہ تو رسماً نکلتا رہے گا، مگر اپنی معنویت اور اختصاصیت سے محروم ہو گا۔ اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ پایہ کے تنقیدی اور تحقیقی مقالات کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کیا جائے۔ جہاں تک منظومات اور افسانوں کا تعلق ہے ان کا سختی بلکہ بے دردی سے انتخاب کیا جائے، یہ کہنے کی ضرورت اسلئے پڑ رہی ہے کہ حالیہ شماروں میں بالعموم دوسرے اور تیسرے درجے کی منظومات اور افسانے رسالے پر قابض نظر آتے ہیں۔ شیرازہ کے مرتبین نے جانفشانی اور لگن سے رسالے کو ملک کے ادبی رسائل میں جو منفرد و ممتاز مقام دلایا ہے، اُسکا تحفظ کرنا بیحد ضروری ہے۔ مسئلہ صرف اسکے تحفظ کرنے کا ہی نہیں بلکہ اسکی انفرادیت اور تشخص کے نشانات کو روشن تر کرنے کا بھی ہے۔ اس مسئلے سے نپٹنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے معیار کو خوب سے خوب تر بنایا جائے۔ اس کے علاوہ اس کے صوری حسن کو دوبالا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اشاعت کی باقاعدگی کو یقینی بنایا جائے۔ یہ کام صرف رسالے کے مدیروں کا ہی نہیں، بلکہ ہم سب کا ہے:-

●

تاریخ:۔ ۲۵ر مارچ ۱۹۶۴ء

پہلی نشست

مقالہ :۔ اُردو شیرازہ ۔ ایک جائزہ

مقالہ نگار:۔ ڈاکٹر حامدی کاشمیری

ایوان صدارت :۔ دینا ناتھ نادم ۔ پدما سچدیو

بلراج پوری ۔ صوفی غلام محمد

سوالات و آراء:۔

شرکائ۔ • محمد اسد اللہ وانی :۔ مجھے بھی پانچ چھ برس اس رسالے کے ساتھ منسلک رہنے اور کام کرنے کا موقعہ نصیب ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ "شیرازہ" جسے ماہنامہ کر دیا گیا ہے اس کا بوجھ ایک شخص کے سر پر ہے جس سے اور بھی کئی کام لئے جاتے ہیں۔ جب ہم دوسرے رسائل کا اس سے مقابلہ کرتے ہیں و موازنہ کرتے ہیں تو یہ واقعی ارفع اور اُونچا رسالہ لگتا ہے۔ اُن رسالوں میں کام کرنے والے جو ہیں، اُن کی ایک ٹیم ہوتی ہے۔ یہاں جو یہ ایک آدمی کے سر اس کا کام ہے اسلئے ہمیں ایک ساتھ کم از کم چھ شمارے ملتے ہیں۔ اس طرح سے جس طرح ہم دیگر رسائل کا بے چینی سے اِنتظار کرتے رہتے ہیں، وہ چیز باقی نہیں رہتی۔ اس طرف اکادمی کو دھیان دینا چاہیئے۔

'شیرازہ' میں جن لوگوں کو جگہ ملتی ہے اس سلسلے میں کیا معیار ہے؟ جس طرح حامدی صاحب نے بھی کہا کہ کچھ نام بار بار دہرائے جاتے ہیں یا

اس پر قابض نظر آتے ہیں۔ اس میں ایسی نظمیں بھی چھپتی ہیں جو کچھ یوں ہوتی ہیں "نونے۔ بھری برسات میں بے راہ کر دیا" یہ نظم اس میں شامل نہیں لیکن ریاست کے کہنہ مشق شعراء کو جگہ نہیں ملتی۔ مواد کے لئے یا تو لکھنے والوں کی کھوج کرنا ہوگی یا پھر جو نگارشات ادیبوں اور شاعروں کی طرف سے ملیں چھاپنا ہونگی۔ پہلی بات زیادہ اچھی ہوگی۔ ریاست کے شہروں جموں اور سرینگر کے علاوہ بھی یہاں ایسے علاقے ہیں۔ پونچھ، راجوری، ڈوڈہ وغیرہ جہاں اچھے لکھنے والے موجود ہیں، ان میں سے بھی دو تین کے سوا کوئی نہیں چھپتا۔

حامدی صاحب نے کہا کہ شیرازہ میں مقامی ادیبوں کو نمائندگی ملنی چاہیئے۔ میں اُن سے سوال کرتا ہوں کہ جب وہ اس رسالے کے اعزازی مدیر تھے تو اُس زمانے میں اُنھوں نے سوائے چند ایک کے "ریاست کے کن لوگوں کو شیرازہ میں جگہ دی"۔

- خالد حُسین :۔ میں مقالے کی آخری سطور سے متفق ہوں۔ معیار کی طرف دھیان دیا جانا چاہیئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید پنجابی شیرازہ ہی اس سلسلے میں سرِ فہرست ہے لیکن مقالہ سُن کر معلوم ہوا کہ اُردو میں بھی معیار کا مسئلہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو ادیب یا شاعر اکادمی کے رسائل میں چھپتے ہیں کیا وہ واقعی ادیب اور شاعر ہیں۔ اس کا خاص خیال رکھا جانا چاہیئے۔

- رشید نازکی :۔ مقالہ میں شیرازہ کی تعریف اور اسکے لینڈ مارکس کے بارے میں بہت اچھی باتیں کہی گئی ہیں لیکن ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء تک کے شماروں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟ کیا اس دوران کوئی قابلِ ذکر شمارہ شائع نہیں ہوا؟

• عبدالرشید کابلی:۔ حامدی صاحب نے شیرازہ پر جو تبصرہ کیا اِس میں اُنہوں نے کہا کہ کشمیریات کی طرف خاص طور توجہ دی جانی چاہیئے۔ شیرازہ اُردو میں چھپتا ہے۔ میں اُن سے کہونگا کہ اردو جو ہماری سرکاری زبان ہے کشمیریت یا کشمیر صوبے تک ہی محدود نہیں یا جموں میں کشمیری بولنے والوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ہمارا قیمتی ورثہ ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اُردو جیسی زبان ملی ہے۔ کرشن چندر نے کشمیر کو "منی ہندوستان" کہا تھا۔ یہاں پر علم و ادب اور ثقافت کے چشمے پھُوٹ رہے ہیں اور اُن کا سنگم اُردو زبان ہے۔ جموں و کشمیر کو مؤثر اور موزون طریقے پر پیش کرنے کے لئے اِس سے بڑھ کر کوئی اور وسیلہ نہیں۔ شیرازہ میں پوری ریاست کے بارے میں اور اسکی ثقافت کے بارے میں لکھا جانا چاہیئے جیسا کہ مجھ سے پہلے کہا گیا کہ کئی کئی شمارے ایک ساتھ ملتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اِس سے رسالے اور قاری کے درمیان رابطہ نہیں رہتا۔

اکیڈیمی کے ذریعے بھی اُردو نظر انداز ہو رہی ہے۔ اسے بھی دوسری زبانوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ ٹینگ صاحب نے جب آج ریاستی زبانوں کا ذکر کیا تو آخر میں اُردو کا ذکر آیا اور ہندی کا بھی۔ ہندی تو پورے ہندوستان کی قومی زبان ہے۔ لیکن اُردو ہماری سرکاری زبان ہے۔ سرکاری زبان ہونے کے ناطے اسکی طرف خاص توجہ دی جانی چاہیئے۔ پورے ہندوستان میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں اسکے لکھنے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں یا جن کی یہ

مادری زبان ہے۔ اور پورے ہندوستان کی تہذیب میں اس زبان کا ایک مقام ہے۔ اسلئے شیرازہ پر پورے ہندوستان کی نگاہیں ہیں۔ نہ صرف شیرازہ پر بلکہ اکیڈیمی کی دوسری مطبوعات پر بھی۔ اکادمی کے بجٹ میں اُردو کی ترقی کے لئے الگ سے ایک خاص رقم مخصوص ہونی چاہیئے۔

اکیڈمی اگرچہ ایک خود مختار ادارہ ہے لیکن سرکار سے تو اس کا واسطہ ہی ہے کیونکہ یہ بھی بالآخر اسی کا ایک حصّہ ہے۔ اسکا رسالہ آزاد ہونا چاہیئے اور اسکے لکھنے والوں پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ عام لوگوں میں یہ تاثر بھی ہے کہ یہ ایک سرکاری رسالہ ہے۔ اس تاثر کو بھی دور کرنا ہوگا۔

- دینو بھائی پنت :۔ اُردو ہماری ریاست کی سرکاری زبان ہے۔ اور اسکا مقصد کسی بھی علاقائی زبان کو کھاجانا نہیں بلکہ جو کچھ ان زبانوں میں لکھا جارہا ہے، تخلیق ہورہا ہے اس میں سے بہترین کو پورے ہندوستان میں اسی (اُردو) کے ذریعے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسطرح سے ہم لوگ جو پہاڑوں اور مشکل رہگزروں کی وجہ سے ایک دوسرے سے بہت کم مل پاتے ہیں، شیرازہ کے ذریعے ایک دوسرے کی بات سُن سکتے ہیں اور اپنی بات کہہ کر ایک دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہی تو ہمارے مابین رابطے کی زبان ہے

- محمد امین بانہالی :۔ اِس رسالے میں ہم ہی تو چھپتے ہیں۔ شیرازہ ہم ہی سے تو ہے۔ ہم ہی اِس کے تخلیق کار ہیں۔ اس لئے ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا ہوگا۔

• بلراج کمار:۔ حامدی صاحب نے شیرازہ کی اشاعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کے اُن ادیبوں کو اس میں جگہ ملنی چاہیئے جنکے ساتھ ہندوستان کے رسائل میں زیادتی ہونی ہے تاکہ انہیں جائز حق دلایا جائے۔ ناانصافی والی بات میرے حلق سے نہیں اُترتی۔ فن اور تخلیق کا ایک معیار ہوتا ہے۔ اگر تخلیق معیاری ہوگی تو اسے ضرور جگہ ملے گی۔ تخلیق کار کا کس علاقے سے تعلق ہے اس کا فن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ کسی وقت جگہ نہ ملنے میں گروہ بندی یا مدیر صاحبان کی ذاتی پسند یا ناپسند کو بھی دخل ہو۔ یہ بھی غلط بات ہے۔ لیکن یہ ایک غلط رجحان ہے کہ چونکہ یہ رسالہ ہماری ریاست کا رسالہ ہے اسلئے اس میں صرف ریاستی ادیبوں کو ہی چھاپا جانا چاہیئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب بھی اُردو کے بارے میں یہاں بات ہوتی ہے تو ریاست کی دوسری زبانوں کی باتیں زیادہ اور اُردو کی کم ہوتی ہیں۔ اُردو کانفرنس میں بھی اُردو کے بجائے دیگر زبانوں کی باتیں ہی کی گئیں حالانکہ مندوبین حضرات کو تمام تر خرچہ اُردو کے کھاتے سے دیا گیا۔ یہ ایک غلط رجحان ہے۔ آخر پر ایک شعر حامدی صاحب کی نذر ہے۔ ؎

جہاں کو جلوہ گہہ اشک و آہ کرتے رہے
بسے بسائے گھروں کو تباہ کرتے رہے

یہ حامدی صاحب کا ہی شعر ہے۔

• منشور بانہالی:۔ یہاں پر جو کچھ کہا گیا اس سے بہت سے گوشوں سے پردہ ہٹا۔ میری ایک تجویز ہے کہ "شیرازہ" کو کم از کم ریاست کے

تمام تعلیمی اداروں میں بھیجا جانا چاہیئے تاکہ وسیع پیمانے پر لوگ اِس سے وابستہ ہوسکیں۔ یہ اِسلیئے بھی ضروری ہے کہ یہ رسالہ ریاست میں سبھی جگہوں پر نہیں ملتا۔

● ست پال آنند :۔ ریاست کی سبھی زبانوں کے ادب کو "شیرازہ" اردو میں جگہ ملنی چاہیئے۔

● پروفیسر عبدالاحد :۔ یہ مقالہ لکھنے کے لئے حامدی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مقالے میں بار بار معیار کی بات کی گئی ہے۔ اگر معیار سے مطلب الفاظ کی تشکیل اور خوبصورت الفاظ کی پیشکش ہے تو یہ اس رسالے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ میرے خیال میں CONTENT (مواد) کا زیادہ خیال رکھا جانا چاہیئے۔ رسالے کو اپنے گرد و پیش اور اپنے معاشرے کا عکاس ہونا چاہیئے۔ اس میں نہ صرف ادبی بلکہ سائنس، اقتصادیات، تاریخ اور دیگر موضوعات پر بھی مضامین چھاپے جانے چاہیئں۔

● برتپال سنگھ بیتاب :۔ اپنے مقالے میں حامدی صاحب نے ایک بات کا ذکر کیا ہے جو انہیں نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ کہ پچھلے دو چار سال سے اس پر کچھ لوگوں نئی نسل یا گروپ کا قبضہ دکھائی دیتا ہے، شاید اِس دوران کچھ چیزیں معیاری بھی نہ ہوں۔ ہم نے ۱۹۶۲ء سے آج تک جو شُمارے دیکھے ہیں اِس میں شک نہیں کہ کہیں کہیں اُن میں بھی غیر معیاری چیزیں شامل ہیں بلکہ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۶ء تک کے دوران بھی کئی غزلیں ایسی ہیں جن میں مصرعے بے وزن ہیں۔

ایک صاحب نے ابھی ایک مختصر نظم "بھری برسات میں بے راہ کر دیا" ہے

حوالے سے ایک شاعر کا ذکر کیا جو انہیں کرنا نہیں چاہیے تھا جس شخص کی طرف اُن کا اشارہ تھا۔ "شیرازہ" میں چھپنے سے پہلے وہ اُردو کے اچھے رسائل میں، جن میں "شب خون" بھی شامل ہے، چھپ چکا ہے۔

بینت جی نے ابھی کہا کہ اُردو چونکہ ہماری سرکاری زبان ہے، اسلئے اُردو 'شیرازہ' کے ذریعے ریاست کے تمدّن کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔ آپ لوگ ایسا کر سکتے ہیں لیکن اِس صورت میں آپ کو اُردو کے لئے دیگر زبانوں کی طرح الگ سے ایک رسالے کا انتظام کرنا ہوگا۔ اِسکو صرف ریاست تک محدود کرنا اِس کے ساتھ ناانصافی ہے کیونکہ اُردو صرف ریاست ہی کی نہیں، ہندوستان، پاکستان اور اِس سے باہر بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس حیثیت سے ہمیں شیرازہ میں نہ صرف برِّصغیر بلکہ دوسرے ممالک میں تخلیق ہو رہے ادب کو بھی جگہ دینی چاہیئے تاکہ ریاست کے لوگوں کو پتہ چل سکے کہ اِن ممالک میں اُردو میں کیا کچھ لکھا جا رہا ہے۔

• فاروق نازکی :۔ اِس پُر مغز اور پُر وقار مقالے کے لئے میں اپنے استادِ محترم کو مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اپنے مقالے میں اُنہوں نے علی جواد زیدی کے اس اداریئے کا بھی ذکر کیا جو اُنہوں نے شیرازہ کے منصۂ شہود پر آنے کے موقع پر سپردِ قلم کیا تھا۔ اِس میں زیدی صاحب نے شیرازہ کے مقاصد اور فارمیٹ کی نشاندہی کی تھی اور کہا تھا کہ ہم نے اِسے خاص مقصد کے لئے شائع کیا ہے کہ اِس میں ریاست کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کے بارے میں باتیں ہونگی۔ لیکن شیرازہ وہیں تک محدود نہیں رہا اور ایک اہم بات یہ ہوئی کہ اُردو ادب میں بالخصوص

اُردو شاعری اور تنقید میں اِن ۲۰ برسوں میں جتنے بھی انقلابات رونما ہوئے اُن کے ساتھ شیرازہ نے جو قدم سے قدم ملاکر چلنے کا ثبوت دیا ہے اُس کی نشاندہی مقالے میں نہیں کی گئی ہے ۔ یہ رسالہ بھی پہلے ایک مقصد کے لئے شائع ہوا تھا ،تعمیر، اور ،یوجنا، وغیرہ کی طرح جیسے کہ سرکاری رسائل ہوتے ہیں کہ اِس میں ریاست کی تمدنی اور ثقافتی زندگی کی عکاسی کرنا مقصود تھی۔ اِس کے بعد شیرازہ کا CONTRIBUTION جو رہا ہے وہ یہ کہ نہ صرف ہمارے یہاں اِن ۲۰ برسوں میں جو انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں ،شیرازہ، اِن ساری تبدیلیوں کے ساتھ نہ صرف قدم مِلاتا چلتا رہا بلکہ اپنے لیئے منفرد جگہ بھی بنا گیا اور آج اِس رسالے کو ،نقوش، سیپ، اور دوسرے رسائل کے، جو بر صغیر میں چھپتے ہیں، ہم پلہ سمجھنے میں ہمیں کوئی شرم نہیں ہوگی اور بعض مقامات پر یہ اُن سے بھی بازی لے گیا۔ تنقیدی نظریے میں جو تبدیلی آئی اور ایک سائنسی نظر اپنائی گئی ،شیرازہ، اِس کا بھی ترجمان و غماز ہے ۔ اِن باتوں کا ذکر مقالے میں ضرور ہونا چاہیئے تھا۔

- مجروح رشید :۔ دوسری باتوں کے علاوہ حامدی صاحب کے مقالہ میں "نوجوان نمبر" کے اجراء کا بھی ذکر ہے ۔ جب کوئی شخص فن اور ادب کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو پھر نوجوان یا بوڑھے کی قید نہیں رہتی ۔ یہ ادیبوں کے ساتھ ناانصافی ہے ۔ میں اِس نمبر کے اجراء کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ اِس طرح سے وہ لوگ جنہیں تھوڑی بہت حوصلہ افزائی ملتی ہے بگڑ جاتے ہیں۔
- سوم ناتھ ویر :۔ شیرازہ صرف ان لوگوں کو بھیجا جاتا ہے جو اُردو میں

لکھتے ہیں، اُردو کے ادیب ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُردو کا یہ رسالہ کشمیری ادیبوں کو بھی بھیجا جا سکے۔

• ڈاکٹر مرغوب بانہالی :۔ یہاں پر بار بار قباحت کی حد تک رسالے کے لئے "پرچہ" استعمال کیا گیا جو کہ بالکل غلط ہے۔ شیرازہ کی معیار بندی کے سلسلے میں، میں کہونگا کہ ہر سال ایک خاص شُمارے میں عالمی سطح پر اُردو کے معیاری فن پاروں کو اس میں جگہ دی جائے۔

• ڈاکٹر چمپا شرما :۔ حامدی صاحب کو یہ اطلاعی مقالہ لکھنے کے لئے مبارکباد۔ اُردو شیرازہ کے ذریعے پورے ریاستی ادب کی نمائندگی ہوتی چاہیئے۔ 'ہمارا ادب' میں بھی ریاست کے بارے میں لکھا جاتا رہا ہے۔

یہاں پر کچھ لوگوں نے کہا کہ معیار کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی کہا گیا کہ کچھ نام دُہرائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں متضاد بھی ہیں اور لازم و ملزوم بھی۔ اگر معیار کا خیال نہ رکھا جاتا ہو تو پھر ایسا نہیں ہونا۔ جب معیار کا خیال رکھا جائے گا تو صرف معیاری چیزیں ہی چھپیں گی۔ اور لازماً کچھ نام دہرائے جائیں گے۔ اس میں حوصلہ افزائی کے لئے نئے نام بھی چھپتے ہیں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ میری ایک تجویز ہے کہ 'شیرازہ' کا 'بال انک' بھی نکالا جائے تاکہ بچے بھی اس رسالے میں دلچسپی لیں۔

• ناظر کولگامی :۔ اُردو ریاست کی سرکاری اور ہماری رابطے کی زبان ہے۔ اس لحاظ سے اُردو 'شیرازہ' کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ اسمیں کس طرح کا مواد چھپنا ہے اس کی جانچ پڑتال کے لئے ریاست کی تینوں اکائیوں کے ادیبوں پر مشتمل ایک ایڈیٹوریل بورڈ قائم کیا جانا چاہیئے۔

• شہباز راجوروی :۔ جب ہم آج بیسویں صدی میں معیار کی بات کرتے ہیں تو معیار متعین کرنے کے لئے ہمیں ریاستی، ملکی، برصغیر اور عالمی سطح پر تخلیق ہو رہے ادب کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ کشمیر سے کونسا معیار قائم ہوگا اِس پر بھی سوچنا ہوگا۔

شیرازہ کو ریاست کے دور دراز علاقوں میں بھی بھیجا جانا چاہیئے۔

• جمیڈ گیلسن :۔ مقالہ اچھا تھا۔ اکیڈیمی بہت پیسہ خرچ کر کے مختلف زبانوں میں رسائل اور کتابیں شائع کرتی ہے لیکن دیکھنا ہے کہ کیا اِن زبانوں کے بڑھانے کا کوئی راستہ متعیّن ہے یا نہیں۔ شیرازہ میں ریاست کی تینوں اکائیوں کے ادیبوں کو جگہ ملنی چاہیئے۔

• پروفیسر سیف الدین سوز :۔ شیرازہ کا فائل میرے پاس بھی موجود ہے۔ فاروق نازکی صاحب نے جیسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے میری بات کہہ ڈالی کہ ہم نقوش اور دیگر رسائل کے ساتھ اِسکا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ میں یہ مقالہ لکھوانے پر اکادمی کو اور لکھنے کے لئے حامدی صاحب کو مُبارکباد دیتا ہوں۔

مجروح رشید کا کہنا بجا ہے کہ نوجوان نمبر کی اشاعت بند کر دینی چاہیئے۔۔ اکیڈیمی جو کام کر رہی ہے اسکی بازگشت ریاست سے باہر بھی ہے اور اِس کے کام کو وہاں سراہا جاتا ہے۔ میں کچھ دن قبل ڈاکٹر محمد حسن صاحب سے بات کر رہا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہماری اکادمی اُردو کے سلسلے میں امامت کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ میری تجویز ہے کہ اکادمی کو دہلی میں ایک اُردو کانفرنس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ دوسری بات یہ کہونگا کہ گجرال کمیٹی کی سفارشات پر الگ سے ایک سیمینار کیا جانا چاہیئے کیونکہ

اس کی سفارشات پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اور نہ ہی ہماری نئی نسل کو ان کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ حالانکہ الیکشن کے دوران اُردو کے سلسلے میں بہت سے وعدے کئے گئے تھے۔ اُردو زبان مزاحمتوں کے باوجود قائم ہے اور اسکی اپنی سکت وطاقت ہے کہ یہ خود بخود جی رہی ہے۔ اسکے بولنے والوں کی تعداد سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں اگر کسی ممبر کو اپنی تقریر دلنشین بنانی ہو تو وہ اسی زبان اور اسکے شعراء کے کلام کا سہارا لیتا ہے۔

میں سکریٹری اکادمی کی وساطت سے سنٹرل کمیٹی اور اکادمی کے صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ صاحب سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ ریاست اپنی بات، اپنی بھاشاؤں کی بات پورے ہندوستان تک پہنچائے اور اس سلسلے میں ریاستی ادیبوں کے وفود ملک کے مختلف حصوں میں بھیجے جائیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ وہاں کس طرح سے کام ہو رہا ہے۔

- صوفی غلام محمد :۔ کسی جریدے یا رسالے پر بحث کرتے یا اس پر مقالہ لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ بحث کرنے والا یا صاحب مقالہ اسکے تمام پہلوؤں پر نظر رکھے۔ شیرازہ کے بارے میں حامدی صاحب نے جن خیالات کا اظہار کیا اُن سے مجھے جزوی طور اتفاق ہے۔ بات جریدے کے مواد پر ہی نہیں ہو سکتی بلکہ تمام پہلوؤں پر۔ اس کی کتابت وطباعت کیسی ہے؟ گیٹ اپ کیسا ہے؟ کاغذ کیسا ہے؟ اسکی کتنی تعداد چھپتی ہے وغیرہ۔ مقالے میں شیرازہ کی تعداد نہیں بتائی گئی ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں اسکی تعداد اُس وقت
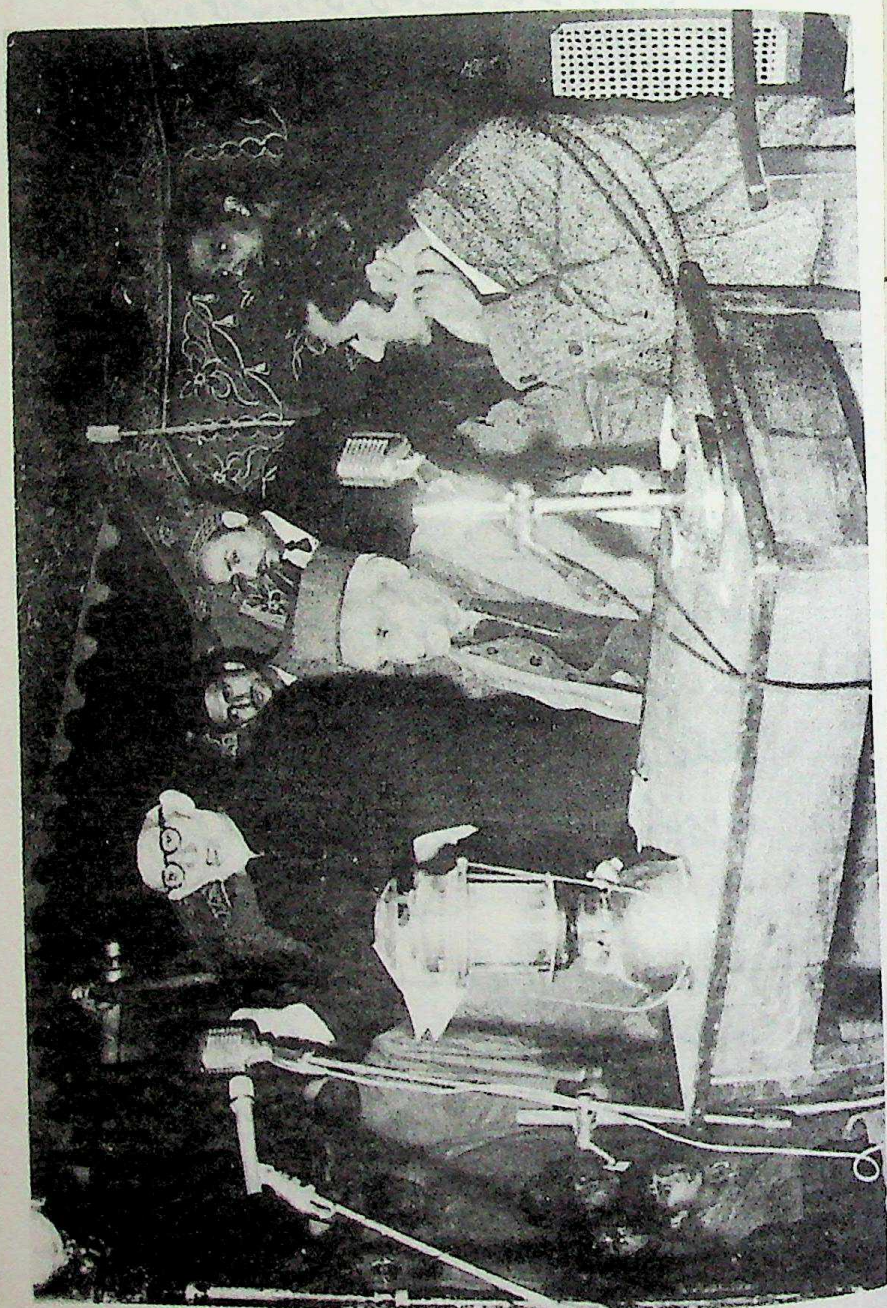
بھی ۵۰۰ تھی جب یہ دس بیس سال پہلے چھپا تھا اور آج بھی اتنی ہی ہے اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ لوگ بے تابی سے اس کا انتظار کرتے ہیں۔

جب اسکی تاریخ پر بھی بات کی جائے تو ان سبھی باتوں کا ذکر ضروری ہے۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ رسالہ کن لوگوں کو بھیجا جاتا ہے۔ کیا اُن کا ادب سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ میں نے ایک دوست کے گھر میں اس کے کئی کئی شمارے پڑے دیکھے۔ کیا اسکی تقسیم مناسب طور پر ہو رہی ہے؟ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ اس کے اکثر شمارے اکادمی میں گرد آلودہ پڑے ہیں اور جن لوگوں کو یہ بھیجا جاتا ہے انہیں علم و ادب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ انہیں تمباکو کی پُڑیا بنانے کے کام میں لاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس رسالے نے اُردو کی کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ شیرازہ کو اُردو کے ریگستان میں ایک نخلستان کی حیثیت حاصل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم اسے خوب سے خوب تر بنا رہے ہیں۔

حامدی صاحب اس رسالے سے خود بھی وابستہ رہے ہیں۔ اس مقالے میں تنقیدی جائزہ ہونا چاہیے تھا لیکن یہ ایک تعریفی اور توصیفی مقالہ تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ اُنہوں نے ٹینگ صاحب کی ہدایت کے تحت یہ مقالہ لکھا ہے۔ میں اسے نامکمل کہونگا۔ صاحب مضمون کو اپنی پسند یا ناپسند کا خیال نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ اُس کا ذہن کھُلا ہونا چاہیئے۔ ابھی یہاں ایک دوست نے کہا کہ حامدی صاحب اس میں خود پارٹی ہیں اور پارٹی کو جج نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر کسی اور

شخص سے یہ مقالہ لکھوایا گیا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

- **محمد یوسف ٹینگ:۔** صوفی صاحب نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن کے بارے میں میں بحیثیت ایک آفیسر اور فرد کے بہت ہی ادب سے کہونگا کہ حامدی صاحب کو کوئی ہدایت نہیں دی گئی ہے۔ میں اس کی تردید کرتا ہوں۔ میں نے یہ مقالہ نہیں سُنا۔ اس سے قبل مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہم نے اگر مقالہ نگار حضرات سے کچھ کہا ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی ذاتیات پر نہ اُتریں اور دُشنام طرازی سے احتراز کریں۔

مقالہ نگار تو صرف مسائل کو ابھار سکتا ہے۔ فیصلے اس ایوان کو کرنے ہیں۔ ہم نے مقالات لکھنے کے لئے بہت سے ادیبوں سے رجوع کیا تھا۔ میں یہاں اُن کے نام نہیں لینا چاہتا۔ ہم اُن سے مہینوں عرض کرتے رہے۔ اُنہوں نے ہم سے یہی کہا کہ مقالہ چار دن آٹھ دن بعد بھیج دینگے لیکن ہم تک کچھ پہنچا نہیں۔ اسلئے ہمیں اُن حضرات سے درخواست کرنا پڑی جو اس کام کے لئے آمادہ تھے۔ اس میں ہماری کسی بدنیتی کو دخل نہیں۔

شیرازہ کی اشاعت اس وقت پانچ سو نہیں بلکہ ایک ہزار ہے۔ اس کے جو ماضی کے پرچے ہیں اُن کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے اور انہیں نوادرات میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ یہ پرچے ہمارے ہاں محفوظ ہیں لیکن مالی وسائل اجازت نہیں دیتے کہ انہیں دوسری بار شائع کرسکیں۔ ایسی کوئی بات نہیں کہ یہ شمارے ہمارے ہاں پڑے سڑ رہے ہیں۔ سرینگر میں تو کتاب گھر نے صورتِ حال بالکل ہی تبدیل کر دی ہے۔ ہم نے شیر کشمیر نمبر کی صرف دو ہزار کاپیاں چھاپی تھیں

اور ہم نے کلیہ بنایا تھا کہ اس کی کاپیاں صرف مقالہ نگار حضرات کو ہی مفت دی جائینگی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ شیرازہ کو خرید کر پڑھنے والے کتنے ہیں۔ جو DEMAND ہے اسکے مطابق شاید ہمیں اسکا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑے۔

● حامدی کاشمیری:۔ ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق ــــــ

میں آپ تمام اصحاب کا مشکور ہوں کہ آپ نے اس مقالے کو قابلِ توجہ سمجھا اور اپنی ذاتی آراء کا اظہار کیا۔ یہاں پر انتظامی اور ادارتی امور کا بھی ذکر کیا گیا۔ کچھ تجاویز بھی پیش کی گئیں جن کا تعلق میرے مقالے سے نہیں۔ کچھ لوگوں نے معیار کی باتیں کیں۔ معیار کو پرکھنے یا قائم کرنے کے لئے کوئی آلہ تو نہیں البتہ اچھے ادب یا قابلِ قدر ادب کے کچھ پیمانے ضرور ہیں۔

رشید نازکی صاحب سے میں کہونگا کہ یہ فقط ایک جائزہ ہے اور اس میں تمام تر تفصیلات نہیں آسکی ہیں۔

کابلی صاحب اور بیتاب صاحب نے کشمیریات کا ذکر کیا۔ میں نے مقالہ میں یہ ضرور کہا کہ اسکا تعلق بنیادی طور پر کشمیریات سے ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی ضرورت ہے۔ کشمیر سے میری مُراد وادی ہی نہیں بلکہ پوری ریاست ہے کیونکہ پورے ملک میں ایسا کوئی رسالہ نہیں جو کشمیریات کے لئے مخصوص ہو۔

واتی صاحب کو میں بتانا چاہونگا کہ میرے زمانۂ ادارت میں مشعل سلطانپوری، نازکی صاحب، شمیم احمد شمیم، رحمان راہی، پیرافضل مخدومی، نشاط انصاری، حکیم منظور اور کئی دوسرے لوگ چھپے ہیں۔
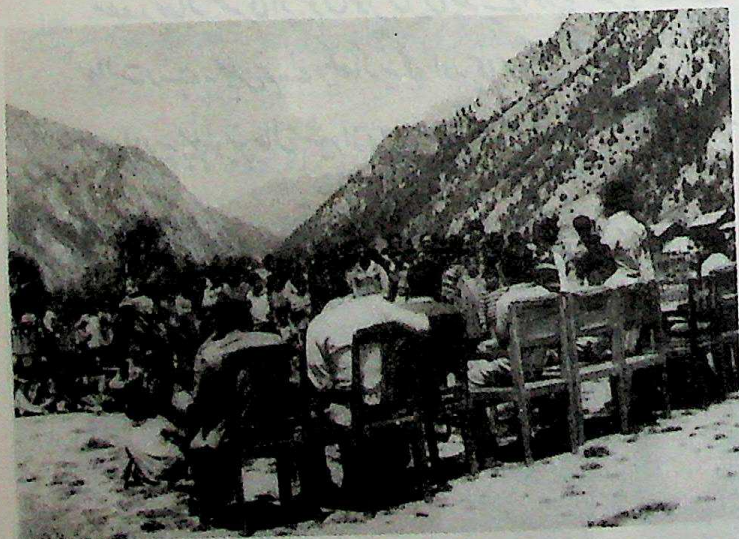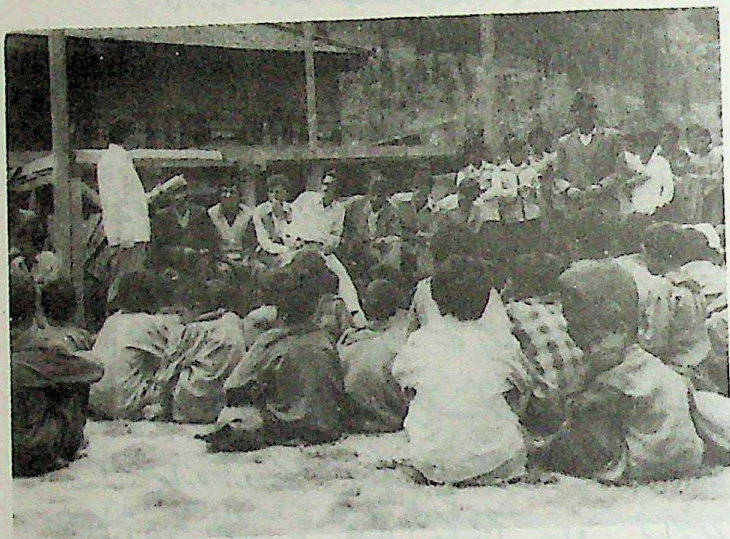
فاروقی نازکی صاحب نے زیدی صاحب کے اداریے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے مقالے میں شیرازہ کے تدریجی سفر کا ذکر کیا ہے اور مقالے کا ایک اچھا خاصا حصہ اسکا احاطہ کرتا ہے۔ میں نے جدیدیت وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

صوفی صاحب ایک صحافی ہیں اور آزاد ہیں۔ صحافیوں کو آجکل آزادی ہے وہ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن اُنھوں نے اپنے ایک ہی جملے میں مجھ سے زیادہ تعریف کر ڈالی جب اُنہوں نے کہا کہ شیرازہ اُردو کے صحرا میں ایک نخلستان ہے۔ اِس جملے سے شیرازہ کی ادبی حیثیت مسلمہ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ٹینگ صاحب نے انہیں ہی پٹی پڑھائی ہے۔

● دینا ناتھ نادمؔ :- جب یہ رسالہ معرضِ وجود میں آیا تھا تو اُس کا ایک مقصد تھا کہ کشمیری ادیبوں کو اِس میں جگہ ملے اور یہ کشمیریات سے وابستہ رہے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ یہ کچھ اور ہی بن گیا۔ کشمیر کا اپنا تشخص ہے اور یہ پہلو بہرحال شیرازہ میں ضرور واضح طور پر اُبھرنا چاہیے۔

مشاہیر کے یادگاری جشن
اور
کلچرل اکادمی

موتی لال ساقی

پچیس سال کی مختصر مگر سرگرم زندگی میں کلچرل اکادمی نے جس تعداد میں چھوٹی بڑی تقریبات کا اہتمام کیا ہے اُنکا احاطہ کرنے کے لئے ایک مختصر مقالہ کیا ایک ضخیم جلد بھی ناکافی ہے۔ ان تقریبات کے دور رس نتائج ہماری تہذیبی بازیافت اور احیائے نو کی داستان ہے، جس سے کاروانِ تمدن سے وابستہ سبھی لوگ بخوبی آشنا ہیں۔ اکادمی کی اِس جہت کو جناب محمد یوسف ٹینگ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک مختصر جملے میں سمیٹا ہے۔

"کلچرل اکادمی کیلئے تقریبات کا اہتمام اسکے تنفّس کا حصّہ ہے"۔

اکادمی کی متنوع سرگرمیوں کی ایک جہت مشاہیر کے یادگاری جشن منانے کا اہتمام بھی رہا ہے۔ اکادمی نے جس تزک و احتشام کے ساتھ یہ جشن آراستہ کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں وہ اِسکی عہد آفرین تاریخ کا ایک دلچسپ اور پُر وقار باب ہے۔ ریاست میں تمدنی پیشرفت کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص یہ

یادگاری جشن نظر انداز کرکے آگے نہیں نکل سکتا۔

اکادمی کیلئے یادگاری جشن آراستہ کرنے کا آغاز مہرشی رابندر ناتھ ٹیگور کے صد سالہ جشنِ پیدائش سے ہوا۔ یہ جشن سنہ ۱۹۶۱ء کے دوران سارے ملک میں نہایت دلچسپی کے ساتھ منایا گیا۔ اکادمی کو اس جشن کی قابلِ قدر دین ٹیگور ہال ہے جس کی تعمیر کو وادی میں تمدنی سرگرمیوں کے مرکز کی حیثیت حاصل کی ہے۔ ہماری اکثر ادبی اور تمدنی تقریبات کا انعقاد اسی ہال میں ہوتا ہے۔

ٹیگور یادگاری جشن اس حیثیت سے بھی اہم تھا کیونکہ یہیں سے اکادمی نے دوسری زبانوں کے ادب پاروں کو ریاستی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا جو بعد میں کافی وسعت پکڑ گیا اور عالمی ادب کے کئی شاہکار ریاستی زبانوں کشمیری اور ڈوگری میں منتقل کئے گئے۔ کشمیری میں مہاکوی کی نظم CYCLE OF SPRING کا ترجمہ 'سونتک اَتہ گیتھ' کے نام سے مرزا غلام حسن بیگ عارف نے کیا۔ اُن کے ایک مشہور ڈرامے کا ترجمہ امین کامل نے "رازِ تہ رائی" کے نام سے کیا۔ یہ دونوں کتابیں کلچرل اکادمی نے شائع کیں۔ رازۂ تہ رائی غالباً دوسری کسی زبان کا وہ پہلا ڈرامہ ہے جو کشمیری میں منتقل ہوکر کتابی صورت میں پڑھنے والوں کے سامنے آیا۔

ڈوگری میں مہرشی کی شہرہ آفاق اور نوبل انعام یافتہ کتاب 'گیتانجلی' کا ترجمہ شری رام ناتھ شاستری نے کیا۔ کے ایس، مدھوکر نے اُنکی ایک سو ایک نظموں کو ڈوگری کے سانچے میں ڈھالا۔ نثر کے میدان میں ٹیگور کی اکیس کہانیوں کو شری وید راہی نے ڈوگری روپ دیا۔

یہ تراجم بالترتیب، گیتا نجلی، اکو نرشتی اور اکی کہانیاں کے نام سے اکادمی نے شائع کئے۔

۱۹۶۹ء میں اکادمی کو کئی ایک مشاہیر کے تئیں اپنی توجہ مبذول کرنا پڑی۔ یہ سال اس لحاظ سے کافی اہم ہے کہ اسی سال گورو نانک دیوجی کا پانچ سو سالہ جشنِ پیدائش، راشٹر پتا مہاتما گاندھی کی جنم شتابدی اور غالب صدی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔

گورو نانک دیوجی کے جشن کے سلسلے میں "ابھینندن گرنتھ" یعنی ایک یادگاری جلد شائع کی۔ اس کتاب میں پنجابی اور انگریزی میں گورو نانک دیوجی کے بارے میں نامور قلم کاروں کے مقالات کے علاوہ مختلف ریاستوں کے گورنروں اور دوسرے اکابرین کے پیغامات شامل ہیں۔ گورو نانک ابھینندن گرنتھ کو جن لوگوں نے اپنے رشحات قلم سے نوازا ہے اُن میں سردار گورمکھ سنگھ سہال بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے کی دوسری کڑی وہ آل انڈیا کوی دربار ہے جو اکادمی کے اہتمام سے جموں میں ہوا۔ اس کوی دربار میں ملک بھر کے نامور شعرائ نے شرکت کی جن میں بھارتی گیان پیٹھ اوارڈ پانے والی امریتا پریتم بھی شامل تھی۔

اردو کے فکر انگیز شاعر اور صاحبِ طرز نثر نگار کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے اسی سال کشمیری اور ڈوگری "شیرازہ" کے غالب نمبر شائع کئے گئے۔ ان یادگاری شماروں کی خاص بات یہ ہے کہ غالب جیسے نکتہ سنج اور نکتہ رس شاعر کے فن اور زندگی کے بارے میں خاص مقالات شامل اشاعت ہونے کے علاوہ ان میں غالب کی شاعری کے تراجم بھی شامل ہیں

بابا فرید شکر گنج کی حیات اور شاعری کا کشمیری روپ بھی اکادمی نے 'شیخ بابا فریدالدین گنج شکر' کے نام سے کتابی روپ میں شائع کیا۔ یہ کتاب اصل میں پروفیسر گوربچن سنگھ طالب کے مونوگراف کا ترجمہ ہے جو پروفیسر رحمان راہی نے کیا ہے۔ بیسویں صدی کے مشہور ہندوستانی مفکر، مجاہدِ آزادی اور رشی اروبندو گھوش کا صد سالہ جشنِ پیدائش ۱۹۷۲ء میں ملک گیر پیمانے پر منایا گیا۔ اروبندو گھوش کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے "شیرازہ" ہندی کا ایک خصوصی شمارہ ۱۹۷۲ء میں شائع کیا گیا، جسمیں اروبندو کے افکار اور تحریکِ آزادی میں اُسکے رول کا ایک خصوصی ذکر ہوا ہے۔ اِن مضامین کی بدولت قارئین میں اروبندو کی نسبت معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۶ء میں اکادمی نے پنجابی شاعر دھانی رام چھاترک کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں 'شیرازہ' پنجابی کا ایک خاص شمارہ جاری کیا جس میں مرحوم شاعر کی شاعری اور زندگی کے بارے میں خصوصی مقالات شامل ہیں۔ اِسکے علاوہ ۷، اردسمبر ۱۹۷۶ء کو جموں میں ایک پنجابی کوی دربار ہوا جسمیں متعدد شاعروں نے دھانی رام چھاترک کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

کشمیر کے آخری خود مختار فرمانروا یوسف شاہ چک کی تخت نشینی کے چار سو سال پورے ہونے کے موقع پر ۱۹۷۷ء میں کلچرل اکادمی کا ایک ثقافتی وفد شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں بسوک (بہار) گیا۔ یہاں شیخ صاحب نے یوسف شاہ کی قبر پر ایک یادگاری لوح نصب کی۔ تقریب کے موقع پر ریاست کے فنکاروں نے ایک رنگارنگ تمدنی پروگرام پیش کیا۔ اِس موقع پر مرحوم بادشاہ کی

قبر کی مرمت کے علاوہ اسلام پور سے بسوک تک ۵ کلومیٹر لمبی سڑک کو بھی ٹھیک کروایا گیا۔ یوسف شاہ چک کے بارے میں محمد یوسف ٹینگ کے لکھے ہوئے اردو اور انگریزی کتابچے بھی اسی تقریب کے موقع پر جاری کئے گئے۔ اس تمدنی سفارت کا ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ ٹینگ صاحب کو پہلی بار مقامی ذرائع سے پتہ چلا کہ حبہ خاتون بھی بسوک کے چک مزار میں دفن ہے۔ ٹینگ صاحب نے اس سلسلے میں مقامی بزرگوں کے بیانات صدا بند کئے۔ اس دریافت کی درستی کا اعتراف میرے اور کچھ دوسرے دوستوں کے سامنے محمد امین ابنِ مہجور نے تحریری طور کیا ہے۔

کشمیر کے مایہ ناز سپوت شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کی پیدائش کا جشن ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران ساری دنیا میں منایا گیا۔ اس یادگاری جشن کو شایانِ شان طور پر منانے کے لئے اکادمی نے تقریبات کا سلسلہ کافی وسیع کر دیا جسکے نتیجے میں علامہ کی شاعری اور فلسفے کی گونج ساری ریاست میں سنائی دینے لگی۔

نئی نسل کو اقبالؔ سے آشنا کرنے کے لئے کالج اور ہائی سکول سطح پر طلبا اور طالبات کے لئے اقبالؔ مباحثے منظم کئے گئے۔ کالج سطح پر امتیاز حاصل کرنے والوں کو ۲۰۰، ۱۵۰ اور سو روپے اور ہائی سکول پر امتیاز حاصل کرنے والوں کو ۱۵۰، ۱۰۰، ۵۰ روپے کے انعامات دیئے گئے۔

تقریبات کے دوران ایک انٹر کالج مباحثے کا اہتمام ایس، پی کالج سرینگر کے آڈیٹوریم میں ۲۷ راگست ۱۹۷۷ء کو کیا گیا۔ اس

مباحثے میں کالج سطح پر امتیاز حاصل کرنے والے طلبأ اور طالبات نے شرکت کی۔ مباحثے میں مسٹر گلزار احمد نعیم، مس عارفت جان اور مسٹر غلام قادر وانی نے بالترتیب پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ انٹر کالج مباحثے میں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو نقد انعامات کے علاوہ اقبال ٹرافیاں بھی دی گئیں۔ یہاں پر اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ "اقبال مباحثوں" میں ۴۹ طلبا اور طالبات نے نقد انعامات حاصل کئے۔ اسکے علاوہ ہر انعام پانے والے کو ایک خوبصورت اعزازی سند بھی دی گئی۔ 'اقبال مباحثوں' میں کشمیر کے علاوہ صوبہ جموں کے طلبا نے بھی شمولیت کی۔

۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء کو گورنمنٹ زنانہ کالج مولانا آزاد روڈ سرینگر میں مصوری کے اُن شہپاروں کی نمائش کو آراستہ کیا گیا جو شہپارے علامہ کے اشعار کی بنیاد پر کینواس پر اُتارے گئے تھے۔ نمائش کا افتتاح شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے کیا۔ اس موقع پر کالج آڈیٹوریم میں ایک خصوصی تقریب ہوئی جسمیں اُردو شیرازہ کا اقبال نمبر اجراء کرنے کے علاوہ اُنہوں نے انٹر کالج مباحثے میں امتیاز حاصل کرنے والے طلبأ اور طالبات کو اقبال ٹرافیاں بھی دیں۔ اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ لوگوں کے اصرار پر اس موقع پر شیخ صاحب نے اقبال کی مشہور نظم "اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو"، کو اپنی میٹھی لے میں سُنایا۔

کلام اقبال پر طرحی مشاعروں کا اہتمام تقریبات کا ایک حصہ تھا۔ اس سلسلے میں تین مشاعرے منظم کئے گئے جن میں سے دو سرینگر میں

اور ایک جموں میں ہوا۔

علامہ اقبال کے منتخب اردو اور فارسی کلام کو کشمیری اور ڈوگری روپ دینے میں اکادمی کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور اُن کے کلام کے کافی بڑے حصے کو اردو اور ڈوگری روپ دیا گیا۔ متن کے ساتھ کلام اقبال کا کشمیری روپ 'پرتو اقبال' کے نام سے اکادمی کے شعبۂ مطبوعات نے شائع کیا۔

اقبال کے فن اور فکر سے ریاست کے تمام خطوں کے عوام کو روشناس کرنے کیلئے کشمیری، ڈوگری، ہندی اور پنجابی شیرازہ کے خصوصی نمبر شائع ہوئے۔ تحقیقی مضامین کے علاوہ ان شماروں میں کلام اقبال کے تراجم بھی شامل ہیں۔ 'شیرازہ' اردو کے اقبال نمبر میں علامہ کی مشہور نادر و نایاب تصویروں کے علاوہ اُن کے اشعار کی بنیاد پر بنائے گئے وہ فن پارے بھی شامل ہیں جو ریاستی مصوروں نے بنائے ہیں۔

علامہ کی فکری بلندیوں کا احاطہ کرنے کیلئے اکادمی نے جموں اور سرینگر میں دو سیمینار منظم کئے۔ سرینگر میں سیمینار ٹیگور ہال کے لان میں ہوا اور جموں میں اس کے لئے گلاب بھون کا انتخاب کیا گیا۔ ان سیمیناروں میں ریاست اور ریاست سے باہر کے عالموں اور دانشوروں نے شرکت کی۔ ان سیمیناروں میں جن لوگوں نے شرکت کی اُن میں علی سردار جعفری، ڈاکٹر وحید اختر، پروفیسر رحمان راہی، محمد یوسف ٹینگ، مفتی جلال الدین، رشید نازکی، قیصر قلندر، جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر نربش، ڈاکٹر عبد الحق، منظر اعظمی اور

ان مباحثوں میں تین طلبأ اور طالبات نے پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی جن کو بالترتیب ۲۰۰، ۱۵۰ اور سو روپے کے نقد انعامات دیئے گئے۔

کالج اور یونیورسٹی سطح پر انعامات حاصل کرنے والے طلبأ اور طالبات نے انٹر کالج مباحثے میں شرکت کی۔ یہ مباحثہ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۹ء کو ٹی ٹی کالج سرینگر کے آڈیٹوریم میں ہوا۔ انٹر کالج مباحثے میں پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کرنے والوں کو نقد انعام کے علاوہ "شیخ العالم" ٹرافیاں دی گئیں۔

نقد انعامات اور ٹرافیوں کے علاوہ امتیاز حاصل کرنے والے تمام شرکأ کو اعزازی اسناد سے بھی نوازا گیا۔

تقریبات کے دوران حضرت شیخ کے کلام سے مصرعہ ہائے طرح چن کر چار طرحی مشاعرے ترتیب دیئے گئے۔ یہ مشاعرے، چرار شریف، سوپور، اننت ناگ اور سرینگر میں ہوئے۔ مشاعروں میں کشمیری زبان کے نمائندہ شعرا نے شرکت کی۔ طرحی مشاعروں میں پڑھے گئے کلام کا انتخاب بعد میں 'نورانہ' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

علمدار کے فن، فکر، شخصیت اور اخوت بھرے پیغام پر اردو اور کشمیری میں دو سیمنار منظم کئے گئے۔ اردو سیمنار ۲۹ مارچ ۱۹۷۸ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۸ء تک ایس، پی کالج کے آڈیٹوریم میں ہوا۔ اس سہ روزہ سیمنار میں پندرہ مقالے پڑھے گئے جن کو بعد میں 'شمس العارفین' کے نام سے کتابی صورت دی گئی۔ سیمنار کے آخری دن ایک مشاعرہ ہوا جس میں وادی کے نمائندہ شعرا نے

حضرتِ شیخ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

کشمیری سیمینار کشمیر یونیورسٹی کے اشتراک سے یونیورسٹی کے گاندھی بھون میں ہوا۔ اِس سیمینار میں پڑھے گئے مقالات "شیخ العالم رح کے نام سے شایع ہوئے۔ اِس موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا۔

تقریبات کے دوران کلام شیخ کے انگریزی، ہندی، اردو اور پنجابی تراجم کروائے گئے۔ بعد میں کلام کے انگریزی ہندی اور پنجابی تراجم کو الگ الگ کتابی روپ دے کر شایع کیا گیا۔ یاد رہے کہ حضرت شیخ کے کلام کا ہندی روپ اِس سے پہلے بھی "کہا نند رشی نے" کے نام سے اکادمی نے شایع کیا تھا جس کے ترجمہ کار ششی شیکھر توشخانی ہیں۔

حضرت شیخ کے ایک سو شلوکوں کا انگریزی ترجمہ پروفیسر کاشی ناتھ در نے کیا اور یہ ترجمہ 'HUNDRED BEADS' کے نام سے شایع ہوا۔ ہندی کے ترجمہ کار شمبو ناتھ بٹ حلیم، پروفیسر رتن لال شانت، ارجن دیو مجبور، پروفیسر بدری ناتھ کلا اور پروفیسر شانت ہیں۔ تراجم کو کتابی روپ پروفیسر شانت نے دیا اور "شیخ العالم" کے نام شایع ہوا۔ پنجابی ترجمہ سردار ہربنس سنگھ آزاد کی کاوشِ قلم کا نتیجہ ہے جو "کلام نورالدین نورانی" کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔

شیخ العالم سب کمیٹی نے اُن اہم مقامات پر شیخ العالم یادگاری الواح نصب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اِس فیصلے کو بروئے کار لا کر سنگِ مرمر کے یادگاری الواح چرار شریف، دریہ گام، زُیہ ون، کیموہ، گوسبہ بل اور کھی جوگی پورہ میں نصب کیے گئے۔ چرار شریف میں یادگاری لوح کی نقاب کشائی شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ایک بہت بڑے اجتماع کے

سامنے کی۔ اِس یادگاری لوح کی خاص بات یہ ہے کہ اِس پر اردو اور کشمیری میں روایت کندہ کی گئی ہے۔ میرے خیال میں اِس لوح پر کندہ کشمیری عبارت کو کشمیری زبان میں نصب کیا گیا پہلا کتبہ کہا جاسکتا ہے۔

کلام شیخ کی قرأت کرنے والوں کی تعداد چونکہ روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ روایتی قرأت کے قدیم اسلوب کو محفوظ کرنے کے لئے مختلف نعت خوانوں اور موسیقاروں کی زبانی حضرتِ شیخ کے کلام کو صدا بند کیا گیا۔ اکادمی کے پاس اِس قسم کا جو صدا بند کلام موجود ہے وہ تین گھنٹے کا احاطہ کرتا ہے۔ اِس صدا بندی کی خاص بات یہ ہے کہ اکادمی نے حضرتِ شیخ کے اُس منظوم ذات نامے کا بیشتر حصہ بھی ریکارڈ کیا ہے۔ جو پُرانے زمانے سے پیشہ ور داستان گو گاتے چلے آرہے تھے مگر جسکا ذکر کسی کتاب میں نہیں آیا ہے۔ اور نہ اسے قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ منظوم ذات نامہ ایک مقدس امانت ہے جسے کاغذ پر اُتارنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ رہ سکے۔

حضرت شیخ کے شلوکوں پر مشتمل ایک خصوصی محفلِ موسیقی کو سرینگر کے ٹیگور ہال میں پنڈت شمبوناتھ سوپوری کی نگرانی میں آراستہ کیا گیا جسمیں اُن کے کلام کو ایک نئے انداز سے پیش کیا گیا۔

حضرتِ شیخ اور اُن کے خلفأ سے منسوب اہم مقامات پر موجود زیارتوں کی تصویروں پر مشتمل 'مرقع علمدار' کے نام سے ایک خوبصورت البم شائع کیا گیا۔ اِس مرقع کا پہلا ایڈیشن کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اب دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی تمام تیاریاں مکمل ہوگئی ہیں۔

جشن کے دوران ایک اور تحفہ وہ خوبصورت پوسٹر ہے جو

ابھی بھی کئی گھروں میں عقیدت اور احترام کا مرکز ہے۔

حضرتِ شیخ کے کلام کو ہمارے مصوروں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ تصویری روپ دیا۔ کینوس پر اُتارے گئے کلامِ شیخ پر مبنی مصوری کے شہپارے ہمارے مصوری کے بیش قیمت ذخیرے میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصوری کے اِن نمونوں میں سے ایک شہپارے کا انتخاب کر کے اُسے شیخ العالمؒ یادگاری کارڈ میں استعمال کیا گیا۔ یہ یادگاری کارڈ بھی شیخ العالم ششش صد سالہ تقریبات کے دوران شائع کیا گیا۔

اکادمی نے پہلی بار کشمیر کے رشی مسلک کے موضوع پر "ریشیات" کے نام سے ایک مفصل کتاب شائع کی جس میں رشی مسلک کی تاریخ اور اس کے اثر و نفوذ کے بارے میں مختلف گوشوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

علمدارِ کشمیر کی ایک مکمل سوانح کی ضرورت کو کافی دیر سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ اکادمی نے 'برجِ نور' شائع کر کے اس کمی کو پورا کیا۔

مختلف ریشی ناموں کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا شیخ العالم کا کلیات مرتب کروا کے اسے نفاست اور نزاکت کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا گیا۔ اِس کلیات میں وہ سارا کلام یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مختلف ریشی ناموں میں درج ہے۔

اردو اور کشمیری 'شیرازہ' کے خصوصی نمبر شائع کئے گئے جن میں شیخ العالم کی شخصیت اور اُن کے کلام پر قابلِ قدر مقالات شامل ہیں۔

حضرتِ شیخ کی زندگی اور پیغام کے بارے میں تیار کی جانے والی ڈاکومینٹری کا منظر نامہ تیار کروایا گیا مگر ڈاکومینٹری بننے کا خواب خواب ہی رہا۔
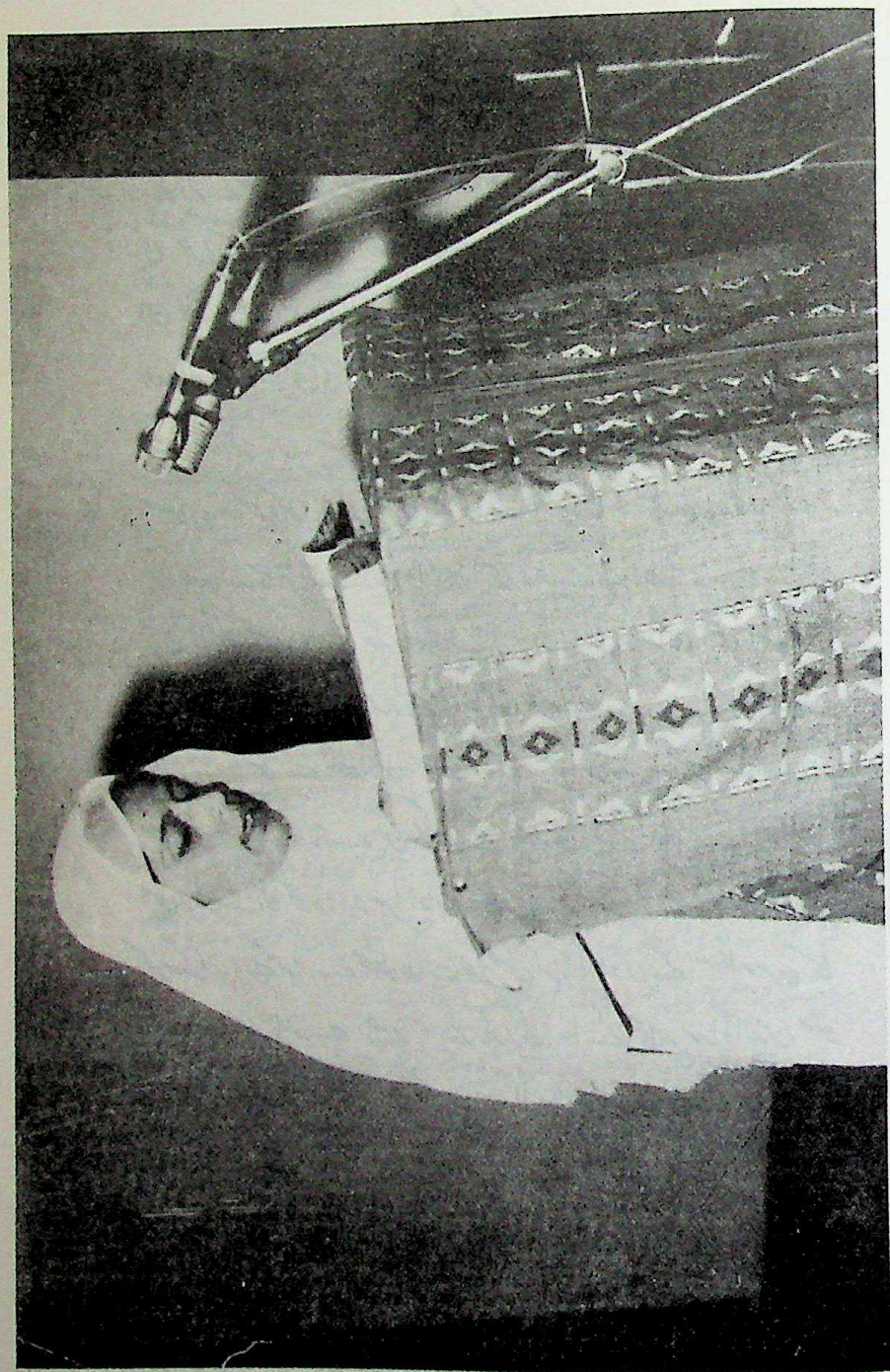
اکادمی وہ واحد ادارہ ہے جس نے جشن کے دوران حضرت شیخ رح کے بارے میں لکھے گئے وہ سبھی مخطوطات حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جن کے بارے میں بہت کچھ سنا گیا تھا مگر جو دسترس سے باہر تھے۔ ان مخطوطات میں بابا نصیب الدین، بابا کمال، بابا خلیل، بہاؤالدین اور عبدالوہاب شایق کی تاریخ ریشیاں جو ریاض الاسلام کے نام سے مشہور ہے، شامل ہیں۔ میر عبداللہ کا ترتیب دیا ہوا 'کلام شیخ العالم' کا مسودہ حاصل کرنے میں بھی اکادمی نے کامیابی حاصل کی۔ یاد رہے کہ میر عبداللہ کا ترتیب دیا ہوا نسخہ اپنی نوعیت کا واحد نسخہ ہے۔ اس نسخے کی نقل کسی دوسری جگہ دستیاب نہیں۔ بابا علی رینہ کا ریشی نامہ بھی اسی دوران حاصل کیا گیا۔ اس نسخے کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا مسودہ ہے۔ جہاں تک ریشی مسلک اور حضرت شیخ کے بارے میں لکھے گئے مخطوطات کا تعلق ہے اس معاملے میں ریاست کا کوئی دوسرا ادارہ اکادمی سے سبقت لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اتنے سارے مخطوطات حاصل کرنا اکادمی کے منتظمین کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ بہاؤالدین متو کا منظوم فارسی ریشی نامہ گذشتہ سال اکادمی نے مرتب کرواکے شائع کیا ہے۔ اکادمی نے اتنا کچھ کرنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اپنی لائبریری میں الگ سے ''گوشۂ شیخ العالم'' قائم کیا جسمیں ریشی مسلک پر معتبر مخطوطات کے علاوہ اسلام اور کشمیر کے علوم و فنون کے بارے میں کتابوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔

شیخ العالم کا شش صد سالہ جشنِ مولود ابھی اختتام پذیر ہی

ہو رہا تھا کہ اکادمی کو سال لل دید منانے کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور اکادمی کے منتظمین نے اِس ذمہ داری کو نہایت نفاست کے ساتھ انجام دیا۔

لل دید کی تعلیمات کو نوجوانوں تک پہنچانے کیلئے دو سیمناروں کا انعقاد ہُوا جن میں وادی کے نوجوان قلم کاروں نے مقالات پیش کئے۔ یہ مقالات بعد میں شیرازہ کے نوجوان نمبروں میں شایع ہوئے۔

ٹیگور ہال میں ایک سیمنار منظم کیا گیا جسمیں کشمیر کے مقتدر قلمکاروں اور محققین نے مقالات پڑھے۔ لل دید کے فن اور شخصیت کے بارے میں خاص موضوعات پر مقالے لکھوائے گئے جو بعد میں 'شیرازہ' کے مختلف نمبروں میں شامل اشاعت کئے گئے۔

'شیرازہ' اردو، کشمیری اور پہاڑی کے لل دید نمبر شایع کئے گئے اور اُس کے کلام کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کروایا گیا۔ پنجابی میں لل دید کے واکھیوں کے تراجم پر پروفیسر سیوا سنگھ کی کتاب 'لل واکھ' اور سردار ہربنس سنگھ آزاد کی "للی ماں" شایع کی گئی۔ وید پال دیپ نے انکے واکھیوں کا ڈوگری میں ترجمہ کروایا گیا۔ جو "لل بھجن امرت" کے نام سے ۱۹۸۰ء میں کتابی صورت میں چھپ چکا ہے۔

سال لل دید کے دوران ضلع سطح کے دو طرحی مشاعرے اور نوجوانوں کے آٹھ مشاعرے منظم کئے گئے۔ ان مشاعروں میں شعرا نے لل دید کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

لل دید کے واکھیوں کو موقلم کے سہارے کینوس پر اُتارنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ اِس کے کلام پر مبنی مصوری کے نمونے اکادمی کے خزینۂ مصوری کے دلکش حصے کی تشکیل کرتے ہیں۔ مودر بھاو کے

بھگت کوی سورداس کی پانچویں جنم شتابدی سال ۱۹۷۹ء میں منائی گئی اس سال ڈوگری اور ہندی 'شیرازہ' میں خاص مضامین شایع کئے گئے۔ سورداس شتابدی کے سلسلے میں 'داس لیلا' کے نام سے ایک بیلے ابھنو تھیٹر میں پیش کرکے سورداس کے تئیں خراج عقیدت کا اظہار کیا گیا۔

اردو اور ہندی کے ممتاز کہانی کار اور ناول نگار منشی پریم چند کا صد سالہ جشنِ پیدائش ۱۹۸۰ء میں منایا گیا۔ اُن کی جنم شتابدی کو شایانِ شان طریقے پر منانے کے لیے ٹیگور ہال میں ایک تین روزہ پریم چند سیمینار اور پریم چند نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ اس سیمینار میں جموں و کشمیر کے اہم اردو اور ہندی ادیبوں نے شرکت کی۔

منشی جی کی زندگی اور ادب کو اُن کی دین کے متعلق خصوصی مضامین لکھوا کر شیرازہ ہندی، ڈوگری، پنجابی، اردو اور کشمیری کے پریم چند نمبر شایع کئے گئے۔ منشی جی کی منتخب کہانیوں کے تراجم ریاستی زبانوں میں شایع ہونے والے شیرازوں میں شامل کئے گئے۔ اس طرح سے عام پڑھنے والے کو پریم چند کی کہانیوں کا لطف اُٹھانے کا موقع ملا۔

پندرھویں صدی ہجری تقریبات کا اہتمام بھی کلچرل اکادمی کے جھنڈے تلے ہُوا۔ اور اس طرح ہوا کہ لوگوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ اکادمی کے ساتھ ایسے لوگ وابستہ ہیں جو مُشکل سے مُشکل کام کو بھی کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہجری تقریبات کے ضمن میں اسلامی نمائش کا انعقاد اکادمی کا

ایک ایسا کارنامہ تھا جس نے سارے کشمیر کی نظروں کو سیاحوں کے استقبالیہ مرکز پر مرکوز کر لیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دور و دراز علاقوں سے یہ نمائش دیکھنے کیلئے آئے اور نمائش کو ایک بار دیکھ کر دوسری بار دیکھنے کی تمنا لیکر واپس چلے گئے۔ نمائش کا افتتاح جناب شیخ محمد عبداللہ نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو کیا، افتتاح کے ساتھ ہی تماشہ بینوں کا تانتا بندھ گیا۔ لوگوں کا سیلاب تھا کہ اُمڈتا ہی چلا آرہا تھا۔ یہ نمائش ۲۸ اکتوبر سے ۶ نومبر تک جاری رہی اور اسے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے دیکھا۔ نمائش کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو کمروں سے نکلنے کو ہی دل نہیں کرتا تھا۔ کچھ لوگوں کو نمائش دیکھنے کیلئے دنوں انتظار کرنا پڑا کیونکہ لوگوں کے جم غفیر میں وہ نمائش میں جانے کا راستہ ہی نہیں پاتے تھے۔ نمائش میں رکھی گئی ہر چیز باشعور قاری کیلئے دلکش بھی تھی اور فکر انگیز بھی۔

مقامی لوگوں کے علاوہ غیر ممالک سے آئے ہوئے سیاحوں نے نمائش دیکھ کے تحریراً اعتراف کیا کہ اُنہیں اس قسم کی کوئی نمائش دیکھنے کو نہیں ملی ہے۔ ابتداء میں نمائش کو صرف تین دن کیلئے کُھلا رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا مگر لوگوں کے زبردست اصرار پر نمائش کو نو دن تک جاری رکھنا پڑا۔

اسلامی نمائش کے بارے میں ناظرین کے تاثرات کو کلچرل اکادمی نے ایک کتاب کا روپ دیکر 'نظر اور نظارہ' کے نام سے شایع کیا ہے اس کے علاوہ اکادمی نے نمائش کے انعقاد کے موقع پر انگریزی میں ایک باتصویر کیٹلاگ بھی شایع کیا ہے۔

ہجری تقریبات کی دوسری کڑی مقابلہ قرأت تھا جسکا اہتمام ضلع اور ریاستی سطح پر کیا گیا۔ ریاستی سطح کا مقابلہ ۲۰ راگست ۱۹۸۱ء کو ہوا۔ قرأت کے ان مقابلوں میں جن لوگوں نے امتیاز حاصل کیا اُنکو نقد انعامات دیئے گئے۔ کشمیر میں اسلام کے پھیلاؤ اور عروج کے بارے میں انگریزی میں مضامین لکھوائے گئے۔ یہ مقالات بہت جلد کتابی صورت میں چھاپے جانے کی توقع ہے۔ اِسکے ساتھ ہی ''احادیث'' کا کشمیری میں ترجمہ کروایا گیا۔ احادیث کا یہ ترجمہ کتابی صورت میں بہت جلد منظرِ عام پر آنے کی امید ہے۔

یہاں پر اس بات کی یاد دہانی کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہجری تقریبات کی ابتدا ۱۵ ارجون ۱۹۸۱ء کو باب الاسلام خانقاہ معلّی میں ایک سادہ مگر پُر وقار تقریب سے ہوئی۔ اِس خاص مجلس میں تلاوت اور نعت خوانی کے علاوہ مقالات بھی پڑھے گئے۔

اب تک کی یادگاری تقاریب کی آخری کڑی مشہور تامل شاعر سبھرامنیم بھارتی کا صد سالہ جشنِ پیدائش ہے۔ اِس قوم پرست اور انقلابی شاعر کے صد سالہ جشنِ پیدائش کی تقریبات کا آغاز دسمبر ۱۹۸۲ء سے ہُوا اور اب تک برابر جاری ہے۔ اکادمی نے سبھرامنیم بھارتی کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کے لئے ''شیرازہ'' اردو، پنجابی، ڈوگری اور ہندی میں، بھارتی جی پر خصوصی مضامین شائع کئے ہیں۔ اِس کے علاوہ محمد الدین فوق کی یاد کے سلسلے میں ''شیرازہ'' اردو کا ایک خصوصی شمارہ شائع کیا۔

مشاہیر کے یادگاری جشن جس اعتماد اور نفاست کے ساتھ اکادمی کے

مُنتظمین نے منائے ہیں اُس کے لئے وہ قابلِ ستائش ہیں۔ مستقبل میں اکادمی کونسے کارنامے انجام دیگی اُس کے بارے میں اِس وقت کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ البتہ میں چند ایک باتیں اکادمی کے منتظمین کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ ان تجاویز پر غور کریں گے۔

(۱) کلچرل اکادمی نے علامہ اقبالؒ، شیخ العالمؒ اور لل دید کے کلام پر مبنی تصاویر تیار کروائی ہیں، اُن کو الگ الگ مرقعوں کی صورت میں شایع کیا جائے تاکہ تخیل اور رنگوں کی اِس خوبصورت دُنیا تک ایک عام آدمی کی رسائی ممکن ہو سکے۔ ان مرقعوں کی اشاعت سے دوسرے لوگوں کو ہمارے مصوروں کی صلاحیتیں پرکھنے اور اُن کے فن سے آشنا ہونے کا موقع بھی فراہم ہوگا۔

(۲) اِسلامی نمائش میں رکھی گئی اکثر چیزیں اِس وقت ایک بند کمرے میں پڑی ہوئی ہیں کیونکہ اکادمی کے پاس اِن چیزوں کو لٹکائے رکھنے کے لئے جگہ نہیں۔ اگر یہ چیزیں اِسی طرح پڑی رہیں تو ان کے خراب ہونے کا احتمال ہے۔ اِس سلسلے میں ایک تو اِن نوادرات کے تحفظ کا اِنتظام ہونا چاہیئے۔ دوئم یہ کہ اِس نمائش کا ایک پورٹ فولیو شایع کیا جائے تاکہ وہ لوگ بھی اِس نمائش سے لطف اندوز ہوں جنھوں نے نمائش دیکھی نہیں۔ ساتھ ہی آنے والی نسلوں کے لئے یہ نمائش محفوظ رہے۔

(۳) مشاہیر کے یادگاری جشن منانے کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ جہاں کچھ ریاستی زبانوں میں ان لوگوں کے کارناموں کو عوام کے سامنے

رکھے جانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے مگر دوسری زبانوں میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلے میں لداخی اور گوجری کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ اور للہ دید کے یادگاری سال منانے کے دوران معلوماتی نوعیت کا ایک بھی مقالہ لداخی یا گوجری 'شیرازہ' میں شایع نہیں ہوا جن سے ان لوگوں کے کارناموں سے متعلقہ زبانیں بولنے والے لوگوں کو آشنا ہونے کا موقع ملتا۔ اس طریقہ کار سے ذہنی اور فکری ہم آہنگی کی وہ فضا نہیں اُبھرتی جو اس قسم کے یادگاری جشن منانے کا مقصد ہوتا ہے۔ میں توقع رکھونگا کہ آئندہ اس بات کو زیرِ نظر رکھا جائے گا۔

(۴) ہماری ریاست میں ایسے بلند فکر اور بلند قامت لوگ پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ساری دُنیا سے داد حاصل کی ہے۔ مگر ہمارے اپنے لوگ بھی ان لوگوں سے آشنا نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے لوگوں کے کارناموں سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں۔ ایسے لوگوں میں سوم دیو، کلہن، غنیؔ، فانیؔ، حبہ خاتون، باوا جتو اور ابھنوگپت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

ایک اطلاع

کلچرل اکادمی سنہ ۱۹۸۷ء میں مہجور کے صد سالہ جشنِ ولادت منانے کے سلسلے میں مختلف پروگرام ترتیب دے رہی ہے، تاکہ اس جشن کو شایانِ شان طریقے پر منایا جاسکے۔ مرکزی وزارتِ مواصلات کے ساتھ اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا جارہا ہے کہ وہ اس موقع پر مہجور کی یاد میں ایک خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کرے۔ اگر یہ تجویز منظور ہوئی تو یہ کسی کشمیری شخصیت کی یاد میں پہلا ایسا اعزاز ہوگا۔

کلچرل اکادمی کا اشاعتی پروگرام

زبانوں کی ترقی و ترویج میں کتابوں اور رسائل کی اشاعت بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اِس پروگرام کے تحت کلچرل اکادمی ریاستی آئین میں درج مختلف زبانوں میں کتابیں شائع کرتی رہی ہے۔ جن میں شعر و ادب کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ، سماجیات، عمرانیات، موسیقی، تواریخ، لوک ادب، فنِ تعمیر اور دوسرے عنوانات شامِل ہیں۔ مختلف زبانوں میں اب تک شائع کی گئی کتابوں کی اجمالی تفصیل یوں ہے :۔

کشمیری زبان

ا: شعری مجموعے :۔ اَکہٕ نندُن (پانچ روپ)

کُلیاتِ آزاد۔ دیوانِ وہاب۔ گُل بکاولی۔ گُلریز۔ حبہ خاتون۔ حقایق۔ کاشُر رامائن۔ کاشُر شاعری۔ اسد پیرے۔ کُلیاتِ عارض۔ کُلیاتِ نادم (دو ایڈیشن)۔ کلیاتِ مہجور۔ کلیات محمود گامی۔ کلیات مقبول کرالہ واری۔ کُلیاتِ ناظم۔ کلیات صمد میر (دو ایڈیشن) کلیات شیخ العالمؒ (چار ایڈیشن)۔ کلیات ثنا اللہ کریری۔ لل دید (چار ایڈیشن)۔ بیرہ ماتند (دو حصّے)۔ کُلیات رسول میر۔ سام نامہ رلکھمن کول بُلبل)۔ سیف الدین نارہ بلی۔ شمس فقیر۔ کُلیات صدیق اللہ حاجنی۔ ولی اللہ متو۔ کلیات کرشن جو رازدان۔ اسد اللہ میر۔ صوفی شاعری (جس میں سوچھ کرال سے لے کر مرحوم احد زرگر تک تمام صوفی شعرا کا انتخاب شامِل ہے)۔

۲۔ لوک ادب : کاشرِ لُکہ بأتھ (۷ جلدیں)، ڈوڈہ ضلکو لُکہ باتھ۔ کأشرِ لُکہ کتھ (۳ جلدیں)۔ ڈلیلہٕ۔ سانہٕ گیندن تراہبہ۔ اسن تراہبہ۔

۳۔ موسیقی :۔ کوشُر سرگم

۴۔ لغت سازی :۔ کاشُر ڈکشنری (۷ جلدیں)۔

۵۔ سالانہ گلدستے :۔ سنہ ۱۹۵۹ء سے لے کر سنہ ۱۹۸۴ء تک شائع کئے گئے 'سون ادب' کے ۲۲ سالنامے جن کے چند خصوصی شمارے ہیں :۔

سفرنامہ نمبر۔ کأشر زبان تہٕ ادب نمبر۔ کشیر نمبر۔ انتخاب شیرازہ نمبر۔ تنقید نمبر۔ وسط ایشیا نمبر۔ ڈراما نمبر۔ افسانہ نمبر۔ تواریخ نویسی نمبر۔

۶۔ تنقید، تحقیق اور تاریخ سے متعلق جو کتابیں اب تک چھپ چکی ہیں، وہ ہیں :۔

کأشر زبان تہٕ ادب۔ کأشُر نثر۔ کأشر افسانہ۔ کأشر مثنوی۔ اوک انگو ڈراما۔ روحانی فلسفہ۔ شیخ العالم۔ کأشر زبان تہٕ تنقید۔ کأشرِ جنگنامہ

۷۔ تراجم :۔ قومی اور بین الاقوامی ادب کے چھپے ہوئے ان شاہکاروں کے تراجم کلچرل اکادمی کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں :۔

الف لأل۔ دنیا ہچہٕ ڈلیلہ۔ حاجی بابا اصفہانی (شیخ احمد کرمانی)۔ حاکم اعلیٰ (نکولائی گوگول)۔ حدیث شریف۔ حیات النبیؐ ۳ جلد (زین العابدین رہنما) جنگ تہٕ امن ۴ جلد (ٹالسٹائی)۔ کلیلہ و دمن (فارسی) ماج (گورکی)۔ راژہٕ تہٕ رأنی (ٹیگور)۔ صدا فتح تہٕ میأنی تجربہ (مہاتما گاندھی)۔ شاہکار (عالمی شاہکار افسانے)۔ شیخ بابا فرید الدین گنج شکرؒ (گرچرن سنگھ طالب)۔ سوننگ اتہٕ گتھ (ٹیگور)۔ ام القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد)۔ ترٕ بیٔے بہنہٕ (چیخوف)

وبوڑ (سمبرا نندن پنت)

۸۔ کلچرل اکادمی کی طرف سے کشمیری زبان میں ادبی جریدہ "شیرازہ" دو ماہی پچھلے ۲۵ برس سے باقاعدگی سے چھپ رہا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً اِس کے خصوصی شُمارے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ چند مشہور خصوصی شُماروں میں یہ نمبر بھی شامِل ہیں :۔

غزل نمبر۔ ڈراما نمبر۔ نظم نمبر۔ افسانہ نمبر۔ مثنوی نمبر۔ کاشری جنگنامہ نمبر۔ اقبال نمبر۔ غالب نمبر۔ شیخ العالم نمبر۔ لل دید نمبر۔ پریم چند نمبر۔ شیرِ کشمیر نمبر۔ اُزیک کاشُر افسانہ۔

اُردو زبان

اُردو ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان ہے اور سکولوں میں پرائمری کلاسز سے ہی پڑھائی جارہی ہے۔ اکادمی نے اپنے انعقاد کے ساتھ ہی ریاست میں اِس زبان کی ترقی و ترویج میں بھرپور حصہ ادا کیا ہے۔ ادب، ثقافت، تاریخ و تحقیق سے متعلق اب تک سو سے زائد ٹائیٹلز۔ اکادمی کی طرف سے پچھلے ۲۵ برسوں میں شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے :۔

۱۔ شعروادب :۔ انوار ابوالکلام۔ تفسیرِ غالب (۲ ایڈیشن)۔ دیوانِ میر۔ کشمیری زبان اور شاعری (۲ ایڈیشن ۔ ۳ جلد)۔ کشمیر میں اُردو (۳ جلد)۔ خیاباں خیاباں۔ محفلِ اقبال۔ نئی حسیت اور عصری اُردو شاعری۔ نظر اور نظارہ۔ نکات و رقعاتِ غالب۔ پرتوِ اقبال۔ ریشیات۔ سیدِ گل۔ شمس العارفین۔ وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ بُرجِ نور۔ انتخابِ اُردو ادب (کشمیر) جدید ڈوگری ادب کا ارتقا۔ جموں وکشمیر (تاریخ و ثقافت ۵ جلد)۔ لوک ادب۔ مشاہیرِ کشمیر (۲ جلد)۔

اردو کشمیری فرہنگ (۱۲ جلد)

۲۔ سالانہ گلدستے :۔ اُردو میں چھاپی جارہی سالانہ انتھالوجی 'ہمارا ادب' کے اب تک ۲۴ شُمارے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں چند ایک مشہور نمبر ہیں :۔ لوک ادب نمبر۔ مشاہیر نمبر۔ شیرازہ انتخاب نمبر۔ جموں و کشمیر نمبر۔

۳۔ تراجم :۔ کشمیری زبان کے جن کلاسیکی شعراُ کے کلام کے تراجم اب تک شائع ہو چُکے ہیں، ان میں عبدالاحد نادم۔ آزاد۔ حبّہ خاتون۔ حقانی۔ لل دید۔ مہجور۔ محمود گامی۔ مقبول کرالہ واری۔ پرمانند۔ رسول میر۔ شمس فقیر اور وہاب پرے شامل ہیں۔

اس کے علاوہ بھائی ویر سنگھ کی پنجابی نظموں کے اُردو تراجم 'مٹک ہلارے' کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

ریاستی اکادمی نے ڈوگری اور کشمیری زبان کے منتخب افسانوں کے تراجم شائع کرنے کا پروگرام بھی ہاتھ میں لیا ہے۔ اس سلسلے میں 'پربت اور پگڈنڈے' کے نام سے دو مجموعے چھپ چکے ہیں۔

شیرازہ (ماہنامہ) چند خصوصی شُمارے :۔ زور نمبر۔ نہرو نمبر۔ ثقافت نمبر۔ اقبال نمبر۔ صادق نمبر۔ سیمنار نمبر۔ افسانہ نمبر۔ شیخ العالم نمبر۔ فوق نمبر۔ لل دید نمبر۔ پریم چند نمبر۔ شیر کشمیر نمبر۔

ڈوگری زبان

۱۔ شعر و ادب :۔ اروینا۔ چاندنی مارو ہیان۔ چُبھس تے سہی۔ دیش پیار دے گیت (۲ جلد)۔ دھن سارا دیش۔ دن دن جوت سوائی۔ ڈوگری ایکانکی۔ ڈوگری کوی ہردت۔ ڈوگری کوی شمبھو ناتھ۔ ڈوگری ستنا ٹک۔ ڈوگری ساہتیہ تے پہاڑی آرٹ۔ جوت جلے دن رات۔

قلمکار چرن سنگھ ۔ کوی پرمانند الست ۔ کویتا رتن ۔ مادھو کان ۔ مگدھولی ۔ میریاں ڈوگری غزلاں ۔ سنہار ربکا ۔ پرانکبراں ۔ سروشریٹ ڈوگری کہانیاں (۲ جلد)

۲۔ لغت سازی وگرائمر :۔ ڈوگری بھاشا اور ویاکرن ۔ ڈوگری کہاوت کوشش (۲ جلد) ۔ ڈوگری محاورہ (۲ جلد) ۔ ڈوگری ڈوگری ڈکشنری (۳ جلد)

۳۔ لوک ادب :۔ ڈوگری لوک گیت (۱۵ جلد)

۴۔ ڈوگری نثری ادب :۔ باہین دن منجراں ۔ بھاگوی دی کھید ۔ دسنہار ۔ اک ڈانڈیا محل ۔ جیاں اُندا دِن بھیرے ۔ لوک تنو تنُو ۔ منُش تے پرمیشور ۔ ناگ پانی ۔ ناندی دی کرچھا ۔ پانی دا اُمل ۔ پھُل چمبیلی دا ۔ رزق تنا اکال ۔

۵۔ سالانہ گلدستے :۔ ساڑھا ساہتیہ (۲۴ جلد)

۶۔ تراجم :۔ ادھونک ڈوگری ساہتیہ ۔ آکھیں دی رٹوک (ٹیگور) ۔ آتم کتھا (مہاتما گاندھی) ۔ باقی اتہاس (بادل سرکار) ۔ بِٹّے دا دعویدار (شرت چندر چیٹرجی) ۔ بھارتی کہانیاں ۔ دلیش اُپدیش تانترمالا (کھیمندر دو پٹے دھان (شنو شنکر پلّے) ۔ اکو تر ستی (ٹیگور) ۔ گن دیوتا (تاراشنکر بندوپادھیائے) ۔ گیتا نجلی (ٹیگور) ۔ گودان (پریم چند) ۔ اکی کہانیاں ۔ ۲ جلد (ٹیگور) ۔ کتھا سرت ساگر (سوم دیو) ۔ لل بچنامرت (لل دید) ۔ لوری (شرت چندر چیٹرجی) ۔ مہابھارت (راجگوپال آچاری) ۔ میلی جیہتی اک چادر (راجندر سنگھ بیدی) ۔ مرگھا یتا (ورنداین لال) ۔ مٹی دی گڈی (شدرک کوی) ۔ نیلا کمل (مناشور رینو) ۔ پتا دے پتر پُتری دے نام (جواہر لال نہرو) ۔ پرتیما (بھاشا بٹ) ۔ رامائن (راجگوپال آچاریہ) ۔ سماجیا بھاشا وگیان (بابو رام سکسینہ) ۔ سنسار پردیش کہانیاں ــــ

کشمیر پنجابی کویاں دے نظر وِچ۔ میاں محمد بخش۔ سرِت دا پھلا۔ سُنتے ہوئے بھاگ۔

۲۔ انتھالوجی :۔ ساڑا ساہتیہ (سالانہ) ۲۴ جلد

۳۔ تراجم :۔ آدھونِک ڈوگری ساہِت۔ آجو کھی کشمیری کویتا۔ چونویں کشمیری کویتا۔ چونویں ڈوگری کویتا۔ ڈوگری کشمیری کہانیاں۔ ڈوگری لوک گیت۔ کشمیری لوک گیت۔ للّی ماں۔ لل واک۔ نیلامبر کالے بادل۔ پُھل بِنا ڈالی۔ سُمرن۔ شیخ العالم۔

۴۔ پنجابی شیرازہ :۔ (خصوصی شُمارے)۔ یوم جمہوریہ نمبر۔ شیخ فرید انک۔ بیساکھی انک۔ دھنی رام چیرت انک۔ اقبال نمبر۔

گوجری زبان

گوجری لوک گیت (۵ جلد)۔

گوجری لوک کہانیاں (۶ جلد)۔ گجر اور گوجری (۲ جلد)۔

گوجری زبان وادب :۔ مہار و ادب (سالنامہ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۴ء ۸ جلد)۔

نغمۂ کوہسار۔ شنگراں کا گیت (۲ جلد)۔

گوجری ڈکشنری۔

گوجری شیرازہ (سہ ماہی) خصوصی شُمارے۔ شبیر کشمیر نمبر

پہاڑی زبان

پہاڑی لوک گیت (۳ جلد)۔ پہاڑی لوک کہانیاں (۳ جلد)۔ ناتگابای استاادب (۷ جلد)

پہاڑی شیرازہ (سہ ماہی) خصوصی نمبر:۔ بابا جی نمبر۔ شبیر کشمیر نمبر۔

لداخی زبان

لوکھور گی دیپ (۹ جلد)۔ لداخی لوک کہانیاں (۳ جلد)۔
لداخی لوک گیت (۶ جلد)۔ لداخی شیرازہ (ششماہی)۔

بلتی زبان

نستی ادب (۲ جلد)۔

فارسی زبان

دیوانِ غنی (۲ ایڈیشن)۔ غنی کشمیری۔
ہی مال۔ مثنویات فانی۔ ریشی نامہ۔ بہاؤالدین

انگریزی زبان

GENIOUS OF TAGORE -
NILAMATA PURANA (2. Vol)
INTRODUCTION TO DOGRI LITERATURE
ROSEMRY OF HUNDRED BEADS -
WRITERS SEMINAR
UNITY IN DIVERSITY

فنونِ لطیفہ و فنِ تعمیر۔

مرقع علمدار (۲ ایڈیشن)۔ رس سنیجری۔ شیرین قلم (۲ جلد)۔
ونستا کے گیت (لانگ پلے گراموفون ریکارڈ)۔

اکادمی لائبریری

(۱۹۸۲-۸۱ء)

پچھلے پچیس سال کے دوران اکیڈیمی نے اپنے مرکزی دفتر میں ایک ریفرنس لائبریری قائم کی ہے۔ اِس کے علاوہ اپنے علاقائی دفاتر میں بھی اکیڈیمی نے قیمتی کتابوں پر مُشتمل چھوٹے چھوٹے کُتب خانے قائم کئے ہیں۔ سرینگر اور جموں کے ادارہ ہائے فنونِ لطیفہ میں بھی ایسے کتب خانوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور تمام کُتب خانوں میں تربیت یافتہ سٹاف متعین کیا گیا ہے۔

مرکزی کُتب خانے میں فنونِ لطیفہ، ادب، تمدن، تاریخ، زباندانی اور آثارِ قدیمہ وغیرہ پر ۹۱۲۳ کتابیں ہیں۔ اِس کے علاوہ ۴۸۷ نادر قلمی نسخوں اور کشمیری گیتوں پر مبنی ۴۵ گراما فون ریکارڈوں کو بھی لائبریری میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ مخطوطات کے نادر خزانے کو محفوظ رکھنے کیلئے مرکزی وزارتِ تعلیم و تمدن اکیڈیمی کی مالی معاونت کرتی ہے۔ اور یہ پہلا موقعہ ہے جبکہ مرکزی سرکار نے ریاست میں مخطوطات کو محفوظ رکھنے کیلئے کسی ادارے کو تسلیم کیا ہے۔ یہ رقومات نادر نسخوں کو سائنسی اصولوں پر محفوظ رکھنے پر صرف کئے جاتے ہیں۔ ریسرچ سکالروں کی سہولیات کے لئے مرکزی کُتب خانے کے لئے فوٹوسٹیٹ اور مائیکروفلم مشینیں بھی خریدی گئی ہیں

لائبریری میں چند اہم کُتب اور قلمی نسخوں کی تفصیل اس طرح ہے:-

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مقامِ اشاعت
۱۔	طوطی نامہ	پرمود چندرو (مرتب)	آسٹریا اکیڈیمی

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مقام اشاعت
۲۔	حمزہ نامہ	×	آسٹریا اکیڈمی
۳۔	ڈکشنری آف اسلام	تھامس پیٹرک ہوگس (مرتب)	کاسمو پبلکیشن دہلی
۴۔	انسائیکلو پیڈیا آف اسلام	ایچ، اے۔ آر گب	ای جی بیر لنڈن
۵۔	انٹرنیشنل انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائینسز	ڈیوڈ۔ ایل سلز (مرتب)	منکمل کمپنی نیو یارک۔
۶۔	انسائیکلو پیڈیا آف ورلڈ بیاگرافی	ایم، سی گریوہل	ایم، سی گریوہل بک کمپنی نیو یارک
۷۔	دی اوشن آف سٹوریز (۱۰ جلد)	این۔ ایم پینزر (مرتب)	موتی لال بنارسی داس پبلکیشنز دہلی
۸۔	سرانڈیا	سٹین اے (مرتب)	" "
۹۔	اخبار بیدیا بلاس (فولیوز)	پنڈت بنکٹ رام شاستری	جموں
۱۰۔	سروے پیپس آف جموں اینڈ کشمیر	×	×
۱۱۔	ایشیاٹک ریسرچ (۲۴ جلد)	جیمز ولسن (مرتب)	لویس فیڈرک پبلکیشنز۔
۱۲۔	انسائیکلو پیڈیا آف ایشین سویلائزیشن (۵ جلد)	فریڈرک لویس اڈیٹوریل بورڈ۔	کاسمو پبلکیشنز دہلی۔ لویس فیڈرک پبلکیشنز،

[illegible] ... هو الله الواحد الاحد الحق

من تصنیف امیر کبیر سید علی همدانی

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد بسیار و ثنای بیشمار مر حضرت ملکی را سزد که اسباب معاش
سکان خطهٔ ملک و شهود را بتمهید قانون سیاست حکمی نظام داد
و عرصهٔ ملک معنوی را باستحکام قواعد مکارم اخلاق و
محامد اوصاف بناء انتظام نهاد قاهری که سطوت قهر او رایت
جباران ظالم را نگونسار گردانید عادلی که آثار رافت عدلش داعیهٔ
مظلومان ضعیف باوج محل قبول رسانید و صلوات زاکیات
و درود نامیات بر صاحب لواء اعظم و واضع شرع اکرم
مهبط ... اقوم سید ملوک و انبیا و مقتدای ارباب
سلوک و اولیا محمد مصطفی علیه افضل الصلوات و اکمل
التحیات و بر اهل بیت او که منار انوار ولایت اند و

صحابهٔ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۱۳۔	انر موسٹ ایشیا (۵ جلد)	سٹین اے	کاسمو پبلیکیشنز دہلی۔
۱۴۔	ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائے اٹس اون (۸ جلدیں) ہسٹوریینز	ایلیکٹ اینڈ ڈوسن	کتاب محل الہ آباد
۱۵۔	لالہ رُخ	تھامس مور	×
۱۶۔	آئینِ اکبری (۳ جلدیں)	ابوالفضل	اورینٹل بکس سوسائٹی دہلی
۱۷۔	بہارِ گلشنِ کشمیر (۲ جلد)	برج کرشن کول بے خبر	انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد۔
۱۸۔	تذکرۂ شعرائے کشمیر (۴ جلد)	سید حسام الدین رشیدی	اقبال اکیڈیمی کراچی
۱۹۔	دردستان	جی، ڈبلیو لٹنر	مسیجرڈی پبلیکیشنز دہلی
۲۰۔	انڈین آرکیٹیکچر ۲ جلد	پرسی براون	ڈی بی تاراپوری والا سنز اینڈ کو۔ بمبئی۔
۲۱۔	برٹانکا اٹلس	برٹانکا اڈیٹوریل بورڈ	انسائیکلوپیڈیا برٹانکا کمپنی
۲۲۔	اے کلکشن آف ٹریٹیز	ایچیسن سی یو	گورنمنٹ پریس حیدرآباد۔
۲۳۔	ہسٹورینز ہسٹری آف ورلڈ (۲۴ جلدیں)	ہنری اسمتھ ولیم	دی ٹائمز لندن
۲۴۔	پیرلگریمیج ٹومکہ	محمد امین	میکڈونالڈ اینڈ جیمز لندن۔

۲۵۔	اسلام اینڈ مسلم آرٹ	الیکزنڈر پاپا ڈوپا پاولو	تھامز اینڈ ہڈسن لندن
۲۶۔	اِسلامک آرکٹیکچر	جان ڈی ہوگ	ہری این ابرامز پبلشرز نیویارک
۲۷۔	غالب مصور (اُردو)	نورالدین آزاد	کاروبخش لیتھو ورکس لندن
۲۸۔	اقبال ریوائٹ آف دی ایسٹ	محمد عبدالرحمان چغتائی	اقبال اکیڈیمی پاکستان۔
۲۹۔	تفہیم البخاری	ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	مکتبۂ فیض القرآن دیوبند
۳۰۔	سٹڈیز ان اسلام (۵ جلد)	حکیم عبدالحمید	انڈین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز دہلی
۳۱۔	ہسٹاریکل اٹیلس آف اِسلام	ولیم سی بریس	ای جے برل۔لندن
۳۲۔	این اٹیلس آف مغل ایمپائر	عرفان حبیب	آکسفارڈ یونیورسٹی پریس نیویارک۔

مخطوطات

نمبر شُمار	نام نسخہ	مصنف	تاریخ	کیفیت
۱۔	تذکرۃ الاولیاءؒ	غلام محی الدین رفاعی	×	×
۲۔	قرآن شریف کے چند اوراق	—	(۹۹۱ھ)	اس پر والی دکن قلی قطب شاہ کے ذاتی کتب خانے کی مہر ثبت ہے۔

ڈکشنری پروجیکٹ

جہاں تک زبانوں اور ادب کی ترقی اور ترویج کا سوال ہے ریاستی کلچرل اکادمی ریاست جموں وکشمیر کے لینگوئجز ڈیپارٹمنٹ کے طور پر کام کرتی ہے۔ ریاستی آئین میں ہندی، اردو، کشمیری، ڈوگری، لداخی، پہاڑی، بلتی اور پنجابی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر ادب کی ترقی اور ماضی کے ادبی ورثے کا تحفظ اکادمی کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔

۱۹۴۷ء تک کچھ زبانیں صرف بولیاں تھیں چنانچہ ان میں سے ابھی بھی چند ایک زبانیں دوسری قریبی زبانوں سے پسماندہ ہیں۔ مگر اکادمی کے قیام کے بعد باقاعدہ منصوبے مرتب کئے گئے تاکہ ان زبانوں کی ترقی کی رفتار کو تیز کیا جاسکے۔ اکادمی اس وقت ریاست کا سب سے بڑا اشاعتی ادارہ ہے اور اسکی خوبصورت مطبوعات کو ہر جگہ سراہا جارہا ہے۔

کسی بھی زندہ زبان کے لئے ڈکشنری کا ہونا بہت ہی ضروری ہے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر کلچرل اکادمی نے کشمیری، کشمیری، اردو کشمیری، ڈوگری ڈوگری، ہندی ڈوگری، اور گوجری گوجری ڈکشنریاں بنانے کے منصوبوں کو ہاتھ میں لیا۔ ابتدائی دور میں سروے کرنے والوں کا تقرر عمل میں لایا گیا تاکہ الفاظ کا مناسب ذخیرہ اکٹھا کیا جاسکے۔ کشمیری، کشمیری ڈکشنری کے لئے اس کام کی ابتدا ۱۹۶۶ء میں ہوئی اور بالآخر یہ ڈکشنری ۱۹۷۹ء میں مکمل ہوگئی۔ اسی طرح دوسری زبانوں میں ڈکشنریاں بنانے کا کام بھی ہاتھ میں لیا گیا۔

کشمیری، کشمیری ڈکشنری

کشمیری زبان زیادہ تر وادی کشمیر اور اس کے نواحی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کا شمار شمالی ہندوستان کی قدیم زبانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد اس زبان کی ترقی کو یقینی بنانے کی زبردست ضرورت محسوس کی گئی۔ ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے کشمیری، کشمیری ڈکشنری بنانے پر زور دیا۔ سر جارج ابراہیم گریرسن نے ۱۹۳۶ء سے پہلے پنڈت مکند رام شاستری کی مدد سے کشمیری ڈکشنری مرتب کی تھی، جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے چار جلدوں میں شایع کی مگر اس ڈکشنری میں الفاظ کے معنی انگریزی میں دیئے گئے ہیں۔ یہ ڈکشنری نہ تو عام کشمیری قاری کے لئے فائدہ مند تھی اور نہ ہی بازار میں ملتی تھی۔

۲۸ رمئی ۱۹۵۹ء کی میٹنگ میں اکادمی سے منسلک کشمیری مشاورتی کمیٹی نے کشمیری۔کشمیری ڈکشنری بنانے اور شایع کرنے کا فیصلہ کیا۔

اکادمی نے اختر محی الدین کی سرکردگی میں کشمیر کے مختلف علاقوں سے الفاظ اکٹھا کرنے کے لئے چھ سرویر مقرر کئے۔ مگر اس طریقہ کار کے خاطر خواہ نتایج برآمد نہیں ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں پروفیسر ایس۔ کے توشخانی کو ڈکشنری پروجیکٹ کا چیف ایڈیٹر مقرر کیا گیا

اڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل۔

کشمیری ڈکشنری کی پہلی جلد "کاشر لفظ راشن" کے نام سے ۱۹۶۸ء میں شایع کی گئی۔ اس جلد میں کچھ لوگوں کی جانب سے بے قاعدگیوں اور غلطیوں کی نشاندہی پر ایک ریوونگ کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ کمیٹی کے ذمے کشمیری ڈکشنری اور اردو کشمیری ڈکشنری کے سلسلے میں کئے گئے کام کا جائزہ لینا

اور دونوں ڈکشنریوں کو جدید اور سائینسی طریقے پر ترتیب دینے کے لئے سفارشات پیش کرنا قرار پایا۔

اس کمیٹی کے ارکان میں پروفیسر محی الدین حاجنی (کنوینر)۔ پروفیسر جے۔ لال کول، جناب غلام حسن بیگ عارفؔ، پروفیسر پی۔ این۔ پُشپ۔ اور جناب اختر محی الدین شامل تھے۔

کمیٹی نے اپنی حتمی رپورٹ ۲۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو اکادمی کے صدر کو پیش کی۔ صدر نے رپورٹ کی انتظامی اور تکنیکی مُنابیت پر غور کرنے کے بعد اڈیٹوریل سٹاف کے تیار کئے ہوئے بنیادی مسودوں کو حتمی شکل دینے کے لئے دو الگ الگ اڈیٹوریل بورڈ تشکیل دیئے:۔

پروفیسر محی الدین حاجنی

پروفیسر جے لال کول

پروفیسر پی۔ این۔ پشپؔ اور جناب اختر محی الدین کشمیری، کشمیری ڈکشنری کے ارکانِ اڈیٹوریل بورڈ مقرر ہوئے۔ اور اُردو کشمیری ڈکشنری کے لئے:۔

پروفیسر رحمان راہیؔ

پروفیسر حامدی کشمیری

جناب رشید نازکیؔ اور شری موہن تراشس پر مُشتمل اڈیٹوریل بورڈ کو تشکیل دیا گیا۔

کشمیری، کشمیری بورڈ کے دو ارکان جناب اختر محی الدین اور پروفیسر جے لال کول بالترتیب ۱۸ ستمبر ۱۹۷۴ء اور ۱۶ جون ۱۹۷۵ء کو مُستعفی ہو گئے، ان کی جگہ

جناب غلام نبی گوہر اور جناب غلام حسن بیگ عارف کو کشمیری، کشمیری اڈیٹوریل بورڈ میں شامل کیا گیا۔

۷ ۔ جولائی ۱۹۷۹ء کو صدر اکادمی نے شری موہن نراش کی جگہ جناب دینا ناتھ نادم کو اُردو کشمیری اڈیٹوریل بورڈ کا ممبر مقرر کیا۔

جناب رشید نازکی کے اکادمی میں ایڈیٹر اُردو فارسی مقرر ہونے پر وہ اُردو کشمیری اڈیٹوریل بورڈ کے ممبر نہیں رہے۔

سات جلدوں پر مشتمل کشمیری، کشمیری ڈکشنری کا کام تکمیل ہو چکا ہے۔ اسی طرح بارہ جلدوں پر مشتمل اُردو کشمیری فرہنگ بنانے کا منصوبہ بھی مکمل ہوا ہے۔

اسی طرح ڈوگری۔ ڈوگری ڈکشنری مرتب کرنے کے لئے بھی ۱۹۷۶ء میں ایک اڈیٹوریل بورڈ کو تشکیل دیا گیا۔ اب تک اس ڈکشنری کی دو جلدیں شایع ہو چکی ہیں۔ ڈوگری۔ ڈوگری ڈکشنری کے اڈیٹوریل بورڈ کے ارکان ہیں جناب رام ناتھ شاستری (چیف ایڈیٹر)، پروفیسر وید گھئی، پروفیسر نیلا میر دیو شرما، شری بال کرشن شاستری اور شری دینو بھائی پنت شامل ہیں۔

اکادمی نے گوجری ڈکشنری بنانے کا منصوبہ بھی ہاتھ میں لیا اور اس کے لئے ۱۹۸۱ء میں مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل اڈیٹوریل بورڈ کو تشکیل دیا۔

۱۔ پروفیسر پی۔ این پُشپ

۲۔ پروفیسر غلام رسول آزاد

۳۔ بابو فیض احمد

۴۔ چودھری فتح علی سروری کسانہ (ایڈیٹر گوجری)

اب تک گوجری ڈکشنری کی پہلی جلد شایع ہو چکی ہے۔

خطاطی کی ترویج

کشمیر فارسی اور اُردو خطاطی کا مرکز رہا ہے۔ اور مغل دربار کے چند نامور خطاط کشمیر سے ہی اُبھرے ہیں۔ لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ یہ فن روبہ زوال ہوتا گیا اور اس صدی کی چھٹی دہائی میں یہ تقریباً ختم ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ چونکہ سری نگر کے نمایاں اُخباروں کی زبان اُردو رہی ہے اور کشمیری یہاں کے تخلیق کاروں کا میڈیم رہا ہے۔ اس لئے اکادمی نے اس مرتے ہوئے فن کو بچانے کے لئے ٹھوس پروگرام مرتب کیا۔

اکادمی نے پہلی جنوری ۱۹۵۹ء سے اس فن میں تربیت دینے کی غرض سے فنِ خطاطی کے قابل اُستاد شری حسام الدین خانباری کا تقرر عمل میں لایا۔ اس تخلیقی فن میں چھ اُمیداروں نے ٹریننگ حاصل کی۔ مگر ۱۹۶۲ء میں اس کلاس کو بند کرنا پڑا کیونکہ امیدواروں کی تعداد کم ہوتی گئی، اگرچہ ٹریننگ حاصل کرنے والوں کو ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا۔

۱۹۷۴ء میں اس سکیم کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی اور ٹریننگ کرنے والوں کو ماہوار ۶۰ روپے کا وظیفہ دینے کی پیشکش بھی کی گئی۔ اس کا خیر مقدم جس انداز سے ہوا اس نے ہمیں حوصلہ بخشا۔ اور اب ہر ٹریننگ پانے والے کے لئے ماہوار وظیفے کی رقم ۱۲۵ روپے فی امیدوار کی گئی ہے۔ اور تقریباً سارے تربیت یافتہ خطاط سرکاری اور پرائیویٹ اداروں میں کام پر لگے ہیں۔

اکادمی کے خطاطی کے کلاس کی کامیابی کے پیشِ نظر مرکزی سرکار نے

اسے تسلیم کیا گیا۔ اور اردو بورڈ نے اسکی کامیاب اور اچھی کارکردگی کے پیشِ نظر اسکے حق میں سبسڈی دینے کا فیصلہ کیا۔ سالانہ جو گرانٹ اُردو بورڈ کی طرف سے ہم نے وصول کیا اسکی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ ۷۶-۱۹۷۵ء ۸۷۵۰/= روپے

۲۔ ۷۷-۱۹۷۶ء ۱۱۲۵۰/= روپے

۳۔ ۷۸-۱۹۷۷ء ۲۰۰۰۰/= روپے

۴۔ ۸۰-۱۹۷۹ء ۲۰۰۰۰/= روپے

۵۔ ۸۱-۱۹۸۰ء ۲۰۰۰۰/= روپے

۶۔ ۸۳-۱۹۸۲ء ۲۰۴۹۷/= روپے

اِس فن کو مزید اُوپر اُٹھانے کے لئے اور اِس تخلیقی عمل کی طرف مزید لوگوں کو راغب کرنے کے لئے اکادمی نے ۱۹۷۶ء میں کُل ہند خطاطی کا مقابلہ منظم کیا۔ اِس میں ملک بھر کے خطاطوں نے شرکت کی۔ انعامات کے پیشِ نظر خطاطی کے بہترین نمونوں کے انتخاب کے لئے خواجہ ثناءاللہ بٹ، مرزا کمال الدین شیدا، اور شری محمد یوسف ٹینگ پر مشتمل جانچ کمیٹی بنائی گئی۔ لکھنؤ کے شری محمد احمد اور سرینگر کے شری محمد یُوسف مسکین کو ایک ہزار روپے کا پہلا ایک ایک انعام دیا گیا۔ بمبئی کے محمد قاسم فیضی اور دہلی کے محمد عتیق صدیقی نے سات سو روپے کے الگ الگ انعامات حاصل کئے۔ اِس کے علاوہ اکادمی کے اُردو خطاطی کے کلاس میں سے مس تسمیہ مجی اور شریف احمد اندرابی کو دو سو روپے کے الگ الگ سٹوڈنٹ ایوارڈ دئے گئے۔ خطاطی کے باقی نمونے اکادمی کی آرٹ گیلری کے لئے حاصل کئے گئے۔ ۱۹۷۷ء میں دوسرا کُل ہند خطاطی مقابلہ منظم کیا گیا جس میں ملک بھر کے

نئی لسانی اکائیوں کا قیام

اکادمی اپنے قیام سے ہی گوجری اور پہاڑی زبانوں کی طرف توجہ دیتی چلی آرہی ہے مگر اکادمی کے آئین کے مطابق ۱۹۷۸ء میں گوجری اور پہاڑی کی ترقی اور نشر و تبلیغ کے لئے دو لسانی شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ اس مقصد کیلئے خصوصی منصوبوں پر عمل کیا گیا اور ان منصوبوں کی عمل آوری کے لئے ادبی اور تمدنی سرگرمیوں کو ریاست بھر میں منظم کیا گیا۔ اپنی اپنی حدود کے اندر گوجری اور پہاڑی کی ادبی اور تمدنی تنظیموں کو فراخدلی کے ساتھ مالی امداد فراہم کی گئی۔ اشاعتی پروگرام شروع کرنے کے علاوہ اِن زبانوں میں لوک ادب اور لوک روایات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی طرف خاص توجہ دی گئی۔

زیادہ سے زیادہ گوجری اور پہاڑی ادیبوں اور دانشوروں کے مشورے تعاون اور مسائل کو حل کرنے کے لئے گوجری اور پہاڑی تمدنی کانفرنسیں منظم کی گئیں۔ اِن کانفرنسوں کے لئے گوجری اور پہاڑی کے متقدر ادیبوں سے مقالہ جات لکھوائے گئے۔

اِن دو لسانی اکائیوں پر جو رقم خرچ کی جارہی ہے اُس کی تفصیل اس طرح ہے:۔

گوجری	۱۳ . ۲ لاکھ روپے (۱۹۸۲-۸۳ء) 2.13
پہاڑی	۴۷ . ۵ لاکھ روپے (۱۹۸۳-۸۴ء) 5.47

ٹیچرس ٹریننگ کالج سرینگر میں ہوا۔ جس میں مصوری کے مشہور نقاد شری ایس، اے کرشنن نے ایک SLIDE SHOW پیش کیا اور بعد میں اسی موضوع پر ایک مقالہ بھی پڑھا۔ اس سمینار میں مقامی مصوروں کے علاوہ فن کے شائقین نے بھی حصہ لیا۔

•

شعبۂ گوجری:

کارکردگی کی رپورٹ سنہ ۱۹۷۸ء سے سنہ ۱۹۸۱ء تک

سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء

آل سٹیٹ گوجری کلچرل کانفرنس۔

یہ کانفرنس ۲۵ ، اور ۲۶ ، ستمبر سنہ ۱۹۷۸ء کو ٹیگور ہال سری نگر میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح مادرِ مہربان بیگم شیخ محمد عبداللہ نے کیا۔ اور صدارت ڈپٹی منسٹر محکمہ افزائشِ نسلِ حیوانات میاں بشیر احمد نے کی۔ کانفرنس میں گوجری زبان اور ادب کے مسائل پر بحث ہوئی۔

محفلِ مقالات۔

۱۔ چودھری سلام الدین بجاڑ (تاریخِ گجر کے کچھ فراموش گوشے)

۲۔ چودھری محمد حسین سلیم (گوجری رسم الخط اور اس کے مسائل)

۳۔ اقبال عظیم چودھری (سچّا گوجری ادب کی پرکھ)

۴۔ میاں محمد یاسین (سری نگر) (گجروں کی ہجرتیں تاریخ کے آئینے میں)

۵۔ چودھری کرم الدین چوپڑہ (کٹھوعہ) (گوجری لوک گیت اور ان کا پس منظر)

۶۔ منشی عبدالغنی شاشی (سری نگر) (مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ پر گجر عہد کے اثرات)

۷۔ چودھری غلام حسین ضیاء (جموں) "برصغیر کے گجر مصنفین ۔ ایک جائزہ"

(ب) محفلِ مشاعرہ۔

۱۔ چودھری قیصر الدین (کپوارہ)

۲۔ چودھری مختار الدین تبسم (اننت ناگ)

۳۔ چودھری غلام رسول آزاد (کپوارہ)

۴۔ چودھری میر حسین فدا (اننت ناگ)

(ج) محفلِ موسیقی۔

۱۔ کیلاش مہرہ ۔ ۲۔ غلام محمد اینڈ پارٹی ۔ ۳۔ علی محمد شیخ اینڈ پارٹی۔

۴۔ ریشماں بی بی اینڈ پارٹی ۔ ۵۔ محمد حسین مراثی ۔

(د) گوجری مشاعرہ۔

۱۔ چودھری عبد الغنی عارف ۔ ۲۔ شری شاہباز راجوروی۔

۳۔ چودھری لال حسین پرواز ۔ ۴۔ چودھری اسرائیل اثر۔

۵۔ بانو نور محمد ۶۔ چودھری بشیر احمد پوسوال

۷۔ چودھری لال حسین گوہر ۔ ۸۔ چودھری گلزار احمد۔

۹۔ چودھری محمد صادق واصل ۔ ۱۰۔ چودھری افضل ندیم

۱۱۔ چودھری حاجی محمد لطیف ۔ ۱۲۔ میاں ممتاز احمد

۱۳۔ چودھری غلام حیدر عادل ۔ ۱۴۔ زرینہ بانو کسانہ

۱۵۔ چودھری محمد شریف شاد ۔ ۱۶۔ چودھری غلام قادر غلام

۱۷۔ سائیں محمد دین ساقی ۔ ۱۸۔ چودھری وزیر محمد عاصی۔

۱۹۔ چودھری محمد شریف سعود ۔ ۲۰۔ چودھری عبد الرحمان بڈانہ۔

۲۱۔ سید مبارک شاہ ۔ ۲۲۔ چودھری جمال الدین ۔ ۲۳۔ چودھری محمد نورانی نواز

مبصرین۔

۱۔ مولوی محمد اسماعیل۔ ۲۔ چودھری سکندر حیات طارق ۳۔ چودھری محمد شفیع کھٹانہ

۴۔ حاجی بلند خان۔ ۵۔ چودھری طالب حسین۔ ۶۔ چودھری برکت علی باگڑی۔

۷۔ چودھری غلام محمد کھٹانہ۔ ۸۔ چودھری محمد اسلم۔ ۹۔ چودھری وزیر بجران۔

۱۰۔ چودھری لال محمد صابر۔ ۱۱۔ محمد رشید۔ ۱۲۔ چودھری شوکت جاوید۔

۱۳۔ چودھری محمود رانا۔ ۱۴۔ چودھری غلام رسول اصغر۔ ۱۵۔ چودھری بشیر احمد۔

مشاعرہ ابھنو نھیبٹی جموں۔ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۷۹ء

۱۔ قاری عبد النبی باگڑی۔ ۲۔ مولوی احمد دین پوسوال۔ ۳۔ زرینہ بانو کسانہ۔

۴۔ چودھری برکت علی باگڑی۔ ۵۔ منشی خان کسانہ۔ ۶۔ چودھری فیض محمد کسانہ۔

۷۔ غلام رسول اصغر۔ ۸۔ چودھری محمد شریف شاد۔ ۹۔ محمد صادق واصل۔

۱۰۔ چودھری لطیف حسین۔ ۱۱۔ نذیر احمد اتفاقی

منی کلچرل کانفرنس۔ سُرنکوٹ (پونچھ)

ایک روزہ مختصر گوجری کلچرل کانفرنس کا اہتمام گرلز ہائی سکول سُرنکوٹ پونچھ میں کیا گیا۔ اس کانفرنس کی مختلف نشستوں کی روئداد اسطرح ہے:۔

مقالات

۱۔ مولوی محکم الدین (پونچھ کا گجر اولیا)

۲۔ چودھری سکندر حیات طارق (پونچھ پر گجراں کی حکومت)

۳۔ چودھری بشیر پوسوال (پونچھ کا گوجری لوک گیت)

۴۔ محمد رشید کاس (پونچھ کی تاریخ ساز شخصیت)

محفلِ افسانہ۔

۱۔ چودھری محمد امین قمر۔

۲۔ چودھری فضل مشتاق

۳۔ چودھری محمد حسین سلیم

محفلِ موسیقی۔

۱۔ مس جمشید بیگم اینڈ پارٹی ۲۔ چودھری شمس الدین اور ساتھی۔

۳۔ چودھری محمد رفیق اور ساتھی۔

محفلِ مشاعرہ۔

۱۔ مولوی محمد صادق واصل۔ ۲۔ بابو نور محمد۔ ۳۔ لال حسین گوہر۔ ۴۔ محمد حسین۔ ۵۔ مولوی جمال الدین۔ ۶۔ چودھری حسین دین حسین پونچھی۔

۷۔ حاجی وزیر محمد عاصی۔ ۸۔ افضل ندیم چودھری۔ ۹۔ حاجی شمس الدین۔

۱۰۔ شوکت بھٹی۔ ۱۱۔ عبدالرحمان۔ ۱۲۔ اشتیاق احمد بھٹی۔ ۱۳۔ محمد زمان۔

۱۴۔ شری بدرالدین۔ ۱۵۔ محمد شریف قمر۔ ۱۶۔ ماسٹر عبدالغنی۔ ۱۷۔ وزیر محمد مشتاق۔

۱۸۔ شیخ عبدالمجید۔ ۱۹۔ پیر ولایت شاہ۔ ۲۰۔ فتح محمد۔

گوجری لوک گیتوں کی صدابندی۔

لوک ورثے کو محفوظ کرنے کے لئے گوجری لوک گیت مندرجہ ذیل مقامات پر صدابند کئے گئے:۔

۱۔ اننت ناگ (ڈانڈی پورہ) مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

(i) شریمتی مریاں بی بی۔ چار گیت

(ii) شریمتی زینب اور ساتھی۔ چار گیت

(iii) اشتیاق احمد۔ دوگیت

(iv) شریمتی زرینہ اور پارٹی۔ سات گیت

(v) عبدالغنی۔ تین گیت

بارہمولہ۔ بمقام بانڈی پورہ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۷۸ء۔

(i) شریمتی رفیق اور سکینہ ستره گیت

(ii) چودھری عبدالرشید دوگیت

(iii) شریمتی زلیخا چھ گیت

(iv) مس حاجرہ بانو چار گیت

(v) زلیخا اور ساقی ایک گیت

(vi) شریمتی حاجرہ دوگیت

(vii) شریمتی رفیقہ اور پارٹی دوگیت

(viii) حاجرہ اور قائمہ ایک گیت

مینڈر (پونچھ) مورخہ یکم مارچ ۱۹۷۹ء

(i) شریمتی نذیرہ بیگم چار گیت

(ii) شریمتی حاکم بی بی اور پارٹی تین گیت

(iii) شریمتی اقبال بیگم اور پارٹی پانچ گیت

(iv) شریمتی زینب بیگم اور پارٹی بارہ گیت

سُرنکوٹ (پونچھ) مورخہ ۸ مارچ ۱۹۸۱ء

(i) چودھری حسین دین پانچ گیت

(ii) غلام حسین چھ گیت

(iii)	محمد حُسین	ایک گیت
(iv)	چودھری فضل دین	دو گیت
(v)	ارشا بی	دو گیت
(vi)	محمد شریف اور پارٹی	دو گیت
(vii)	محمد شریف	ایک گیت
(viii)	محمد شریف اینڈ پارٹی	ایک گیت
(ix)	شریمتی مکھنی اور پارٹی	چھ گیت
(x)	مکھنی	تین گیت
(xi)	مکھنی اور ایمنہ بی	گیارہ گیت

راجوری : بمقام تھنہ منڈی ۔ ۱۳ر مارچ سنہ ۱۹۷۹ء

(i)	چودھری فضل الدین	دو گیت
(ii)	شریمتی عالم بی	نو گیت
(iii)	نذیر احمد	ایک گیت
(iv)	لال حُسین	ایک گیت

اننت ناگ : بمقام اِلہن گڈول ۲۶ر مارچ سنہ ۱۹۷۹ء

(i)	جمیلا اینڈ پارٹی	دو گیت
(ii)	سکینہ اینڈ پارٹی	تین گیت
(iii)	زینماں اور پارٹی	ایک گیت
(iv)	مکھنی اور پارٹی	دو گیت
(v)	خنیمہ اور ساتھی	دو گیت

جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز
گوجری کلچرل
مذاکرہ
کلچرل اکادمی

(۱۶) مریاں اور ساتھی — ایک گیت

(۱۷) حسینہ اینڈ پارٹی — تین گیت

گوجری رسم الخط

گوجری کیلئے ایک منضبط اور باقاعدہ رسم الخط ترتیب دینے کے لئے ماہرینِ لسانیات کی خدمات سے استفادہ کیا گیا اور گوجری صوتیات کے قریب تر ایک رسم الخط ترتیب دیا گیا۔ یہ رسم الخط اُردو کے ساتھ گوجری کے قریب تر ہونے کی وجہ سے نستعلیق قرار پایا۔ اس سلسلے میں جو میٹنگیں ہوئیں اُن کی تفصیل یوں ہے :۔

پہلی میٹنگ

اکیڈیمی آفس سری نگر میں مورخہ ۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۷۸ء کو شری ایس کے توشخانی چیف ایڈیٹر ڈکشنری پروجیکٹ کی صدارت میں کی گئی۔ اس میں مندرجہ ذیل ممبران نے شمولیت کی :۔

۱۔ اقبال عظیم چودھری ۔ ۲۔ چودھری اسرائیل اثر

۳۔ چودھری قیصر الدین ۔ ۴۔ حاجی بلند خان

۵۔ چودھری کرم الدین چوپڑہ ۔ ۶۔ خان شاہباز راجوروی

۷۔ مولوی محمد اسمائیل نظامی ۔ ۸۔ چودھری محمد حُسین سلیم

۹۔ چودھری محمد صادق واصل ۔

دوسری میٹنگ

گوجری رسم الخط سے متعلق دوسری میٹنگ اکیڈیمی دفتر جموں میں ۸ر جنوری سنہ ۱۹۷۹ء کو چودھری قیصر الدین کی صدارت میں ہوئی

اس میں مندرجہ ذیل ممبران شامل ہوئے :-

۱۔ چودھری قیصر الدین۔ ۲۔ چودھری کے ، ڈی چوپڑہ

۳۔ محمد صادق واصل۔ ۴۔ چودھری سروری کسانہ

۵۔ چودھری نسیم پونچھی۔

لسانی سروے۔

گوجری ڈکشنری کے لئے ذخیرہ الفاظ جمع کرنے کے لئے ایک باقاعدہ لسانی سروے کا اہتمام کیا گیا، جس کے ساتھ مندرجہ ذیل گوجری ادیب منسلک رہے :-

۱۔ چودھری عبدالغنی عارف۔ ۲۔ چودھری برکت علی باگڑی

۳۔ موسیٰ خان۔ ۴۔ محمد رشید۔ ۵۔ منظور حسین گلشن راجوروی۔

آل سٹیٹ گوجری کلچرل کانفرنس :

۷ ، اور ۸ ، مارچ ۱۹۸۰ء کو دو روزہ گوجری کلچرل کانفرنس کا اہتمام ابھینو تھیٹر جموں میں کیا گیا۔ کانفرنس کا افتتاح مادر مہربان بیگم شیخ محمد عبداللہ نے کیا اور صدارت میاں بشیر احمد ڈپٹی منسٹر انیمل ہسبنڈری فرمائی۔ اس کانفرنس کے خاص پروگرام مندرجہ ذیل تھے :-

(ا) محفل مقالات (ب) کلچرل پروگرام (ج) گوجری مشاعرہ (د) محفل موسیقی۔

مقالات

(i) چودھری قیصر الدین "گوجری کی جنگیں کہانیں"

(ii) چودھری کرم الدین چوپڑہ (پرانا اُردو، ہندی ادب پر گوجری کو اثر

(iii) چودھری غلام حسین ضیا (برصغیر کی تاریخ پر گجر دور کو اثر)

(۱۷) چودھری سکندر حیات طارق (گجر دور کا کتبا)

(۷) چودھری اقبال عظیم (سچری گوجری نظم کی پرکھ)

(۸) چودھری محمد حسین سلیم (چودھری خدا بخش زار فکر تے فن)

(۹) چودھری منظور گلشن کسانہ (گوجری ادب ماں طنز تے مزاح)

محفلِ افسانہ۔

(۱) رانا محمود۔ ۲۔ چودھری عبدالغنی عارف۔ ۳۔ چودھری غلام رسول آزاد۔

۴۔ چودھری محمد امین قمر۔ ۵۔ چودھری حق نواز۔

گوجری مشاعرہ۔

۱۔ برکت علی باگڑی۔ ۲۔ منشی خان کسانہ۔ ۳۔ شری کے، کے خاکی۔

۴۔ چودھری محمد رفیق سوز۔ ۵۔ چودھری عبدالقیوم راز۔ ۶۔ چودھری عبدالرحمان بڈھانہ۔

۷۔ چودھری محمد شریف شاہین۔ ۸۔ چودھری لعل حسین پرواز۔

۹۔ چودھری نور محمد نور۔ ۱۰۔ چودھری لال حسین گوہر۔

۱۱۔ چودھری فضل حسین مشتاق۔ ۱۲۔ چودھری سفری نورانی۔ ۱۳۔

چودھری اسرائیل اثر۔ ۱۴۔ چودھری نذیر احمد۔

۱۵۔ چودھری سرور چوہان۔ ۱۶۔ چودھری فیض کسانہ۔ ۱۷۔

چودھری وزیر بجران۔ ۱۸۔ عاصی دبیڈڑ۔ ۱۹۔

چودھری فضل ندیم۔ ۲۰۔ چودھری لال حسین۔ ۲۱۔ چودھری بیدار کھٹانہ۔

محفلِ موسیقی۔

۱۔ کماری کلپنا قیصر۔ ۲۔ شریمتی جنتندر کور۔ ۳۔ قاری محمد صدیق۔

۴۔ کماری انیتا شرما۔ ۵۔ چودھری غلام رسول اصغر۔

شامِ افسانہ اکیڈیمی آفس جموں۔ ۹ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

۱۔ عبدالغنی عارف　　۲۔ اقبال عظیم
۳۔ چودھری نور حسین　　۴۔ رانا محمود
۵۔ چودھری محمد سلیم　　۶۔ چودھری لطیف حسین
۷۔ محمد امین قمر　　۸۔ وزیر بجران
۹۔ برکت علی باگڑی　　۱۰۔ چودھری اقبال راجوروی

شامِ غزل اکیڈیمی آفس جموں۔ ۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

۱۔ عبدالغنی عارف　　۲۔ چودھری فیض محمد
۳۔ اقبال عظیم چودھری　　۴۔ رانا محمود احمد
۵۔ چودھری لطیف حسین بھٹی　　۶۔ چودھری برکت علی باگڑی
۷۔ زرینہ بانو کسانہ　　۸۔ چودھری غلام رسول اصغر
۹۔ چودھری وزیر بجران　　۱۰۔ چودھری نورانی سفری
۱۱۔ مولوی احمد دین　　۱۲۔ محمد اعظم شمیم
۱۳۔ چودھری احمدالدین　　۱۴۔ چودھری جے ڈی ریاض

محفلِ موسیقی

مقام: ٹیگور ہال سری نگر　　۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۹ء

فنکار:

۱۔ شری غلام محمد اور ساتھی۔　　۲۔ محمد حسین مراثی
۳۔ شری بھنی بوارانی اور پارٹی　　۴۔ چودھری غلام رسول اصغر

۵۔ میاں اشتیاق احمد ۶۔ سردار صورت سنگھ

۷۔ شری غلام نبی شیخ۔

شام افسانہ سری نگر اور جموں

سری نگر : ۴ر اکتوبر ۱۹۷۹ء

۱۔ چودھری اقبال عظیم ۔ ۲۔ چودھری عبدالغنی عارف

۳۔ چودھری غلام رسول آزاد ۴۔ چودھری قیصر الدین

۵۔ چودھری شریف شاہین ۶۔ چودھری مختار الدین

۷۔ چودھری عبدالحمید کسانہ ۔

جموں : ۹ر جنوری ۱۹۸۱ء

۱۔ عبدالغنی عارف ۲۔ اقبال عظیم چودھری

۳۔ چودھری نور حسین ۴۔ رانا محمود احمد

۵۔ چودھری محمد سلیم ۶۔ چودھری لطیف حسین

۷۔ چودھری محمد امین قمر ۸۔ چودھری وزیر بجران

۹۔ چودھری برکت علی باگڑی ۱۰۔ چودھری اقبال راجوروی

۱۹۸۰-۸۱ء

آل انڈیا گوجری کلچرل کانفرنس

۴ر اور ۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ٹیگور ہال سری نگر میں آل انڈیا گوجری کلچرل کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ کانفرنس کا افتتاح مادر مہربان بیگم شیخ محمد عبداللہ اور صدارت ڈپٹی منسٹر (انیمل ہسبنڈری) چودھری طالب حسین نے کی۔ اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل پروگراموں کو

عملی شکل دی گئی ۔

محفل مقالات

۱۔ پروفیسر آر، پی کھٹانہ ۔ (تاریخ ہند اور گجر چوتھی صدی عیسوی سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک) ۔

۲۔ چودھری منظور گلشن کسانہ (گوجری ادب اک جائزو)

۳۔ چودھری دیوان علی خان (چودھری لیاقت علی گورسی)

۴۔ شری بلراج پوری (گوجری کلچر)

۵۔ چودھری احمد دین متہاس (میرا بائی کی گوجری شاعری)

۶۔ چودھری غلام رسول آزاد (گوجری غزل)

کلچرل پروگرام

گوجری ڈرامہ " عماں کی سلو" تحریر اقبال عظیم چودھری اور گوجری سکٹ " تحصیلدار کی عدالت" تحریر چودھری نور محمد ۴ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو سٹیج کیا گیا ۔

محفل افسانہ

گوجری میں محفل افسانہ کا یہ خوبصورت منظر ۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو دیکھنے اور سننے میں آیا ۔

۱۔ چودھری قیصر الدین ۔ ۲۔ چودھری محمد ابن قمر

۳۔ چودھری شریف شاہین ۴۔ محمود رانا

۵۔ چودھری وزیر بجران ۔

گوجری مشاعرہ ۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

۱۔ فضل مشتاق (پونچھ) ۲۔ نور محمد نور (پونچھ)

۳۔ شری کے، کے خاکی (راجوری) ۴۔ چودھری برکت علی باگڑی (جموں)

۵۔ چودھری لطیف حسین کھٹی ۶۔ چودھری خلیل احمد (جموں)

۷۔ چودھری غلام رسول ۸۔ چودھری محمد قاسمؒ (کٹھوعہ)

۹۔ محمد حسین بیدار (ڈوڈہ) ۱۰۔ چودھری عبدالغنی عارف

۱۱۔ میاں ارشاد احمد۔ ۱۲۔ چودھری میر محمد پوسوال

۱۳۔ میر حسین فدا ۱۴۔ مختارالدین تبسم

۱۵۔ جلال الدین جلال ۱۶۔ رحیم پڈھانہ۔

۱۷۔ علی حیدر عادل ۱۸۔ محمد عالم نوسر

۱۹۔ بدرالدین بدر ۲۰۔ لال حسین

۲۱۔ محمد صادق ناز

محفلِ موسیقی

محفلِ موسیقی ہیں مندرجہ ذیل فنکاروں نے حصہ لیا:۔

۱۔ شری اقبال ملنگامی

۲۔ شریمتی ریشماں بی بی

۳۔ کماری کلپنا فنیصر

۴۔ چودھری غلام ربانی

۵۔ شری محمد حسین ۔۶۔ سردار امریک سنگھ۔

۷۔ سردار صورت سنگھ زخمی ۔۸۔ کماری بلبیر کور۔

۹۔ شریمتی جتندر کور

—●—

صوبائی مشاعرہ

گجر ہوسٹل سرینگر۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

شرکاء:۔ ۱۔ مختار الدین ۔۲۔ محمد حسین بیدار ۔۳۔ چودھری قمر الدین۔ ۴۔ چودھری گلاب الدین طاہر۔ ۵۔ چودھری سراج الدین ۔۶۔ غلام ربانی ۔۷۔ عبد الخالق پٹواری۔ ۸۔ عبد الغنی عارف ۔۹۔ گلزار نسیم ۔۱۰۔ میاں ارشاد احمد۔ ۱۱۔ لال حسین پرواز۔ ۱۲۔ اسرائیل اثر ۔۱۳۔ چودھری غلام قادر غلام ۔۱۴۔ میر حسین فدا۔ ۱۵۔ عبد القیوم راز ۔ ۱۶۔ محمد حسین ساقی ۔۱۷۔ میر محمد یوسوال۔ ۱۸۔ جلال الدین ۔ ۱۹۔ محمد شفیع ندیم ۔۲۰۔ مولوی غلام قادر راز۔ ۲۱۔ محمد شریف شاہین ۔۲۲۔ غلام رسول آزاد ۔۲۳۔ میاں اشتیاق احمد۔ ۲۴۔ زرینہ بانو کسانہ۔ ۲۵۔ سراج الدین ظفر۔ ۲۶۔ تاج الدین۔ ۲۷۔ نورانی نواز ۔ ۲۸۔ غلام حسین شبنم۔

محفل افسانہ۔ اکادمی آفس سرینگر۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

شرکاء:۔ ۱۔ غلام رسول آزاد۔

۲۔ عبد الغنی عارف

۳۔ جلال الدین جلال

۴۔ شریف شاہین

۵۔ قیصر الدین قیصر

۶۔ غلام محمد شائق ۔ ۷۔ عبد الرحمان امتیازی۔

۸۔ مختار الدین تبسم۔ ۹۔ گلاب الدین طاہر

محفلِ مقالات

اکادمی آفس جموں۔ بکم فروری سنہ ۱۹۸۱ء

۱۔ گلاب الدین طاہر (ترقی پسند تحریک پریم چند)

۲۔ چودھری احمد الدین منہاس (پریم چند سلا سہاگ فنکار)

۳۔ شری. ایس سی سوری (پریم چند مہرے جے پچھوکڑ)

۴۔ شری خد شید بومینی (گودان آج کا قاری کی نظر مان)

۵۔ چودھری رانا محمود (پریم چند اک باغی)

۶۔ چودھری وزیر بجران (کی او کھٹ تے پریم چند)

۷۔ چودھری کرم الدین چوپڑہ (پریم چند تے ثقافت)

محفلِ افسانہ (گوجری) اکادمی آفس۔ جموں

۳۱ر جنوری ۱۹۸۰ء

شوکاء:۔

- چودھری حق نواز
- محمود رانا
- لطیف حسین بھٹی
- وزیر بجران
- محمد فضل چوہان
- زرینہ بانو کسانہ
- چودھری غلام سرور چوہان

متذکرہ سرگرمیوں کے علاوہ ریاست کے مختلف حصوں میں
شاعروں کا اہتمام کرنا ہمارے پروگرام کا حصہ رہا ہے جنکی تعداد
کافی زیادہ ہے۔

یہاں پر اس بات کا تذکرہ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اکادمی نے
پہلی بار گوجری طلبا کو ریاست سے باہر تربیت حاصل کرنے کیلئے
وظائف دینے کا سلسلہ شروع کیا۔

مختلف کتابوں کے علاوہ گوجری میں "شیرازہ" باقاعدگی سے
شائع ہوتا ہے اور اس رسالے کی بدولت گوجری ادیبوں کو
اشاعت کی سہولیات فراہم ہوئی ہیں۔

گوجری ڈکشنری پر باقاعدگی کے ساتھ کام ہو رہا ہے، اس
لغت کی پہلی جلد شایع ہو چکی ہے اور دوسری جلد بھی بہت جلد
شایع ہونے والی ہے ::

شعبۂ پہاڑی

کارکردگی کی رپورٹ سنہ ۱۹۷۸ء سے سنہ ۱۹۸۱ء تک

ریاستی سطح کی پہلی پہاڑی کلچرل کانفرنس ٹیگور ہال سری نگر میں ۲۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۸ء کو منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں چار مقالے پڑھے گئے:۔

۱۔ پہاڑی لوک ادب دا زندگی تے اثر ——— نوراللہ قریشی

۲۔ جموں کشمیر بچ پہاڑی زبان۔ اک جائزہ ——— مرزا عبدالرشید

۳۔ پہاڑی لوک گیتاں دا پس منظر ——— عبدالحمید خان

۴۔ پہاڑی زبان دیاں مشکلاں تہ اُنہاں دا حل ——— محمدالدین بانڈے

مشاعرے میں درج ذیل شعراُ نے حصہ لیا:۔

۱۔ عبدالرشید لون۔ ۲۔ سیف علی خان سیفیؔ۔ ۳۔ حسام الدین بیتابؔ۔
۴۔ لُقمان مغل۔ ۵۔ شیخ آزاد احمد آزادؔ۔ ۶۔ ہدایت اللہ قریشی۔
۷۔ عبدالعزیز دھچھنوی۔ ۸۔ زینت فردوس زینتؔ۔

موسیقی کے پروگرام میں درج ذیل موسیقاروں نے حصہ لیا:۔

۱۔ عبدالرشید قریشی۔ ۲۔ عالم قریشی اور مقبول خان۔

کانفرنس کی صدارت کے فرائض محترمہ مادرِ مہربان نے انجام دیئے اور افتتاحی تقریر وزیر تعلیم محمد شفیع نے کی۔

•

پہاڑی زبان کے رسم الخط کے سلسلے میں زبان دانوں کی ایک میٹنگ اکادمی آفس میں ۲۸ ستمبر ۱۹۷۶ء کو منعقد ہوئی جس میں درج ذیل حضرات نے شمولیت فرمائی :-

۱۔ مرزا عبدالرشید ۔ ۲۔ محمد دین بانڈے ۔ ۳۔ نور اللہ قریشی ۔ ۴۔ عبدالحمید خان ۔ ۵۔ شری یار محمد خان ۔ ۶۔ پروفیسر توشخانی (چیف ایڈیٹر) ۷۔ کریم اللہ قریشی (ریسرچ اسسٹنٹ پہاڑی)

پہاڑی زبان میں پہلا مشاعرہ ۶ نومبر ۱۹۷۸ء کو ٹنگ ڈار میں منعقد کیا گیا ۔ مشاعرے میں درج ذیل شعرا نے شرکت کی :-

۱۔ عبدالرشید لون ۔ ۲۔ سمندر خان ۔ ۳۔ غفور احمد ۔ ۴۔ رفیق احمد خان ۔
۵۔ ہدایت اللہ قریشی ۔ ۶۔ غلام ربانی آوان ۔ ۷۔ لقمان مغل ۔ ۸۔ سیف علی خان
۹۔ خلیل الرحمان ۔ ۱۰۔ محمد عرفان ۔ ۱۱۔ محبوب الٰہی ۔ ۱۲۔ محمد اکرم ۔

اس مشاعرے کی صدارت قاضی غلام حیدر نے فرمائی ۔

پہاڑی تخلیقات کا ایک مجموعہ "استاادب" کے عنوان سے ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران چھاپا گیا ۔

یک روزہ منی کانفرنس ۷ مارچ ۱۹۷۹ء کو گورنمنٹ ہائر سکنڈری سکول شہر نکوٹ میں منعقد ہوئی جسمیں درج ذیل ادبا و شعرا نے حصہ لیا :-

محفلِ مقالہ :- ۱۔ شاہ محمد خان
۲۔ کے ۔ ڈی ۔ مینی
۳۔ نذیر احمد قریشی
۴۔ ایوب شبنم

محفلِ مشاعرہ :- ۱۔ شیخ آزاد احمد آزاد ۔ ۲۔ حسام الدین بیتاب ۔

ALL STATE PAHARI CULTURAL CONFERENCE
J&K ACADEMY OF ART, CULTURE & LANGUAGES

۳۔ سید ولایت اللہ شاہ بخاری ۔۴۔ فضل حسین مشتاق ۔

۵۔ شمس الدین مہجور ۶۔ محمد اعظم ساگر

۷۔ میرزا عبدالرشید ۸۔ عبدالقیوم منہاس

۹۔ پیر بشارت حسین ۱۰۔ نذیر حسین انس

۱۱۔ محترمہ قیومہ بی ستی ۱۲۔ محمد شفیع ظفر ۔۱۳۔ منیر احمد منہاس

۱۴۔ عبدالحمید خان ۱۵۔ بشیر احمد ۱۶۔ سردار سریندر سنگھ

۱۷۔ حسام الدین شیخ ۱۸۔ سید یاسین شاہ ۱۹۔ محمد شفیع قریشی اور

۲۰۔ غلام مصطفیٰ ۔

محفل موسیقی :

۱۔ اوم پرکاش شرما ۔۲۔ شمیم اختر ۔۳۔ محمد عزیز اور نسیمہ بانو ۔

ایک محفلِ مشاعرہ ۱۳ر مارچ ۱۹۷۹ء کو تھنہ منڈی راجوری میں منعقد ہوئی جس میں شرکت کرنے والے شعرا درج ذیل ہیں :۔

۱۔ منظور احمد ۔ ۲۔ کشمیر سنگھ ۔ ۳۔ نثار حسین راہی ۔۴۔ مشتاق احمد ۔

۵۔ مختار احمد ۔ ۶۔ نذیر حسین انس ۔ ۷۔ محمد اقبال ۔۸۔ رفیق احمد شال ۔

۹۔ فقیر حسین ۔ ۱۰۔ فضل کوثر

مذکورہ بالا پروگراموں کے علاوہ سال ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران کرناہ، مینڈھر اور راجوری کے دیہاتوں میں کئی پہاڑی لوک گیتوں کی صدا بندی کا کام عمل میں لایا گیا۔

سال ۸۰-۱۹۷۹ء کی کارکردگی کی تفصیل

۱۔ اشاعت۔

(ا) "استاادب" سالنامہ

(ب) "شیرازہ" چارماہی

(ج) سپیشل نمبر "شیرازہ" "لل دید نمبر"

۲۔ ریاستی سطح کی دوسری پہاڑی کلچرل کانفرنس ابھینو تھیٹر، جموں میں ۲۵ فروری ۸۰ء کو منعقد کی گئی۔ جسمیں درجِ ذیل ادیبوں، شاعروں اور کلاکاروں نے شرکت کی:۔

محفل مقالہ۔

۱۔ مرزا عبدالرشید۔ ۲۔ سردار مجید احمد خان ۳۔ نوراللہ قریشی۔

محفل مشاعرہ۔

۱۔ عبدالعزیز دچھنوی۔ ۲۔ عبدالہادی ۳۔ شیخ آزاد احمد آزاد۔
۴۔ حسام الدین بیتاب۔ ۵۔ خورشید بومبئی۔ ۶۔ نذیر حسین انس۔
۷۔ نثار حُسین راہی۔ ۸۔ ٹھاکر کشمیر سنگھ۔ ۹۔ رگھبیر چند رنادم

محفل موسیقی

• مس پرویندر کور۔ • سید محمد اقبال • نور احمد قریشی۔

۳۔ ۲۲ جون ۱۹۷۹ء کو ولیوارڈ تحصیل گاندربل کے مقام پر ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جسمیں درج ذیل شعرا نے شمولیت کی:۔

۱۔ پیر قلندر شاہ۔ ۲۔ پیر یوسف شاہ۔ ۳۔ محمد لطیف منہاس
۴۔ مظفر احمد خان۔ ۵۔ سید مہر علی شاہ۔ ۶۔ غلام نبی عثمانی۔
۷۔ بشیر احمد خان۔ ۸۔ سید یوسف نسیم۔ ۹۔ جماعت علی شاہین اور غلام جیلانی۔

۲۴ رجون ۱۹۷۹ء کو چندن واڑی اوڑی کے مقام پر محفل مشاعرہ میں شرکت کرنے والے شعرا درجِ ذیل ہیں :-

۱۔ عبدالعزیز دچھنوی ۔ ۲۔ ماسٹر فیروزالدین ۔ ۳۔ احمدالدین انور
۴۔ عبداللطیف بٹ ۔ ۵۔ نذیر احمد ۔ ۶۔ ظفر پیامی
۷۔ رحمت اللہ خان ۔ ۸۔ آفتاب عالم خان ۔ ۹۔ سمندر خان ۔

۲۸ رجون ۱۹۷۹ء کو ٹنگدار کرناہ میں منعقد کی گئی محفلِ مشاعرہ میں ان شعراء نے شرکت فرمائی :-

۱۔ سیف الدین خان سیفی ۔ ۲۔ عبدالرشید لون ۔ ۳۔ نجیب اللہ شیخ ۔
۴۔ ماسٹر سمندر خان ۔ ۵۔ لقمان مغل ۔ ۶۔ محمد عرفان
۷۔ ہدایت اللہ قریشی ۔ ۸۔ مولوی عبدالقیوم ۔ ۹۔ عبدالعزیز
۱۰۔ غلام حیدر پروانہ ۔ ۱۱۔ اندر سنگھ ۔ ۱۲۔ رفیق احمد خان ۔
۱۳۔ سید علی حیدر شاہ ۔ ۱۴۔ محمد الیاس ۔

۲۸ رجون ۱۹۷۹ء کو ہی محفلِ مشاعرہ کے اختتام پر ایک رنگا رنگ محفلِ موسیقی کا انعقاد بھی کیا گیا جس میں کرناہ کی سرزمین کے مشہور کلاکار جناب عالم قریشی اور پارٹی نے شمولیت کی۔

۸ راگست ۱۹۷۹ء کو نوگام تحصیل ہندواڑہ کے مقام پر ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جسمیں درجِ ذیل شعرا نے اپنی تخلیقات پڑھیں :-

۱۔ عبدالہادی ۔ ۲۔ عبدالمنان ۔ ۳۔ عالم الدین ۔ ۴۔ مولوی شیر زمان ۔ ۵۔ عبدالحنان خان ۔ ۶۔ عبدالمجید ۔ ۷۔ غلام حسین ۔ ۸۔ محمد ایوب ۔ ۹۔ عبداللطیف اور ۱۰۔ محمد یوسف ۔

کڈارہ تحصیل بانڈی پورہ میں ۱۸ر مارچ ۱۹۸۰ء کو منعقد کئے گئے مشاعرے میں شرکت کرنے والے شعرائے کرام کے نام اِسطرح سے ہیں:۔

۱۔ سید نور علی شاہ۔ ۲۔ فضل الرحمان۔ ۳۔ نورالدین نقیبال۔ ۴۔ نذیر احمد
۵۔ خان محمد پردیسی۔ ۶۔ میر عالم۔ ۷۔ فضل حُسین۔ ۸۔ بشیر احمد
۹۔ فاروق احمد۔ ۱۰۔ عبدالہادی۔ ۱۱۔ سرفراز احمد۔

اِس محفلِ مشاعرہ کی صدارت سید یاسر اقبال ملنگامی نے فرمائی۔

۲۰ر مارچ ۱۹۸۰ء کو چھٹی بانڈی، بانڈی پورہ میں منعقد کی گئی محفلِ شعر میں درجِ ذیل شعراء شریک ہوئے جسکی صدارت جناب سید حسین شاہ صاحب ملنگامی نے انجام دی:۔

۱۔ سید زبیر ولی شاہ۔ ۲۔ شر جان خان۔ ۳۔ محترمہ کلثومہ اختر۔ ۴۔ محترمہ حمیدہ ناز۔
۵۔ سید الرحمان۔ ۶۔ محمد رفیق۔ ۷۔ محمد عبداللہ۔ ۸۔ محترمہ زینت فردوس زینت
۹۔ سیف علی خان۔ ۱۰۔ غلام حسین۔ ۱۱۔ فاروق حُسین۔ ۱۲۔ مرزا خان۔
۱۳۔ محمد یوسف اوان۔ ۱۴۔ شگفتہ مرزا۔ ۱۵۔ عبدالحمید۔

۲۳ر مارچ ۱۹۸۰ء کو عیش مقام اننت ناگ میں محفلِ مشاعرہ کی صدارت پیر عبدالعزیز صاحب نقشبندی نے فرمائی جس میں اِن شعرا حضرات نے شرکت کی:۔

۱۔ پیر عبدالعزیز۔ ۲۔ سید محبوب شاہ۔ ۳۔ سید پہلوان شاہ۔ ۴۔ سید قاسم شاہ۔ ۵۔ پیرزادہ لیاقت علی۔ ۶۔ محمد زمان۔ ۷۔ عبدالعزیز۔ ۸۔ محمد ایوب۔ ۹۔ بشیر احمد۔ ۱۰۔ محمد عبداللہ۔

چانٹھن گلاب پورہ تحصیل گاندربل میں ۲۴ر مارچ ۱۹۸۰ء کو مولوی عبدالعزیز صاحب کی صدارت میں منعقد ہونے والی محفلِ شعر میں

شرکت کرنے والوں کے اسمائے گرامی اسطرح ہیں :۔

۱۔ سید یوسف نسیم ۔ ۲۔ غلام نبی عثمانی ۔ ۳۔ پیر انور شاہ ۔ ۴۔ محمد یوسف ۔
۵۔ محمد اسحاق ۔ ۶۔ مولوی شریف الدین ۔ ۷۔ عبدالرشید ۔ ۸۔ محمد لطیف منہاس ۔
۹۔ عبدالرحیم ۔ ۱۰۔ عبدالعزیز ۔ ۱۱۔ محمد یوسف اوان ۔ ۱۲۔ قاضی حبیب الرحمان ۔
۱۳۔ مولوی محمد حسین ۔ ۱۴۔ جیون خان ۔ ۱۵۔ غلام حسین ۔ ۱۶۔ عبدالرشید مغل ۔
۱۷۔ عبدالکریم میر اور ۱۸۔ تاج محمد خان ۔

مشاعرے کے بعد رنگارنگ محفلِ موسیقی کا پروگرام بھی منعقد کیا گیا جسمیں درج ذیل کلاکاروں نے شمولیت فرمائی :۔

۱۔ سید یاسر اقبال ۔ محمد اشرف ۔ برکت حسین اور یعقوب قریشی ۔

۲۱ ر جنوری ۱۹۸۰ء کو مینڈر میں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا ، جسکی صدارت تحصیلدار مینڈر نے فرمائی ۔ مشاعرے میں درج ذیل شعرا شریک ہوئے :۔

۱۔ شیخ آزاد احمد آزاد ۔ ۲۔ حسام الدین بیتاب ۔ ۳۔ خورشید یومینی ۔
۴۔ مرزا عبدالرشید ۔ ۵۔ نذیر حسین انس ۔ ۶۔ محترمہ قیومہ بی بی سنی ۔
۷۔ محمد اعظم ساگر ۔ ۸۔ شاہ محمد ۔ ۹۔ شیخ حسام الدین اور ۱۰۔ ایوب شبنم ۔

۲۳ ر جنوری ۱۹۸۰ء کو ٹاون ہال راجوری میں چیئرمین ٹاون ایریا کمیٹی راجوری کے زیر صدارت منعقد کی گئی محفلِ شعر میں ان شعرائے کرام نے شمولیت کی :۔

۱۔ فاروق مضطر ۔ ۲۔ فدا راجوروی ۔ ۳۔ کلیم راجوروی ۔ ۴۔ نذیر احمد ۔ ۵۔ نثار حسین راہی ۔ ۶۔ ٹھاکر کشمیر سنگھ ۔ ۷۔ چونی لال شعلہ اور ۸۔ گھنشام بالی ۔

در ہال راجوری میں ۲۵ ر جنوری ۱۹۸۰ء کو مرزا عبدالرشید صاحب کے زیر صدارت منعقد کی گئی محفلِ مشاعرہ میں شرکت کرنے والے شعرا کے

سٹیٹ پہاڑی کلچرل کانفرنس

آل سٹیٹ پہاڑی کلچرل کانفرنس

اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :-

۱۔ نثار حسین راہی۔ ۲۔ شاہباز راجوروی۔ ۳۔ ٹھاکر کشمیر سنگھ۔ ۴۔ صابر مرزا۔

۵۔ شمشیر مرزا۔ ۶۔ فضل حسین کوثر۔ ۷۔ ملک محمد صادق۔ ۸۔ عبد القیوم۔

۹۔ حاجی عبداللطیف مرزا۔ ۱۰۔ ملک نصیر احمد۔

سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران مذکورہ بالا پروگراموں کے علاوہ کئی پہاڑی لوک گیت ریاست کے مختلف دیہات سے صدا بند کئے گئے۔

مطبوعات

۱۔ ''اسنا ادب'' سالنامہ

۲۔ ''پہاڑی لوک کہانیاں'' (لوک کہانیوں کا مجموعہ)

۳۔ ''پہاڑی لوک گیتاں'' (لوک گیتوں کا مجموعہ)

۴۔ ''شیرازہ'' چارماہی جن میں سپیشل نمبر ''شیرازہ'' ''نانگا باجی نمبر'' اور ''پریم چند نمبر'' بھی شامل ہیں، چھاپے گئے۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء کو تیسری پہاڑی کلچرل کانفرنس ٹیگور ہال سری نگر میں منعقد کی گئی جسکی صدارت محترمہ مادر مہربان بیگم شیخ محمد عبداللہ نے انجام دی اور افتتاحی تقریر سردار رفیق حسین خان نے فرمائی۔

کانفرنس میں ان ادیبوں نے مقالے پڑھے :-

۱۔ خوشدیو مینی

۲۔ نثار حسین راہی

۳۔ مولوی عبد العزیز

۴۔ راجہ نذر بونیاری

کانفرنس کی دوسری نشست میں محفل مشعر منعقد ہوئی جس میں

درج ذیل شعرا نے شرکت کی :۔

۱۔ حسام الدین بیتاب۔ ۲۔ ٹھاکر کشمیر سنگھ ۔۳۔ عبد العزیز دجھونوی۔ ۴۔ عبد الرشید لوتی

۵۔ سیف علی خان سیفی ۔۶۔ پیرزادی ملکہ خورشیدہ ۔۷۔ حیدر علی عادل ۔

۸۔ پیرزادہ لیاقت علی۔ ۹۔ نسیم خان اور ۱۰۔ محترمہ زینت فردوس زینت ۔

کانفرنس کی تیسری نشست میں محفلِ موسیقی کا رنگا رنگ پروگرام پیش کیا گیا جسمیں درجِ ذیل پہاڑی کلاکاروں نے شرکت فرمائی :۔

۱۔ عبد الرشید قریشی۔ ۲۔ مقبول خان ۔۳۔ عالم قریشی۔ ۴۔ محترمہ ثریا خان اینڈ پارٹی اور ۵۔ محترمہ وحیدہ اختر اینڈ پارٹی۔

اننت ناگ کو ٹھہار نمبر ۲ ر جولائی ۱۹۸۰ء کو محفلِ موسیقی کا انعقاد کیا گیا۔ اسکی صدارت سید مبارک علی شاہ ایڈوکیٹ نے فرمائی ۔اس پروگرام میں شریک شعراء و کلاکاروں کی تفصیل اسطرح ہے :۔

مشاعرہ :

۱۔ سید غلام احمد شاہ ۲۔ سید قاسم شاہ ۔۳۔ مولوی موج الدین ۴۔ شریف اللہ خان

۵۔ سید مبارک شاہ ۔ ۶۔ سید محرم شاہ ۔۷۔ سردار دلیپ سنگھ ۔۸۔ شری مرزا خان اور ۹۔ یعقوب خان

محفلِ موسیقی :

۱۔ پیرزادہ برکت علی۔ ۲۔ غلام حسین میراثی اور ۳۔ میاں

۲۸ ر جون ۱۹۸۰ء کو پہلگام میں پیر عبد العزیز نقشبندی کی صدارت میں منعقد کی گئی محفلِ شعر میں درج ذیل پہاڑی شعرا نے شرکت فرمائی :۔

۱۔ سید محمد یاسین شاہ ۔ ۲۔ سید محمود شاہ ۔ ۳۔ راجہ نسیم احمد خان ۔

۴۔ پیرزادہ لیاقت علی۔ ۵۔ سید محمد سلیم شاہ۔ ۶۔ پیر عبد العزیز نقشبندی۔

۷۔ سید پہلوان شاہ۔ ۸۔ سید محبوب شاہ۔ ۹۔ شفیق احمد خان۔

۱۰۔ سید محمد اقبال شاہ۔ ۱۱۔ سید یاسین شاہ ولد پیر عالم شاہ۔ ۱۲۔ غلام حسین شیخ

۱۳۔ ماسٹر سید احمد شاہ۔

مشاعرے کے بعد اسی مقام پر رنگارنگ موسیقی کا انعقاد کیا گیا، جسمیں

اِن کلاکاروں نے شرکت کی:۔

۱۔ پیرزادہ برکت علی اور ۲۔ غلام حسین مراثی۔

محفل شعر و موسیقی سرینگر دارہ میں ۱۵ / اگست ۱۹۸۰ء کو

پیرزادی ملکہ خورشیدہ کی صدارت میں منعقد ہوئی، جسمیں شرکت کرنیوالے

شعرا اور کلاکاراں اسطرح ہیں:۔

محفلِ مشاعرہ:

۱۔ محمد اسحاق خان۔ ۲۔ میر زمان خان۔ ۳۔ نواب خان۔ ۴۔ حلیم خان۔

۵۔ مولوی غلام محمد۔ ۶۔ پیرزادی ملکہ خورشیدہ۔ ۷۔ مِس شاہبینہ بی بی اور

۸۔ محمد شفیع خان صابر۔

محفلِ موسیقی:

۱۔ سید یاسر اقبال۔ ۲۔ میاں محمد اشرف اور ۳۔ اشرف علی اشرف۔

۱۸ / اگست ۱۹۸۰ء کو ضلع بڈگام کھاگ کے مقام پر محفلِ مشاعرہ

کا انعقاد کیا گیا۔ جسکی صدارت ریٹائرڈ کیپٹن دلاور خان نے انجام دی، اور

اسمیں مندرجہ ذیل شعرا نے شرکت فرمائی:۔

۱۔ لودھی بلال احمد خان۔ ۲۔ غلام نبی پرے۔ ۳۔ محمد اسلم۔

۴۔ محمد شفیع خان۔ ۵۔ فاروق احمد خان۔ ۶۔ قدوس عابد۔

۷۔ محی الدین ۔ ۸۔ محمد مصاب خان۔ ۹۔ نذیر احمد خان۔ ۱۰۔ لیاقت علی خان۔

۱۷ر اگست ۱۹۸۰ء کو گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول گاندربل میں محفلِ مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا، جسکی صدارت مولانا محمد سعید مسعودی نے کی۔ محفل میں شریک شعرا کے اسمائے گرامی ہیں:۔

۱۔ مولوی غلام حسین ۔ ۲۔ محمد صدیق ۔ ۳۔ جیون خان ۔ ۴۔ محمد رفیق چودھری

۵۔ مولوی محمد حسین ۔ ۶۔ محمد امین ۔ ۷۔ میر محمد۔ ۸۔ عبدالرشید۔

۹۔ محمد یوسف ۔ ۱۰۔ یعقوب خان ۔ ۱۱۔ عبدالرشید مغل۔ ۱۲۔ بشیر احمد خاکی اور

۱۳۔ سید یوسف نسیم ۔

ضلع بارہمولہ اور کپواڑہ میں منعقد کئے گئے پروگرام:

بارہمولہ لری ڈورہ کے مقام پر ۶ر نومبر ۱۹۸۰ء کو منعقد کئے گئے مشاعرے میں شرکت کنندگان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ پیر سخی شاہ۔ ۲۔ طواسین شاہ ۔ ۳۔ پیر گل بادشاہ ۔ ۴۔ سید یاسین شاہ۔

۵۔ ارسلا خان ۔ ۶۔ ماسٹر سلیم بیگ اور ۷۔ مسعود الحسن ۔

محفلِ مشاعرہ اور محفلِ موسیقی ۸ر نومبر ۱۹۸۰ء کو لنگاماوڑی میں منعقد کی گئی، جسکی صدارت وزیر تعلیم جناب محمد شفیع صاحب نے فرمائی۔ ان محفلوں میں شرکت کرنے والے حضرات کے اسمائے گرامی ہیں:۔

۱۔ عبدالعزیز دچھنوی۔ ۲۔ سید مظفر حسین ۔ ۳۔ سمندر خان ۔ ۴۔ آفتاب عالم خان۔ ۵۔ فرید احمد خان۔ ۶۔ محمد صادق خان ۔ ۷۔ عبدالرشید خان ۸۔ لطیف راہی ۔ ۹۔ ماسٹر اندر سنگھ ۔ ۱۰۔ احمد الدین انور اور

۱۱۔ رحمت اللہ خان۔

محفلِ موسیقی

۱۔ محمد اسلم خان۔ ۲۔ خادم حسین خان۔ ۳۔ سید نور عالم شاہ اور ۴۔ مشتاق حسین۔

ضلع کپواڑہ آورہ کے مقام پر ۱۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو پیرزادی ملکہ خورشیدہ کی صدارت میں منعقد کی گئی محفلِ مشاعرہ میں درج ذیل پہاڑی شعرا نے اپنا کلام پیش کیا:۔

۱۔ سمندر خان۔ ۲۔ عبدالمجید خان زندہ دل۔ ۳۔ سراج الدین خان۔ ۴۔ صادق خان۔ ۵۔ قاضی محمد اسرائیل۔ ۶۔ میاں محمد اسلم۔ ۷۔ میاں محمد افسر اور ۸۔ ماسٹر محمد اسلم۔

تحصیل کرناہ قصبہ کنڈی میں ۱۲ نومبر ۱۹۸۰ء کو محفلِ مشاعرہ منعقد ہوئی، جسکی صدارت رحمت اللہ خان صاحب نے کی۔ محفل میں مندرجہ ذیل شعرا نے اپنا کلام پیش کیا:۔

۱۔ سیف علی خان سیفی۔ ۲۔ عبدالرشید لون۔ ۳۔ رفیق احمد خان۔
۴۔ ہدایت اللہ قریشی۔ ۵۔ سید علی حیدر شاہ۔ ۶۔ صادق میر۔
۷۔ غلام حسین شاہ اور ۸۔ عبدالحمید خان۔

۱۴ مارچ ۱۹۸۱ء کو ٹاؤن ہال راجوری میں محفلِ مشاعرہ اور محفلِ موسیقی کا انعقاد عمل میں لایا گیا، جسکی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

مشاعرہ۔

مشاعرے میں حسب ذیل شعرا نے شرکت کی:۔

نثار حسین راہی۔ ٹھاکر کشمیر سنگھ۔ شری گھنشام بالی۔
چونی لال شعلہ۔ فدا راجوروی۔ مرزا عبدالرشید۔
ڈاکٹر صادق ملک۔ فضل حسین سوز۔ فضل حسین کوثر۔
حاجی ایوب شاہ۔ محمد اقبال۔ ملک نصیر۔ عبدالرشید قمر۔

مرزا عبداللطیف ۔ قاری محمد سعید۔ صابر مرزا۔ رفیق ملک اور دینا ناتھ شرما۔

محفلِ موسیقی :-

۱۔ مس غزالہ ملک

۲۔ کلثومہ بیگم اور

۳۔ سید یاسر اقبال ۔

۱۶ مارچ ۱۹۸۱ء کو پونچھ کے انفارمیشن ہال میں ڈی، سی پونچھ مسٹر عبدالقیوم کی صدارت میں محفلِ مشاعرہ اور محفلِ موسیقی کا انعقاد کیا کیا گیا ۔ شرکا حسب ذیل ہیں :-

مشاعرہ

۱۔ حسام الدین بیتاب ۔ ۲۔ شیخ آزاد احمد آزاد ۔ ۳۔ ایوب شبنم ۔ ۴۔ خورشید یومینی ۔ ۵۔ خلیل احمد جوہر ۔ ۶۔ عاشق حسین ۔ ۷۔ سید ولایت اللہ شاہ بخاری ۔ ۸۔ نذیر حسین انس ۔ ۹۔ نذیر حسین قریشی اور محمد شفیع ۔

محفلِ موسیقی :-

سید افتخار حسین اور شری اوم پرکاش شرما نے محفلِ موسیقی میں حصہ لیا۔

۱۹ مارچ ۱۹۸۱ء کو مرزا عبدالرشید کی صدارت میں ابھنو تھیٹر جموں میں محفلِ مشاعرہ اور محفلِ موسیقی کا انعقاد کیا گیا۔

زیور جھروکے کی کہانی

کشمیر کے پرانے زیورات PHALLIC اور تانترک اثرات کے علاوہ مصری، ناگ، چینی۔ وسط ایشیائی وغیرہ تہذیبوں کی نشانیاں ہیں ۔ اور اُنکی مدد سے کشمیری تواریخ و تہذیب پر انوکھے زاویوں سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے ۔ نئے زمانے کی یلغار میں ہماری تہذیب، لوک ادب اور شاعری کا یہ ماخذ تیزی سے ختم ہوتا جا رہا ہے اور بعض زیورات جن کا ذکر رسول میر جیسے شاعروں نے کیا ہے اب استعمالِ سے باہر ہو گئے ہیں ۔ اکادمی نے ان تہذیبی آثار کو جمع کرنے کے لئے اکادمی کے صدر جناب شیخ محمد عبد اللہ سے رجوع کیا۔ جو اوقافِ اسلامیہ کشمیر کے صدر بھی تھے ۔ شیخ صاحب نے از راہ شفقت اوقاف کے ذخیرے سے منفرد زیورات چُننے کی اجازت دی ۔ یہ زیورات زیادہ تر دیہاتی عورتیں چرار شریف، بابا ریشی، حضرت بل وغیرہ زیارتوں پر چڑھاتی ہیں ۔ اور اِس لحاظ سے بڑے نمائندہ اور مُستند ہیں ۔ اکادمی نے اپنی ضرورت کے مطابق زیورات کا انتخاب کیا اور پھر باہمی گُفت و شنید کے بعد ان کی قیمت اوقاف کو ادا کی ۔ اس طرح سے چاندی کے یہ زیورات اکادمی کے زیور جھروکے کا پہلا پتھر بن گئے ہیں اور اُمید ہے کہ آیندہ اس میں مزید اضافہ ہوتا جائے گا ۔
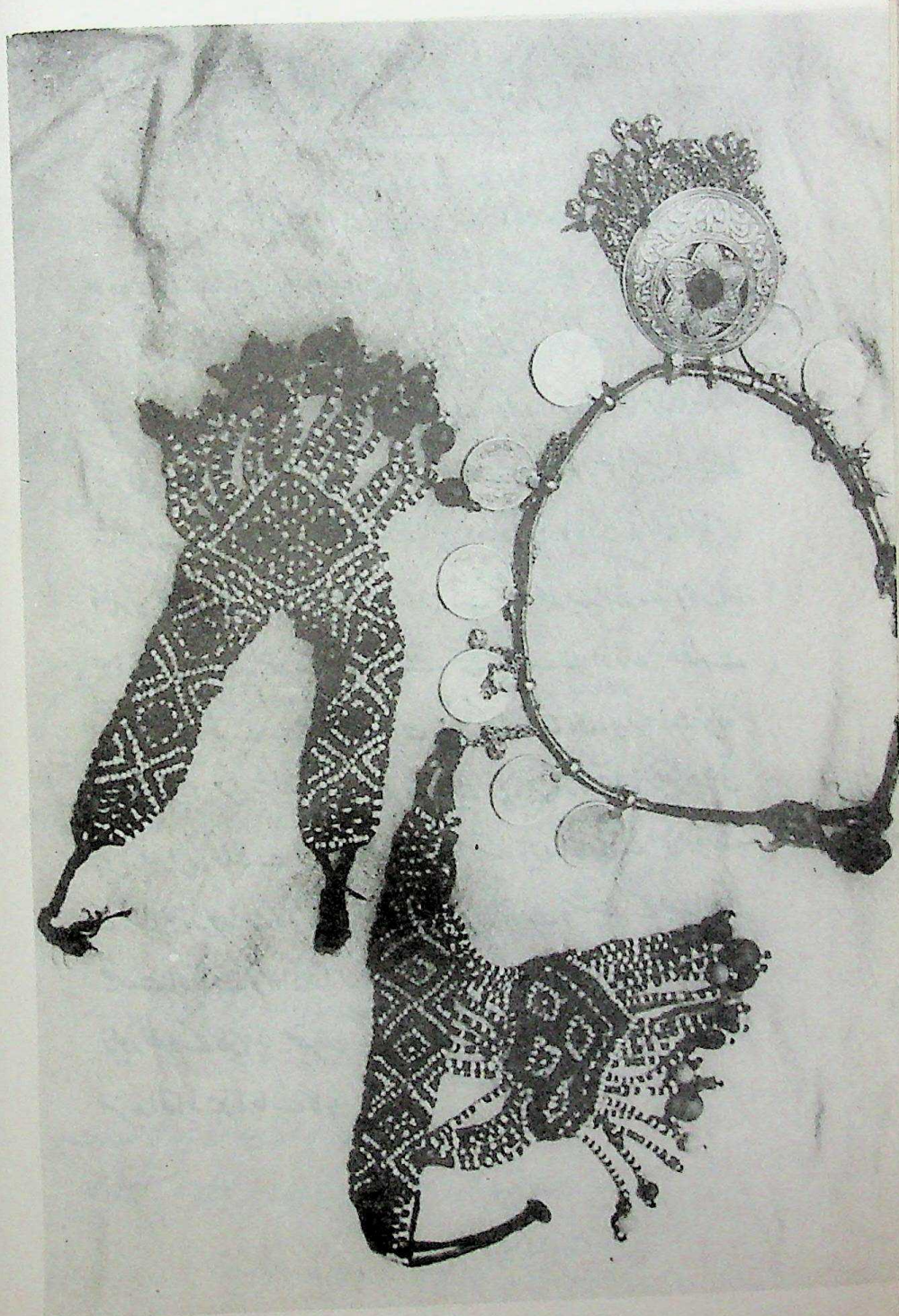
آواز خزانہ

اکادمی نے ریاست کے مشہور فنکاروں اور ادیبوں کی روئداد اور خیالات کو اپنے آرکائیوز اور مستقبل کے لئے محفوظ کرنے کے سلسلے میں ان کے ساتھ گُفتگو کی خاص مجالس سجائیں جنمیں، مہمان حضرات کے علاوہ ریاست کے دوسرے ممتاز ادیبوں اور ثقافتی کارکنوں نے شرکت کی اور مہمان حضرات سے تبادلۂ خیال کیا۔ یہ ساری صدا بند روئداد اکادمی کی لائبریری میں محفوظ رکھی گئی ہے۔ جن مشاہیر نے ان میں حصہ لیا۔ اُن میں سید مبارک شاہ فطرتؔ، شری دینا ناتھ نادمؔ، میر غلام رسول نازکیؔ، مرزا عارفؔ، پروفیسر محی الدین حاجنیؔ، احد زرگر اور مرزا کمال الدین شیداؔ شامل ہیں:
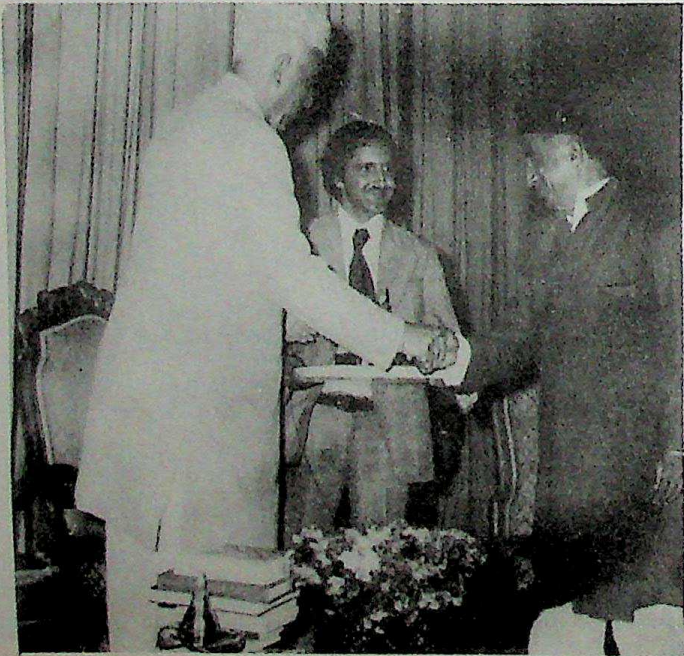
خبرنامہ 'اکادمی' کا اجراء

اکادمی نے اپنے خبرنامے کا اجرا ۱۹۷۳ء میں کیا تاکہ لوگ اکادمی اور ریاست کی دوسری ادبی اور ثقافتی تنظیموں کی سرگرمیوں سے باخبر ہوں۔ فن اور تمدن کے شایقین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور بہت پسند کیا۔ کچھ ناگزیر حالات کی وجہ سے اس کی اشاعت ۱۹۷۷ء میں روک دی گئی، مگر لوگوں نے اس کے اجراء کو روکنے پر زبردست ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ واحد خبرنامہ تھا، جو ریاست کے مختلف حصوں میں تہذیبی اور تمدنی سرگرمیوں کا احاطہ کرکے عوام کو اُن کے بارے میں آگاہ کرتا رہا۔ کشمیریات سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں نے اس خبرنامے کے تمام شُمارے محفوظ رکھے ہیں۔ پہلے دور میں اس خبرنامے کے ۳۰ شُمارے شایع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں سلور جوبلی تقریبات کے سلسلے میں اس خبرنامے کا ایک اور شُمارہ فنونِ لطیفہ کے سیمینار کے موقع پر شائع کیا گیا۔ آیندہ یہ خبرنامہ باقاعدگی کے ساتھ شایع ہوتا رہیگا۔

اس خبرنامے کا ہر شمارہ مستقل قدر و قیمت رکھتا ہے کیونکہ اس میں ہمارے تمدن کے مختلف شعبوں کے بارے میں جدید تحقیق پر مبنی اطلاعات درج ہوتی ہیں۔ فنونِ لطیفہ کے علاوہ آثار قدیمہ، تاریخ، لوک روایات اور نوادرات کے بارے میں تحقیقی اعتبار سے اہم خبریں ہر شُمارے میں درج ہوتی ہیں۔ جریدے میں شامل کی گئی ہر خبر کو مختلف زاویوں سے پرکھنے کے بعد ہی شُمارے میں جگہ دی جاتی ہے۔ نفاست، نزاکت اور تزئین کے لحاظ سے "اکادمی" ریاست کا منفرد خبرنامہ ہے جسے ہر طرزِ فکر کے لوگ سراہتے اور اسکی اشاعت کے منتظر رہتے ہیں:

●

فیلو شپ اور خلعت ہائے فاخرہ

فن، تمدن اور ثقافت کے میدان میں نمایاں خدمات کے اعتراف کے طور پر کلچرل اکادمی نے مندرجہ ذیل ادیبوں، موسیقاروں اور علماء کو خلعت ہائے فاخرہ اور فیلوشپ سے نوازا :-

۱۹۶۲ء : خلعت ہائے فاخرہ

۱۔ مرحوم ماسٹر زندہ کول
۲۔ مرحوم مولانا شمس الدین حیرتؔ کاملی۔
۳۔ مرحوم اُستاد رمضان جو
۴۔ مرحوم رسا جاودانی
۵۔ مرحوم شری کرشن سمبلوری
۶۔ ڈاکٹر سدھیشور ورما
۷۔ جناب احد زرگر

۱۹۷۴ء : فیلوشپ

۱۔ سید مبارک شاہ فطرتؔ
۲۔ پروفیسر گوری شنکر
۳۔ پروفیسر جیالال کول
۴۔ شری لکھمن جو رینہ
۵۔ خلعت ہائے فاخرہ

۱۔ مولانا غلام رسول کامگار کشتواری۔

۲۔ شری سائیں فخرالدین

۳۔ شری سنسار چند شرما

۴۔ شری شہزور کاشمیری ۔ ۵۔ میر غلام رسول نازکی۔

۶۔ مرزا غلام حسن بیگ عارف ۔ ۷۔ پروفیسر رام ناتھ شاستری۔

۸۔ اُستاد محمد عبداللہ تبت بقال۔ ۹۔ شری دینو بھائی پنت

۱۰۔ پروفیسر سیوا سنگھ ۱۱۔ جناب امین کامل

۱۲۔ پروفیسر رحمان راہیؔ ۱۳۔ شری پران کشور۔

۱۴۔ شری تاشی ربگیاس ۱۵۔ شریمتی راج بیگم

۱۶۔ شری محمد سُبحان بھگت ۱۷۔ شری ودیا پال دیپ

۱۸۔ شری شبو کمار۔

۱۹۷۶ء : فیلوشپ

۱۔ شری کیدار ناتھ شاستری۔ ۲۔ پروفیسر محی الدین حاجنی

۳۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز۔

خلعت ہائے فاخرہ

۱۔ مرحوم شری گنشی آشی ٹنڈوپ۔ ۲۔ اُستاد غلام محمد قالین باف۔

۳۔ شری دینا ناتھ نادمؔ ۴۔ اُستاد اللہ رکھا خان۔

۵۔ مرحوم شری محمد امین ابنِ مہجور

۶۔ مرحوم شریمتی سیین مالا

۷۔ شری کیہر سنگھ مدھوکر

۸۔ شریمتی نسیم اختر

۹۔ شری سبھاش بھاردواج

نمائندہ کتابوں کے انعامی مقابلے

کلچرل اکادمی نے سنہ ۱۹۶۴ء سے نمائندہ کتابوں پر انعامات دینے کی ایک نئی سکیم شروع کی۔ سکیم کا مقصد ریاست کی سبھی زبانوں میں ادب، ثقافت، تاریخ اور دیگر مضامین پر بہترین کتابیں شائع کرنے کو بڑھاوا دینا اور ہم عصر ادیبوں کی تخلیقی صلاحیت کو جِلا بخشتا ہے۔ سکیم کے تحت سال سنہ ۱۹۶۴ء سے ایک ہزار روپے اور سات سو روپے کے دو انعامات ہر زبان میں لکھی گئی منتخب کتابوں کو دئے گئے۔ بعد میں انعامات کی رقم سال سنہ ۱۹۷۴ء میں بڑھادی گئی اور ہر زبان میں دو دو ہزار روپے کے دو انعامات دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

اب تک جن کتابوں پر مختلف زبانوں میں یہ انعامات تقسیم کئے گئے ہیں اُنکی تفصیل اسطرح ہے:۔

ڈوگری زبان

	کتاب	مصنف
۱۔	ڈولا کنواں تھا پیا	کے۔ ایس۔ مدھوکر
۲۔	جوت	چرن سنگھ
۳۔	گُناہ	پی۔ این المست
۴۔	کاندھیاری دے پھُل	لکشمی نرائن
۵۔	ڈُگر دا جیون درشن	وِشوا ناتھ کھجوریہ
۶۔	اُس نے اُن بنجرے لوک	وید پال دیپ
۷۔	سجرے پھُل	ایم۔ ایل۔ سپولیا

۸۔	پھُل بِناڈالی	سورگیہ وِتاسں وِکل
۹۔	خالی گوڈے	پی۔ پی۔ ساٹھے
۱۰۔	کوراج	این۔ڈی۔ جموال
۱۱۔	سُکھا بارود	او۔ پی۔ شرما
۱۲۔	پارسٹیمان	بیدھو شرما
۱۳۔	نیہڑے دے سمندر	اوم۔گوسوامی
۱۴۔	یانزُو	مدن موہن شرما
۱۵۔	سانجھی دھرباکھلامُنو	این۔ڈی۔ جموال
۱۶۔	ریشم دے کیڑے	او۔ پی۔ شرما۔سارتھی
۱۷۔	نیل کنٹھ	وِشواناتھ کھجوریہ
۱۸۔	تلنجیاں	رام ناتھ شاستری

انگریزی زبان

۱۔	فوک ٹیلز فرام کشمیر	پروفیسر ایس۔ایل سادھو
۲۔	سٹڈیز ان کشمیری	پروفیسر جے۔ایل۔کول
۳۔	پرنٹہ بجنا کاریکا آف اُتپل دیو	ڈاکٹر آر۔ کے۔ کاو
۴۔	بُدھ ازم اِن لداخ	نوانگ ژھرنگ

ہندی زبان

۱۔	راستے میں	نریندر کھجوریہ
۲۔	نرِ کھارنی اور پتھر	نرملا دیوی
۳۔	ابوالہول اور تاج محل	گھنشیام سیٹھی

۴۔ ریت کا ساگر — ایس۔ بھاردواج

۵۔ تین اسنگت ایکانکی — موتی لال کیمو

۶۔ درپن بن گائے اتہاس — محمد ایوب

۷۔ سنطور کے سور — چمن لال سپرو

۸۔ کشمیر کی دھرتی — کھیم لتا وکھلو

۹۔ دراڑ — وید راہی

۱۰۔ اور وہ مر گیا — ساوتری تلوار

۱۱۔ کرشن میرا پڑیہ — موہن نراش

۱۲۔ عقلاں اور سمکھشتا — سنسار چند

۱۳۔ باتیں یہ جھوٹی ہیں — سنسار چند

۱۴۔ پیلے چاند کے شہر میں — ایوب بیرمی

۱۵۔ نوکر کا اتہاس — ایس۔ کے شرما

۱۶۔ کشمیری للت کلیاں — اوتار کرشن رازدان

۱۷۔ ٹوکری بھر دھوپ — ہری کرشن کول

۱۸۔ سیڑھیوں کی کھوج — اوم پرکاش گپتا

۱۹۔ راج مارگ کی یاترا — ایوب بیرمی

۲۰۔ دھوپ کی طرح کھلا اور زماں — بال نیل دیون

کشمیری زبان

۱۔ زولانہٕ — مظفر ایرج

۲۔ شبنمٕ شار — چمن لال چمن

۳۔ کاشرِ ادبُک تاریخ — اوتار کرشن رہبر

۴-	شب گرد	واسدیو ریہہ
۵-	بیٖبہِ سُے پان	امین کامل
۶-	کأشُرِ بیک علاقہٕ وادبیٖر	ٹاک زینہ گیری
۷-	شیٖنہِ چار	سجود سیلانی
۸-	الاو	تاج بیگم رینزو
۹-	نٔژُنوو	موتی لال کیمو
۱۰-	سیاستچ پأرِ زان	منظور فاضلی
۱۱-	مُجرم	غلام نبی گوہر
۱۲-	فُرات	تنہا انصاری
۱۳-	کأشرِ مُنار	غلام نبی خیال
۱۴-	آدمی موٗر	مرزا عارف بیگ
۱۵-	ژھاے	موتی لال کیمو
۱۶-	گِرداب	بنسی نردوش
۱۷-	مٔیل	غلام نبی گوہر
۱۸-	پٔدرس پوٚد ژھاے	امین کامل
۱۹-	پیتہٕ لاران پرٚیتھ	ہری کرشن کول
۲۰-	مٔتہِ کامن	مظفر عازم
۲۱-	ترٛیش تہٕ ترٛین	امر مالموہی
۲۲-	برتوِستان	مرغوب بانہالی
۲۳-	کیٛنہٕ غزلہٕ کیٛنہٕ نظمہٕ	موتی لال ناز
۲۴-	زوٗل امارن ہُند	غلام نبی آتش
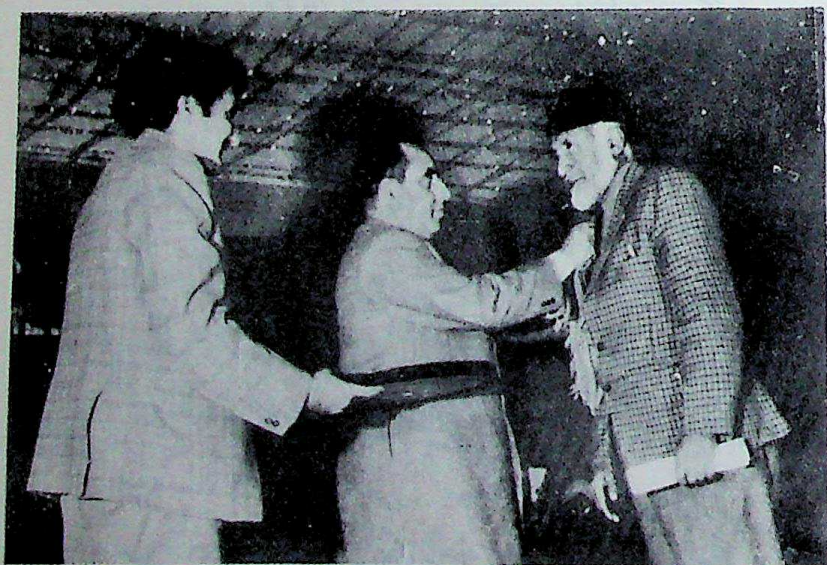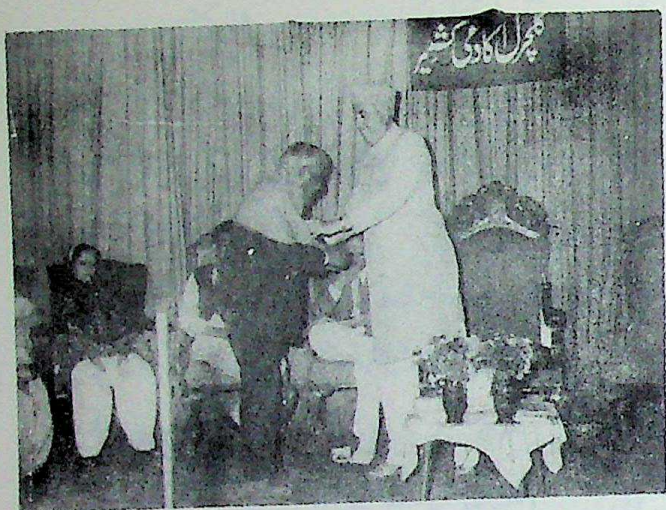
۲۵۔	کہہ وُٹ	رحمان راہی
۲۶۔	مَن سر	موتی لال ساقی
۲۷۔	کأشرِ مرتی ہُند تواریخ	شاہد بڈگامی
۲۸۔	ناٹک تُرچ	موتی لال کیمو
۲۹۔	زبان تہٕ ادب	شفیع شوق
۳۰۔	ہی گوٗشہ	ناظر کولگامی

پنجابی زبان

۱۔	جماناں دے کھانڈے	اُجیر سنگھ
۲۔	پاربکھواں دے جنگلے	سرن سنگھ
۳۔	ترانگن	دیس راج گپتا
۴۔	کونپلاں	کنول کشمیری
۵۔	ڈُکی ٹکی پینچی	دلجیت سنگھ
۶۔	تاریاں بھرے انگنے	سیپن مالا
۷۔	نوے نذرانے	پریم سنگھ
۸۔	پاپ دی گنج	سرن سنگھ
۹۔	امبر کھُپ رہا	سیپن مالا
۱۰۔	مست ٹکوریں	ایس رایس مستانہ
۱۱۔	بگڈنڈیاں دے بھُلیکھے	دیدار سنگھ
۱۲۔	سنگھرش	مان بھارگو
۱۳۔	موہن سنگھ دی کویتا	دلجیت سنگھ
۔	کنک تے گلاب	سُکھبیر کور

۱۵۔	تے جہلم وگدا ریا	خالد حسین
۱۶۔	جموں وکشمیر وچ پنجابی بھاشا	سیوا سنگھ
۱۷۔	ننگی دھپ دے واری	سرن سنگھ
۱۸۔	گُل مُہر	بھوپندر سنگھ
۱۹۔	ہر دے دھرتی دے	سیپن مالا
۲۰۔	جموں کشمیر دی پنجابی کویتا	گرچرن سنگھ گلشن
۲۱۔	کرن	سرجیت ساکھی
۲۲۔	گوری فصل دے سوداگر	خالد حسین

فارسی زبان

۱۔	پارسی سرایانِ کشمیر	گردھاری لعل ٹکو

سنسکرت زبان

۱۔	تانشنی شاستھن	کیدارناتھ شاستری

لداخی زبان

۱۔	روہوم سیدک سگی رانگا	ایم۔ جی۔ گیالٹرھن
۲۔	لداخی گُنپا (تاریخ)	گیلانگ تھیس پالدن
۳۔	لداخ (تاریخ)	ایس۔ ایس گرگن
۴۔	لودانگ گونپاکی لو	یوس زِم کھون
۵۔	مِگ گراماگ	ژھوانگ ڈونڈو
۶۔	زانسکار (تاریخ)	کنچن نونر نگ نوانگ ژھرنگ

گوجری زبان

۱۔	نین سُلیکھنا	نسیم پونچھی
۲۔	تہانگ رنگیلی	محمد قاسم بجران
۳۔	رنج کولم	اقبال عظیم
۴۔	چمر چال	عبدالغنی عارف

اُردو زبان

۱۔	سیاہ تاج محل	موہن یاور
۲۔	بہارِ غزل	عابد مناوری
۳۔	سمندر پیاسا ہے	جی، آر، سنتوش
۴۔	زمین پیاری ہے	نیش سروج
۵۔	ڈل کی بستی	پُشکر ناتھ
۶۔	ادبی قدریں اور نفسیات	شکیل الرحمان
۷۔	بلندیوں کے خواب	حامدی کشمیری
۸۔	شمیم گُل	عابد مناوری
۹۔	آزاد نظم	کنول کرشن بالی
۱۰۔	تحقیقی جائزے	اکبر حیدری
۱۱۔	غالب کے تخلیقی سرچشمے	حامدی کشمیری
۱۲۔	غالب کی جمالیات	شکیل الرحمان
۱۳۔	جوہرِ آئینہ	نند لال کول طالب
۱۴۔	بیاضِ غالب	کمال احمد صدیقی
۱۵۔	تجزیے	گیان چند

۱۶۔	دیوانِ نامی	اکبر حیدری
۱۷۔	خاطرِ احباب	تنہا انصاری
۱۸۔	الانور	عبدالرحمان کوندو
۱۹۔	نایافت	حامدی کشمیری
۲۰۔	ناتمام	حکیم منظور
۲۱۔	اقبال اور کشمیر	جگن ناتھ آزاد
۲۲۔	دل ہی تو ہے	عبدالغنی شیخ
۲۳۔	حافظ کی شاعری	کے۔ این پنڈتا
۲۴۔	تذکرۂ شعرائے ہند	اکبر حیدری
۲۵۔	میری پاکستان یاترا	ملک راج صراف
۲۶۔	جوشش جنوں	شوریدہ کشمیری

•

ڈراموں کے بہترین مسودات پر انعام

ریاست میں بولی جانے والی زبانوں میں ڈرامے کی روایت برائے نام تھی۔ ڈراموں کی تخلیق میں بہت کم لوگوں نے اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کشمیری اور ڈوگری میں صرف چند ہی ڈرامے لکھے گئے تھے۔ ریاستی زبانوں میں ڈرامے لکھنے کی روایت کو زندہ کرنے کا احساس اکادمی کے اربابِ اقتدار کو ہوا۔ چنانچہ اس سلسلے میں تسلیم شدہ زبانوں میں بہترین ڈراموں کے مسودات پر بالترتیب سات سو اور پانچ سو روپے کے انعامات دینے کا منصوبہ ہاتھ میں لیا گیا۔ مندرجہ ذیل ڈراموں کو ۱۹۶۴ء سے لے کر آج تک انعامات کے لئے منتخب کیا گیا۔ ان سبھی ڈراموں کو سٹیج کیا جا سکتا ہے

ڈوگری

۱۔ ۱۹۶۴ء :	ڈھونڈین کا ندن	شری نریندر کھجوریہ
۲۔ ۱۹۶۵ء :	میرے شترو میرے متر	شری مدن موہن
۳۔ ۱۹۶۹ء :	منڈھلک	شری این۔ ڈی۔ جموال
۴۔ ۱۹۷۲ء :	اہور گولی ویر سپاہی	شری این۔ ڈی۔ جموال
۵۔ ۱۹۷۴ء :	ایودھیا	شری دینو بھائی پنت
۶۔ ۱۹۷۵ء :	اپنا جال شکاری بھی اپن	شری این۔ ڈی۔ جموال
۷۔ ۱۹۷۶ء :	اِک پرشن بدلے دا	شری مدن موہن شرما

ہندی

۱۔ ۱۹۶۴ء : راستے ہاتھ اور کانٹے — شری نریندر کھجوریہ۔

۲۔ ۱۹۷۵ء : جانے انجانے — شری وشنو بھاردواج

کشمیری

علی محمد لون

۱۔ ۱۹۶۵ء : سویا

۲۔ ۱۹۶۶ء : گرینڈ ریہرسل — شری پُشکر بھان اور ایس۔ این۔ سادھو

۳۔ گُلریز — شری جی۔ آر سنتوش

۴۔ ۱۹۶۷ء : یہ نہٕ گو یہٕ وُن — شری محمد سُبحان بھگت

۵۔ ۱۹۷۰ء : کَل یہٕ ڈزالیس لولے — شری ایم۔ ایل کیچو

۶۔ ۱۹۷۲ء : سوُرے سپَدیو راتھ — شری ایم ایل صراف

۷۔ ۱۹۷۳ء : اولاد — شری اے۔ کے رہبر

۸۔ ۱۹۷۶ء : ماضی حال نہٕ مستقبل — شبنم قیوم

۹۔ جواہر — شریمتی شملہ مُفتی

۱۰۔ ۱۹۷۷ء : ژینٹھ — جی۔ آر سنتوش

۱۱۔ ۱۹۷۹ء : اَزٕ ھیوٗن سَفر — شری شمس الدین شمیم

۱۲۔ ۱۹۸۰ء : شیہل نار — شری سعود سیلانی

۱۳۔ ۱۹۸۴ء : کالہ پیٹھٕ ژھِنس نام — شری شبنم قیوم

پنجابی

۱۔ سانجھا مورچہ — شری وِجے سُمن

۲۔ ۱۹۶۴ء : سمے دا غازی — شری کنول کشمیری

۳۔ ۱۹۶۵ء : نشان دا ساگر — شری اُجاگر سنگھ مہک

۳۔ ۱۹۷۵ء : ایدال یادیں — شری بھوپندر رینہ

اُردو

۱۔ ۱۹۶۴ء :	پُرانے دیپ نئے اُجالے	شری تر ہاری رائے زادہ
۲۔ ۱۹۶۵ء :	انجمن	شری وِجے سُمن
۳۔ ۱۹۶۷ء :	سُلطان زین العابدین	شری شکیل الرحمان
۴۔ ۱۹۷۲ء :	آرائشِ محفل	شری آفاق احمد
۵۔ ۱۹۸۲ء :	ڈرامہ ابھی ادھورا ہے	شری آفاق احمد
۶۔ ۱۹۸۴ء :	قصہ پانچ درویشوں کا	شری آفاق احمد

لداخی

۱۔ ۱۹۷۲ء :	دسنارزی زن شش	شری گنشی اشش ٹنڈپ
۲۔ ۱۹۷۷ء :	کنگ منگی نامگیال	شری۔ ایم۔ پی گیاسن
۳۔ ۱۹۷۸ء :	تِگس پاژسگر	شری گیلانگ نیزھن پالدن
۴۔	چسپا	شری ژھانگ تزیو
۵۔ ۱۹۷۹ء :	تُسکی کرحت	شری ژھانگ ترگزن
۶۔	اوٌدزار	شری ھردپ نمگیال
۷۔ ۱۹۸۰ء :	گیالیوزنگس تُلگی زوسگر	شری ژھانگ رگزن
۸۔ ۱۹۸۱ء :	یجرجیس مزادپے تور	شری تھُپستن چوسنت
۹۔ ۱۹۸۲ء :	تُسنگ پاے دسیو	شری ٹی تزیو مارسے
۱۰۔	مزاد کی لاویک	شری ایشیتے ژھرنگ

پہاڑی

۱۔ ۱۹۷۹ء :	اِنتقال	شری کے۔ ڈی۔ مینی

ادبی محفلیں

کلچرل اکادمی نے ملک کے مختلف حصوں اور زبانوں کے سربرآوردہ ادیبوں اور شاعروں کے اعزاز میں مختلف اوقات پر مجلسیں آراستہ کیں تاکہ مقامی ادیب اور شاعر اُن کے تجربات اور سرگرمیوں سے آگاہ ہو جائیں۔ اس قسم کی منعقد کی گئی محفلوں کی ایک مختصر تفصیل اس طرح ہے :۔

دوندرناتھ ترنجن	۷۵ - ۸ - ۱۹ء
کشمیری لال ذاکر	۷۶ - ۱۰ - ۱۱
وید راہی	۷۷ - ۶ - ۷
شہباز حسین ایڈیٹر "آجکل"	۷۷ - ۷ - ۲۶
جی، پی، وملّ	۷۷ - ۹ - ۱۰
ڈاکٹر مہیپ سنگھ	۷۹ - ۹ - ۲۴
ایس۔ سی۔ دابے	۸۰ - ۷ - ۷
ڈاکٹر سدھیشور ورما	۸۲ - ۴ - ۲۶

اسکے علاوہ جون ۷۶ء اور مارچ ۷۷ء کے درمیان مختلف نامور ادیبوں کے اعزاز میں عصرانوں کا بھی اہتمام کیا گیا۔ جن دوسرے لوگوں کے اعزاز میں عصرانے دیئے گئے یا محفلیں آراستہ کی گئیں، اُن میں ڈاکٹر سی۔ کے بنڈواڈیکر۔ بدما سچدیو، اگیے، علی سردار جعفری اور ملک راج آنند شامل ہیں۔ اکادمی نے کرشن چندر، شمس الرحمان فاروقی، جوگندر پال، عصمت چغتائی، بدرالدین طیب جی، خواجہ عبدالصمد وانی، اور ڈاکٹر سلام الدین نیاز کے اعزاز میں ایسی یادگار محفلیں آراستہ کیں جن کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

●

اکادمی کی ادبی اور تمدنی سرگرمیوں کی طرف زیادہ سے زیادہ نوجوان ادیبوں کو راغب کرنے کی خاطر اور اکادمی کے جریدوں کو مواد فراہم کرنے کی غرض سے ایک خاص سکیم کو پیش کیا گیا۔ جس کے تحت پروگراموں کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا۔ نوجوان ادیبوں کے لئے ان پروگراموں کو بیک وقت کلچرل اکیڈیمی کے مختلف مرکزوں، صوبائی اور دوسرے دفاتر سے شروع کیا گیا۔

اس سلسلے میں نوجوان ادیبوں کا ایک عام اجلاس ۱۶ر جون ۱۹۷۹ء کو سری نگر کے ٹیگور ہال میں منعقد کیا گیا۔ اس میں ۵۲ ادیبوں نے شمولیت کی اور اپنی طرف سے اُن سب تجاویز کو پیش کیا جو اُنہوں نے نوجوانوں کے اس پروگرام کو مؤثر انداز میں کامیابی سے چلانے کیلئے مناسب سمجھیں۔ اس کے نتیجے میں اکادمی کے مرکزی دفتر نے آج تک مندرجہ ذیل پروگراموں روبہ عمل لایا :۔

٥ ۹ر جولائی ۱۹۷۹ء کو سری نگر لال منڈی میں ایک مخلوط مشاعرہ ہوا، جسمیں مندرجہ ذیل شاعروں نے شرکت کی :۔

علی محمد ماہر۔ بشیر بشر۔ جی ایم رفیق۔ جاوید بڈگامی۔ عبدالعزیز حاجنی۔ عبدالحمید ناصر۔ مس واجدہ تبسم۔ خالد بشیر۔ بشیر دادا۔ جاوید آذر۔ اُوپندر رینہ۔

۲۴ر جولائی ۱۹۷۹ء کو سری نگر لال منڈی میں محفلِ افسانہ منعقد ہوئی، جسمیں مندرجہ ذیل ادبا نے اپنے افسانے پڑھے :۔ شری سوہن لال کول،
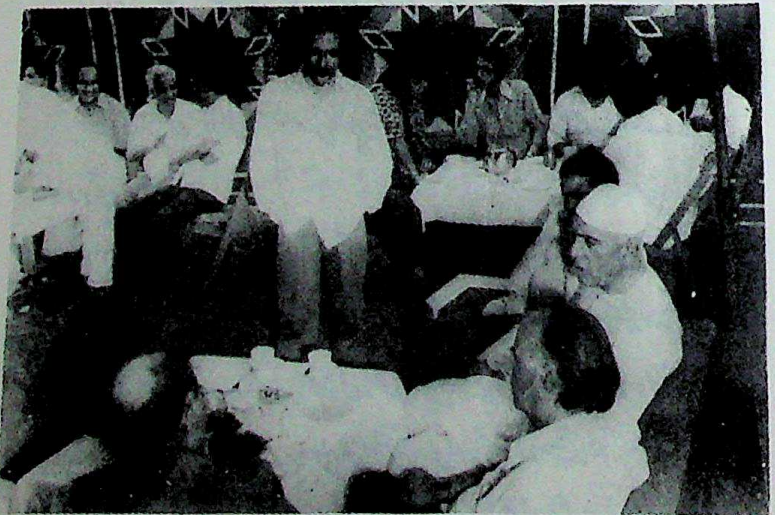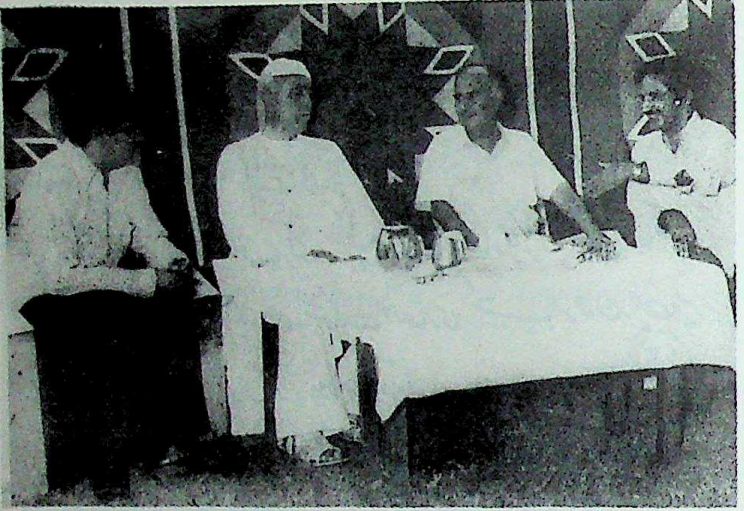
روشن لال روشن ۔ جی ۔ این ۔ ندیم ۔ بشیر اطہر ۔ نثار نسیم ۔ عبد الرشید فراق اور فیروزہ شوق ۔

۲۵ جولائی ۱۹۷۹ء لال منڈی سرینگر میں محفلِ شعر منعقد ہوئی ۔ جسمیں مندرجہ ذیل شاعروں نے شرکت کی :۔

جی ۔ آر مجروح ۔ رفیق ہمراز ۔ شفیع شفائی ۔ نثار گلزار ۔ مجید عاصمی ۔ مشتاق محرم ۔ شہباز ہاکباری ۔ شوکت انصاری ۔ منیب الرحمان ۔ فہمیدہ میر ۔ پریمی رومانی ۔ نصرت جہاں آرا ۔ اور بشیر عارف ۔

۲ اگست ۱۹۷۹ء کو اننت ناگ میں ایک مخلوط مشاعرہ منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل شعراٗ نے شرکت کی ۔

جی ۔ ایم ۔ اشنی ۔ پی ۔ ایل سُدرشی ۔ یاسین طالب ۔ محمد شفیع شفیق ۔ اے ۔ آر ۔ سرشار ۔ زاہد مختار ۔ برکت ندا ۔ بشیر اثر ۔ محمد شفیع چمن ۔ اقبال شہید ۔ فیاض احمد پایل ۔ محمد منور خادم ۔ محمد شفیع مہر ۔ اور محمد اسماعیل لون ۔

۴ اگست ۱۹۷۹ء کو لال منڈی سرینگر میں محفلِ افسانہ منعقد ہوئی ۔ مندرجہ ذیل ادبا نے اپنے افسانے پڑھے :۔

شری ابنس ہمدانی ۔ شمس الدین شمیم ۔ سجاد حسین ۔ ریاض احمد اور فاروق فیاض ۔

۱۱ اگست ۱۹۷۹ء کو اکیڈیمی آفس لال منڈی سرینگر میں ایک محفلِ شعر منعقد ہوئی جسمیں مندرجہ ذیل شعراٗ کو شرکت کی دعوت دی گئی :۔

رشید راشد ۔ دلکش مقبول ۔ محمد شفیع شباب ۔ عبد الاحد واحد ۔ راجیندر کمار نکو ۔ مشتاق محرم ۔ علی محمد معصوم ۔ محمد اسماعیل آشنا ۔

۱۷ ستمبر ۱۹۷۹ء کو دو آیگاہ کشیر میں ایک محفلِ شعر منعقد ہوئی ،

جسمیں مندرجہ ذیل شعرا نے شرکت کی :-

ایم۔ عاشق عندلیب ۔ عبدالرشید کانپوری۔ علی محمد حسرت ۔ غلام نبی ارمان ۔ ایم ۔ قاسم سحر۔ عبدالرحمان سیاح ۔ اسرار سلطانپوری۔ نشاط انصاری۔ ڈاکٹر سلطانپوری۔ ممتاز علی ممتاز۔ سید عنیف پرویز۔ خورشید احمد طالب۔

۱۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو اکیڈیمی آفس لال منڈی سرینگر "للہ واکھ" پیش کرنے کا مقابلہ ہوا۔ ۳۵ شرکا میں سے مندرجہ ذیل کو انعامات سے نوازا گیا۔

۱۔ وجے کمار راز دان پہلا انعام ۱۰۰/- روپے

۲۔ مس روشن آرا اور مس نرملا سپرو دوسرا انعام ۷۵ روپے

۳۔ رتن لال تلاشی اور بشیر بشر تیسرا انعام ۵۰ روپے

۲۰ مئی ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں ایک محفلِ مشاعرہ منعقد ہوئی جسمیں مندرجہ ذیل شعرا کو شرکت کی دعوت دی گئی :-

عزیز حاجنی ۔ ایم اسماعیل وہلی۔ رفیق ہمراز۔ شمشاد کرالہ واری۔ وجے مہنوری۔ مشتاق محرم۔ عباس جوہر۔ ولی محمد خوشباش۔ بشیر عارف ۔ خورشید طالب۔ عبدالرحمان سیاح ۔ یاسر کشمیری۔ بشیر بشر۔ شوکت انصاری۔ بشیر دادا اور شہباز ہاکباری۔

۲۱ مئی ۱۹۸۰ء کو سرینگر میں محفلِ افسانہ منعقد ہوئی جسمیں مندرجہ ذیل افسانہ نگاروں نے شرکت کی :-

سوہن لال کول۔ عبدالاحد واحد ۔ فیروزہ شوق ۔ فاروق فیاض۔ نثار گلزار۔ نثار نسیم۔ اور ڈی کے کنول۔

۴ جون ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں ایک محفلِ افسانہ منعقد ہوئی،

جسمیں مندرجہ ذیل افسانہ نگاروں نے اپنے افسانے پڑھے :-

عبدالغنی بیگ اطہر۔ عبدالقیوم مجنون۔ غلام نبی۔ عبدالرشید فراق۔ ریاض ماہر۔ الیس۔ ایم قمر۔ شمس الدین شمیم۔ فیاض دلبر اور رشید راشد۔

۷ر جون ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں ہوئی محفلِ مشاعرہ میں مندرجہ ذیل شعرا نے کی شرکت کی۔

سید احمد بیدار۔ سید محمد معروف۔ بشیر ۔ عبدالرشید سرشار۔ فہمیدہ میر۔ جی۔ ایم۔ رفیق۔ ایم۔ وائے مسکین۔ عاشق حمید اللہ۔ بھوشن لال بھوشن۔ یوسف فگار۔ نذیر احمد شیخ فگار۔ غلام محی الدین شجاع۔ خورشید طالب۔ عبدالرحمان سیلاج۔ محمد اشرف عندلیب۔ عبدالرشید کانسپوری۔ جی۔ این۔ ارمان۔ محمد شفیع چمن۔ جواہر کول۔ رحیم ساجد اور محمد رمضان بٹ۔

۹ر جون ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں "پریم چند تہ کاشُر افسانہ" کے موضوع پر ایک سیمنار کا انعقاد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل ادبا نے مقالے پڑھے :-

فقیر ہرمان۔ بشیر بشر۔ رشید راشد۔ محمد شعبان ڈار۔ برکت ندا۔ رشید ورہمی۔ آفتاب احمد میر اور جی۔ ایم آزاد۔

۲ر جون ۱۹۸۰ء کو اکیڈیمی آفس، لال منڈی میں ایک مشاعرہ ہوا جسمیں مندرجہ ذیل شعرا شریک ہوئے :-

بشیر دادا۔ اوپندر رینہ۔ عزیز حاجنی۔ یاسر کشمیری۔ رشید خان۔ جی۔ این۔ نوساز۔ افضل شاہین۔ شاد رمضان۔ شمشاد کرالہ واری۔ بشہ عارف۔ شہباز ہاکباری۔ فیاض دلبر۔ جی۔ ایم۔ مخمور۔
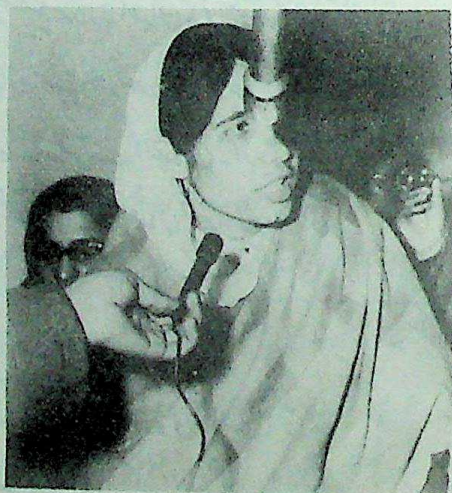
جلال الدین زاہد، سید احمد بیدار۔ فہمیدہ میر۔

۱۶ر جون ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں منعقدہ محفلِ افسانہ میں مندرجہ ذیل افسانہ نگاروں نے اپنے افسانے پڑھے :۔

شری اے۔ این ناصر۔ دلکش مقبول۔ جی۔ این فقیر۔ ظفر فاروق۔ شمس الدین شمیم۔

۷ر جولائی ۱۹۸۰ء کی محفلِ افسانہ میں مندرجہ ذیل افسانہ نگاروں نے شرکت کی :۔

عبدالاحد واحد۔ نثار نسیم۔ ڈی۔ کے کنول۔ مرغوب رشید۔ یعقوب دلکش۔ عبدالرشید فراق۔ اور محمد شفیع سہیلی۔

۱۱ر جولائی ۱۹۸۰ء کو پندرہویں صدی ہجری تقریبات کے سلسلے میں ایک نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد ہوا جسمیں شرکاء کی تفصیل یوں ہے :۔

راجا یوسف۔ زاہد مختار۔ محمد شفیع مہار۔ احسان ندیم۔ منصور شبنم۔ رشید نثار۔ بشیر زئین۔ رشید ہلال۔ سید محمد مصروف۔ سید محمد رفیق۔ عبدالرشید کانسپوری۔ وجے مہنوری۔ شوکت انصاری۔ آر۔ جی مجروح۔ نثار گلزار۔ بال کرشن سنیاسی۔ مشتاق محرم۔ اقبال فہیم۔ پریمی رومانی۔ رفیق راز۔ اور نور نسیم۔

محفلِ شعر ۸۰ - ۱۹۷۹ء

شرکاء :۔ رخسانہ جبین۔ شفیع شفائی۔ جاوید آذر۔ فاروق آفاق۔ فیاض دلبر۔ شفیقہ پروین۔ مجید عاصمی۔ کنیالال گل۔ سید محمد رضا۔ پریمی رومانی۔ ریاض گیلانی۔ غلام رسول مجروح۔ یوسف سلیم۔ امداد ساقی۔ تمنا منشی۔ دلشادہ شمسی۔ نصرت جہاں آراء نصرت۔ رگھبیر چندر ندیم۔

ii۔ محفلِ مقالات

شرکا:۔ عبدالغنی بیگ۔ شمشاد کرالہ واری۔ محمد اشرف۔ ڈاکٹر (مس) محبوبہ وانی۔ وِجے مہتوری۔ رشید ابرہ بلی۔ پریمی رومانی۔ مس شمیم گُل۔

iii۔ محفلِ افسانہ

شرکا:۔ انیس ہمدانی۔ غلام رسول آزاد۔ عبدالرشید فراق۔ نذیر نظر۔ جان محمد آزاد۔ محمد شریف دانش۔ عبدالرشید خان زرنگیر۔ یاسمین فردوسی دلکش۔ مقبول۔ الطاف نوپوری۔ مشتاق مہدی۔

۸۱-۱۹۸۰ء (الف) محفلِ شعر ۱۲ر مئی ۱۹۸۱ء

شرکا:۔ مس تمنا رفعت۔ مس رخسانہ جبین۔ فاروق آفاق۔ امداد ساقی۔ فیاض دلبر۔ جاوید آذر۔ غلام رسول مجروح۔ یوسف سلیم۔ رضا کشمیری۔ مجید عاصی۔ مس نزہت دعودی۔ شفیع شفائی۔ کنہیا لال گل۔ نذیر احمد نذیر۔ بشارت بشیر۔ عبدالقیوم۔ واجدہ تبسم۔ غلام محمد تسنیم۔ بشیر احمد رفعت۔

محفلِ افسانہ (۱۶ر جون ۱۹۸۰ء)

شرکا:۔ ایس۔ ایم قمر۔ زاہد مختار۔ روشن لال روشن۔ مس اظہر نعیم احمد۔ بھوشن لال بھوشن۔ ریاض ماہر۔ عبدالرشید فراق۔ انیس ہمدانی۔ مختار غلام نبی۔

(پ) محفلِ مقالات (۱۴ر جولائی ۱۹۸۰ء)

شرکا:۔ شمشاد کرالہ واری۔ ڈاکٹر (مس) محبوبہ وانی۔ جاوید آذر۔ وِجے کمار۔ رتن لال کول۔ ریاض رفاعی۔ کریم اللہ قریشی۔ پریمی رومانی۔ مس شمیم گُل۔

●

مشاعرے

مقامی طور پر مشاعروں کے انعقاد کے علاوہ اکادمی تقریباً ہر سال کُل ہند مشاعروں کا اہتمام کرتی رہی ہے۔ اِن مشاعروں میں جن شعرائے کرام نے مختلف اوقات پر شرکت کی ہے اُن کے اسمائے گرامی یوں ہیں :۔

۲۶ر جنوری ۱۹۶۰ء ۔ جموں

۱۔ جناب جگن ناتھ آزاد (دہلی) ۲۔ جناب سلام مچھلی شہری (دہلی)
۳۔ جناب ترلوک چند کوثر ۴۔ جناب شمیم کرہانی
۵۔ جناب ساحر ہوشیار پوری۔

۲۶ر جنوری ۱۹۶۱ء ۔ جموں

۱۔ جناب غلام رسول نازکی ۲۔ جناب رسا جاودانی
۳۔ جناب ترلوک چند کوثر ۴۔ جناب فنا نظامی کانپوری
۵۔ جناب فاضل کشمیری ۶۔ جناب حامدی کشمیری

۲۸ر جنوری ۱۹۶۴ء ۔ جموں

۱۔ جناب زیڈ سیمی ۲۔ جناب ہر بھگوان شاد
۳۔ جناب عابد مناوری ۴۔ جناب سیکش کشمیری
۵۔ جناب کشن سمیلپوری۔ ۶۔ جناب مہندر رینہ
۷۔ جناب پورن سنگھ ہنر ۸۔ جناب عرش صہبائی
۹۔ جناب امر چند قیس ۱۰۔ جناب اختر رضوانی
۱۱۔ شری نندہ لال کول طالب ۱۲۔ جناب جگن ناتھ آزاد
۱۳۔ جناب روش صدیقی ۱۴۔ شری ودیا رتن عاصی

۱۵۔ شری خمار جالندھری
۱۶۔ شری رہبر جدید
۱۷۔ شری اندرجیت لطف
۱۸۔ شری طالب امین آبادی

۲۹ر ستمبر ۱۹۶۴ء ۔ سرینگر

۱۔ جناب خلیل الرحمان اعظمی
۲۔ جناب نشور واحدی
۳۔ جناب شاذ تمکنت
۴۔ جناب جگن ناتھ آزاد
۵۔ جناب فضا ابن فیضی
۶۔ جناب انور مرزا پوری
۷۔ جناب روش صدیقی
۸۔ حکیم شاداں اندوری
۹۔ شری مہندر رینہ
۱۰۔ جناب شہ زور کشمیری
۱۱۔ جناب کمال احمد صدیقی
۱۲۔ جناب قاضی غلام محمد
۱۳۔ جناب میر غلام رسول نازکی
۱۴۔ جناب قیصر قلندر
۱۵۔ جناب نندہ لال کول طالب
۱۶۔ جناب میکش کشمیری
۱۷۔ جناب عرش صہبائی
۱۸۔ جناب رسا جاودانی
۱۹۔ جسٹس مرتضیٰ فضل علی دِل
۲۰۔ جناب کمال الدین شیدا
۲۱۔ جناب حامدی کشمیری
۲۲۔ جناب وامق جونپوری

۱۶ر اگست ۱۹۶۷ء ۔ سرینگر

۱۔ جناب عرش صہبائی
۲۔ جناب علی سردار جعفری
۳۔ جناب دینا ناتھ نادم
۴۔ شری رام ناتھ شاستری
۵۔ شری وید پال دیپ
۶۔ جناب قیصر قلندر
۷۔ جناب رحمن راہی
۸۔ جناب غلام نبی فراق
۹۔ جناب رشید نازکی
۱۰۔ جناب قاضی غلام محمد
۱۱۔ جناب ایوب بیرمی
۱۲۔ شری ششی شیکھر توشخانی

۱۳۔ جناب کمال احمد صدیقی ۱۴۔ پروفیسر حامدی

۱۵۔ جناب فاروق نازکی ۱۶۔ شری مکھن لال بیکس

۱۷۔ جناب فاضل کشمیری ۱۸۔ شری بیش شرما

۱۹۔ جناب شبیب جعفری

۲۰؍ جنوری سنہ ۱۹۶۸ء ۔ جموں

۱۔ شری سرویشور دیال سرینا ۲۔ شری رامانند دوشی

۳۔ شریمتی کانتا بھارتی ۴۔ شری رمیش رنجیت

۵۔ شری شمبوناتھ سنگھ ۶۔ شری موہن نرآتش

۷۔ شری رتن لال شانت ۸۔ شری ششی شیکھر توشخانی

۹۔ شری سبھاش بھاردواج ۱۰۔ شری چندر کانت جوشی

۱۱۔ شری جوتیشور پتھک ۱۲۔ شری ایم ۔ آر ۔ چنچل

۱۳۔ شری کیہر سنگھ مدھوکر ۱۴۔ شری اوما شنکر نیبوالی

۲۸؍ جنوری سنہ ۱۹۶۸ء ۔ جموں

۱۔ جناب زبیر رضوی ۲۔ جناب کرشن موہن

۳۔ جناب رفعت سروش ۴۔ جناب حافظ میرٹھی

۵۔ جناب نازش پرتاب گڈھی ۶۔ جناب نذیر بنارسی

۷۔ جناب منظور الامین ۸۔ جناب آفاق احمد

۹۔ جناب رسا جاودانی ۱۰۔ جناب طالب امین آبادی

۱۱۔ جناب عرش صہبائی ۱۲۔ جناب عابد مناوری

۱۳۔ جناب حکیم منظور ۱۴۔ جناب عشرت کشمیری

۱۵۔ جناب وجے سمن

۱۹ر جون ۱۹۶۸ء ۔ سرینگر

(یہ مشاعرہ قومی یک جہتی کونسل کی سرینگر میٹنگ کے موقع پر منظم کیا گیا)

۱۔ جناب غلام ربانی تاباںؔ
۲۔ محترمہ جمیلہ بانو
۳۔ جناب بابر بریری
۴۔ محترمہ بیگم نسیم مخمورؔ
۵۔ جناب ولی عاصی
۶۔ جناب ماجدؔ صدیقی
۷۔ محترمہ ممتاز مرزاؔ
۸۔ جناب جگن ناتھ آزادؔ
۹۔ جناب عرشؔ صہبائی
۱۰۔ جناب غلام رسول نازکی
۱۱۔ جناب شہزور کشمیری
۱۲۔ جناب حامدیؔ کشمیری
۱۳۔ جناب قیصر قلندر
۱۴۔ جناب فاروقؔ نازکی
۱۵۔ جناب قاضی غلام محمد

۸ر جنوری ۱۹۶۹ء ۔ جموں

۱۔ جناب معین احسن جذبیؔ
۲۔ جناب نازشؔ پرتاب گڑھی
۳۔ جناب غلام ربانی تاباںؔ
۴۔ جناب بیکل اُتساہی
۵۔ جناب جگن ناتھ آزادؔ
۶۔ جناب خلیل الرحمان اعظمی
۷۔ محترمہ ممتاز مرزا
۸۔ جناب رسا جاودانی
۹۔ جناب طالب امین آبادی
۱۰۔ جناب شباب للت
۱۱۔ جناب قیصر قلندر
۱۲۔ جناب عشرت کشمیری
۱۳۔ جناب اندر جیت لُطف
۱۴۔ جناب کمال احمد صدیقی
۱۵۔ جناب حامدیؔ کشمیری
۱۶۔ جناب عرشؔ صہبائی
۱۷۔ جناب قاضی غلام محمد
۱۸۔ جناب دینا ناتھ رفیق
۱۹۔ جناب وجے سمن
۲۰۔ جناب منظر اعظمی

۲۱۔ جناب ایس۔ ایل کالڑا
۲۲۔ جناب فاروق نازکی
۲۳۔ جناب عابد مناوری
۲۴۔ جناب حکیم منظور
۲۵۔ جناب ودیارتن عاصی

۲۸؍ جنوری ۱۹۷۰ء ۔ جموں

۱۔ جناب مہندر سنگھ بیدی
۲۔ جناب نذیر بنارسی
۳۔ جناب نازش پرتاب گڈھی
۴۔ جناب امر چند قیس
۵۔ جناب ساحر ہوشیارپوری
۶۔ جناب اختر رضوانی
۷۔ جناب جگن ناتھ آزاد
۸۔ جناب فاروق نازکی
۹۔ جناب کمال احمد صدیقی
۱۰۔ جناب فرحت گیلانی
۱۱۔ جناب عرش صہبائی
۱۲۔ جناب عابد مناوری
۱۳۔ جناب عشرت کشمیری
۱۴۔ جناب حکیم منظور
۱۵۔ جناب آفاق احمد
۱۶۔ جناب محمد یاسین
۱۷۔ جناب برج موہن شفق

۱۶؍ اکتوبر ۱۹۷۰ء ۔ سرینگر

۱۔ جناب بشیر بدر
۲۔ جناب شبیب رضوی
۳۔ جناب عرش ملسیانی
۴۔ جناب اشرف ساحل
۵۔ جناب حکیم منظور
۶۔ ڈاکٹر وحید اختر
۷۔ جناب حفیظ میرٹھی
۸۔ جناب نازش پرتاب گڈھی
۹۔ جناب آفتاب لکھنوی
۱۰۔ جناب فضا ابن فیضی
۱۱۔ جناب بشارت سلیم
۱۲۔ جناب عابد مناوری
۱۳۔ جناب فاروق نازکی
۱۴۔ جناب رسا جاودانی

WRITERS
ORGANISED BY
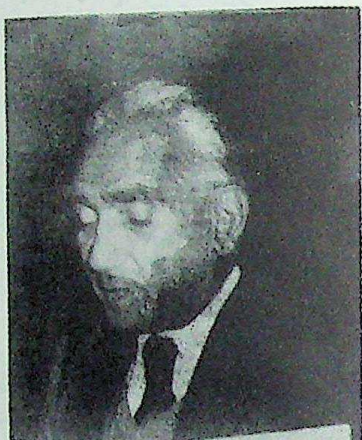
۱۵۔ جناب فنا نظامی کانپوری
۱۶۔ جناب انور مرزا پوری
۱۷۔ جناب کمال احمد صدیقی
۱۸۔ جناب آفاق احمد
۱۹۔ ڈاکٹر حامدی کشمیری
۲۰۔ جناب شہ زور کشمیری
۲۱۔ جناب شاذ تمکنت
۲۲۔ جناب قیصر قلندر
۲۳۔ جناب میکش کشمیری
۲۴۔ جناب محمد یاسین
۲۵۔ جناب عشرت کشمیری
۲۶۔ جناب عرش صہبائی
۲۷۔ جناب رفعت سروش
۲۸۔ جناب غلام ربانی تاباں
۲۹۔ جناب جگن ناتھ آزاد

۱۸ر جنوری ۱۹۷۳ء ۔ جموں

۱۔ جناب بلراج کومل
۲۔ جناب شہاب جعفری
۳۔ جناب ساحر ہوشیار پوری
۴۔ جناب خضر برنی
۵۔ جناب شہریار
۶۔ ڈاکٹر وحید اختر
۷۔ جناب نازش پرتاب گڈھی
۸۔ جناب فضا ابن فیضی
۹۔ جناب غلام رسول نازکی
۱۰۔ جناب شجاع سلطان
۱۱۔ جناب محمد یاسین
۱۲۔ جناب حکیم منظور
۱۳۔ جناب میکش کشمیری
۱۴۔ جناب عرش صہبائی
۱۵۔ جناب عابد مناوری
۱۶۔ جناب رہبر جدید

۲۸ر جنوری ۱۹۷۴ء ۔ جموں

۱۔ جناب عمیق حنفی
۲۔ جناب زبیر رضوی
۳۔ جناب بشیر بدر
۴۔ محترمہ شاہ جہاں بانو یاد
۵۔ جناب کمال احمد صدیقی
۶۔ جناب غلام ربانی تاباں

۷۔ جناب خضر برنی

۸۔ شری پریم وریاتسوی

۹۔ جناب رفیق راز

۱۰۔ جناب ایرج کشمیری

۱۱۔ جناب سیفی سوپوری

۱۲۔ جناب غلام رسول نازکی

۱۳۔ جناب آفاق احمد

۱۴۔ جناب اقبال فہیم

۱۵۔ جناب میکش کشمیری

۱۶۔ جناب عابد مناوری

۱۷۔ جناب عرش صہبائی

۱۸۔ جناب عشرت کشمیری

۱۹۔ جناب ودیا رتن عاصی

۲۰۔ جناب حکیم منظور

۲۱۔ جناب اندرجیت لطف

۲۲۔ جناب پرتپال سنگھ بیتاب

۲۳۔ جناب رہبر جدید

۲۴۔ جناب جگن ناتھ آزاد

۲۸ رجنوری ۱۹۷۵ء۔ جموں

۱۔ ڈاکٹر وحید اختر

۲۔ جناب خلیل الرحمان اعظمی

۳۔ جناب کمال احمد صدیقی

۴۔ جناب شہریار

۵۔ جناب قیصر قلندر

۶۔ جناب صغیر احمد صغیر

۷۔ جناب مغنی تبسم

۸۔ جناب راج نراین راز

۹۔ جناب مخمور سعیدی

۱۰۔ جناب بیکل اُتساہی

۱۱۔ جناب بشیر بدر

۱۲۔ جناب امر چند قیس

۱۳۔ جناب سلطان الحق شہیدی

۱۴۔ جناب غلام محمد آخر

۱۵۔ جناب محمد یاسین

۱۶۔ جناب غلام رسول نازکی

۱۷۔ جناب عابد مناوری

۱۸۔ جناب میکش کشمیری

۱۹۔ جناب حکیم منظور۔

۲۰۔ جناب عرش صہبائی

۲۱۔ جناب اشرف ساحل

۲۲۔ جناب جگن ناتھ آزاد

۲۸ر جنوری ۱۹۷۶ء ۔ جموں

۱۔ جناب رفعت سروش
۲۔ جناب عمیق حنفی
۳۔ جناب زبیر رضوی
۴۔ جناب کرشن موہن
۵۔ جناب مخمور سعیدی
۶۔ جناب قمر قیس
۷۔ جناب ترلوک چند کوثر
۸۔ جناب بشیر بدر
۹۔ محترمہ شاہجہاں بانو یاد
۱۰۔ جناب بسمل شاہجہاںپوری
۱۱۔ جناب قیصر قلندر
۱۲۔ جناب جگن ناتھ آزاد
۱۳۔ جناب غلام رسول نازکی

۲۸ر جنوری ۱۹۷۷ء ۔ جموں

۱۔ جناب راج نرائن راز
۲۔ جناب قیصر قلندر
۳۔ جناب صغیر احمد صغیر
۴۔ جناب فنا نظامی
۵۔ جناب بشیر بدر
۶۔ جناب شہریار
۷۔ محترمہ شاہجہاں بانو یاد
۸۔ جناب گلزار دہلوی
۹۔ جناب راجندر بانی
۱۰۔ جناب کرشن کمار طور
۱۱۔ جناب سلطان الحق شہیدی
۱۲۔ جناب عرش صہبائی
۱۳۔ جناب عابد مناوری
۱۴۔ جناب حکیم منظور
۱۵۔ جناب ودیا رتن عاصی
۱۶۔ جناب میکش کشمیری
۱۷۔ جناب محمد یاسین
۱۸۔ جناب حامدی کشمیری

۲۸ر جنوری ۱۹۷۸ء ۔ جموں

۱۔ جناب فنا نظامی کانپوری
۲۔ جناب راج نرائن راز
۳۔ جناب شہریار
۴۔ محترمہ زاہدہ زیدی
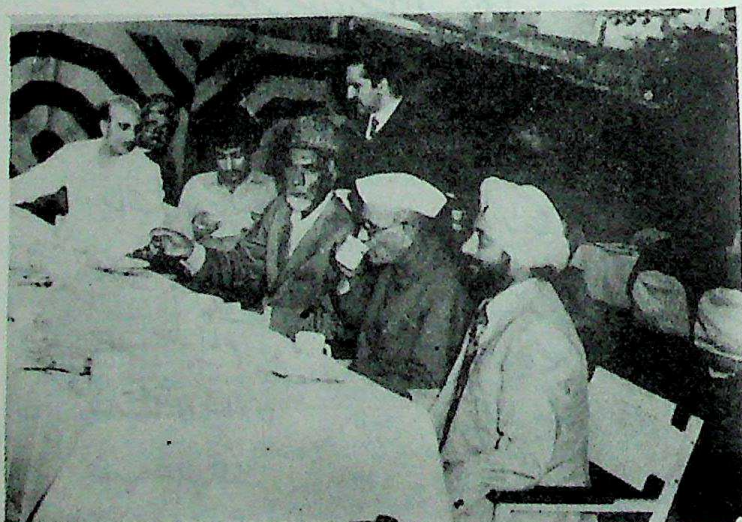
۵۔ جناب نذر برنی ۶۔ جناب قیصر قلندر

۷۔ محترمہ شاہجہاں بانو یاد ۸۔ جناب حفیظ میرٹھی

۹۔ شری کرشن کمار طور ۱۰۔ جناب سلیم شیرازی

۱۱۔ جناب راجیندر ربانی ۱۲۔ جناب کرشن موہن

۱۶ر اگست ۱۹۷۹ء ۔ سری نگر

۱۔ جناب فاروق نازکی ۲۔ جناب میکش کشمیری

۳۔ جناب عرش صہبائی ۴۔ جناب شجاع سلطان

۵۔ جناب مظہر امام ۶۔ جناب رفیق راز

۷۔ جناب سلطان الحق شہیدی ۸۔ جناب حامدی کشمیری

۹۔ جناب مظفر ایرج ۱۰۔ جناب عابد مناوری

۱۱۔ جناب جی، ایم ملک شیدا ۱۲۔ جناب اشرف ساحل

۱۳۔ جناب محمد یاسین ۱۴۔ جناب شہریار

۲۸ر جنوری ۱۹۸۰ء ۔ جموں

۱۔ جناب پریم کمار نظر ۲۔ جناب فنا نظامی

۳۔ جناب ہلال سیوہاری ۴۔ جناب بشیر بدر

۵۔ جناب قیس جالندھری ۶۔ جناب راج نرائن راز

۷۔ جناب حفیظ میرٹھی ۸۔ جناب من موہن تلخ

۹۔ جناب مظہر امام ۱۰۔ جناب صوفی عبد المجید

۱۱۔ جناب رشی پٹیالوی ۱۲۔ جناب بشیر ہوشیار پوری۔

۱۳۔ جناب شباب للت ۱۴۔ جناب علی سردار جعفری

۱۵۔ جناب رام پرکاش راہی ۱۶۔ جناب جگن ناتھ آزاد

۱۷۔ جناب میکش کشمیری ۔ ۱۸۔ جناب عرش صہبائی

۱۹۔ جناب عابد مناوری ۔ ۲۰۔ جناب شُجاع سلطان

۲۱۔ جناب محمد یاسین ۔ ۲۲۔ جناب بیتاب جے پوری

۲۳۔ جناب پرنیپال سنگھ بیتاؔب

۱۴ر جون ۱۹۸۰ء ۔ سرینگر

۱۔ جناب حیات وارثی ۔ ۲۔ جناب عارف نجمی

۳۔ جناب مطرب نظامی ۔ ۴۔ جناب کمال لکھنوی

۵۔ جناب جواہر امبھائی ۔ ۶۔ جناب قادر صدیقی

۷۔ جناب کاظم حیروی ۔ ۸۔ جناب حسن فراز

۹۔ جناب ناوک ظریف لکھنوی ۔ ۱۰۔ محترمہ عزیز بانو

۱۱۔ جناب سروال نوآز ۔ ۱۲۔ جناب تلقین حیدر

۱۳۔ محترمہ واجدہ تبسم ۔ ۱۴۔ جناب راز رشید

۱۵۔ جناب حامدی کشمیری

۲۸ر جنوری ۱۹۸۱ء ۔ جموں

۱۔ جناب شہریار ۔ ۲۔ جناب راج نرائن راز

۳۔ جناب غلام محمد آجر ۔ ۴۔ جناب کمار پاشی

۵۔ جناب بشیر بدر ۔ ۶۔ جناب عابد مناوری ۔

۷۔ جناب حکیم منظور ۔ ۸۔ جناب عرش صہبائی ۔ ۹۔ جناب پرنیپال سنگھ بیتاب ۔

۱۰۔ جناب محمد یاسین ۔ ۱۱۔ جناب میکش کشمیری ۔ ۱۲۔ جناب فاروق مضطر ۔

۱۳۔ جناب فاروق نازکی ۔ ۱۴۔ جناب مظفر ایرج ۔ ۱۵۔ جناب پروین کمار اشک ۔

۱۶۔ جناب وریا رتن عاصی ۔ ۱۷۔ جناب شُجاع سلطان ۔ ۱۸۔ جناب امداد ساقی ۔

۱۹۔ جناب ساگر صحرائی ۔ ۲۰۔ جناب کرشن موہن ۔
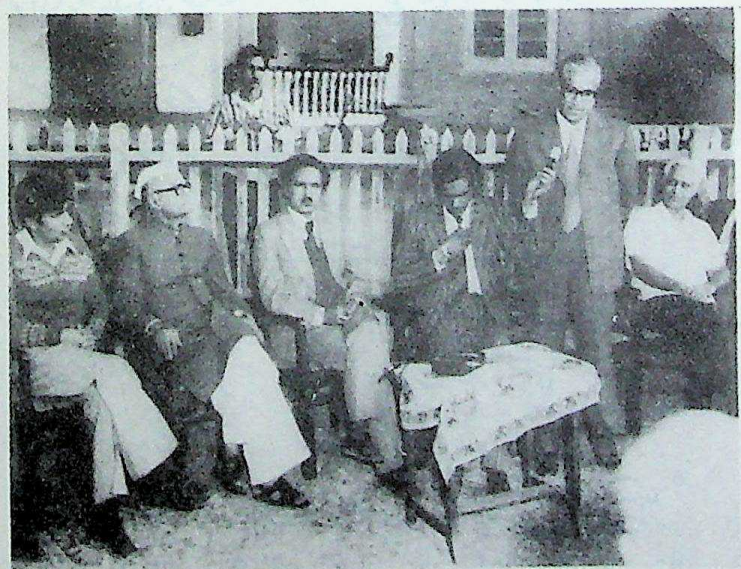
ادیبوں، دانشوروں اور فنکاروں کے اعزاز میں عصرانے

کلچرل اکیڈیمی پچھلے ۲۵ برسوں سے ریاستی اور غیر ریاستی ادیبوں، دانشوروں، مصوروں، مجسمہ سازوں اور دوسرے فنکاروں کے اعزاز میں خصوصی عصرانوں کا اہتمام کرتی آرہی ہے۔ اِن عصرانوں میں شمولیت کے لئے سربرآوردہ مہمانوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کیلئے اکادمی سٹاف کے علاوہ دیگر ادیب، شعرا اور فنکار خاص طور سے مدعو کئے جاتے ہیں جو مِل بیٹھ کر مختلف موضوعات پر دوستانہ ماحول میں کھل کر بات کرتے ہیں۔ اکادمی خاص طور اِن مواقع کی تلاش میں رہتی ہے کہ جب بھی کوئی سربرآوردہ ادیب، شاعر یا تاریخ دان ہماری ریاست میں وارد ہوتا ہے تو خصوصی طور اُسے دعوت دی جاتی ہے، کہ وہ ریاستی ادیبوں کے ساتھ مِل بیٹھے۔ اِس قسم کے عصرانوں میں کئے گئے مباحثوں کی صدا بندی کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے۔

۶ر ستمبر ۱۹۶۴ء کو شری ایم۔ پی میگی ڈائریکٹر آف ڈیزائنز نئی دہلی اور شری کمل کرشن ڈائریکٹر آف ماڈرن سکول آف آرٹ دہلی نے ریاستی مصوروں کے ساتھ تجریدی آرٹ کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔

۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو ریتو مکرجی کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا جس میں مصوروں کو درپیش مسائل پر کھُل کر بحث کی گئی۔

۸ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مصوری پر ایک سیمنار منعقد کیا گیا جسمیں

ملک کے نامور ادیب ڈاکٹر ملک راج آنند نے آرٹ تہذیب اور سوسائٹی

میں مصوروں کی اہمیت کے بارے میں ایک مقالہ پڑھا۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ملک کے نامور فنکار جناب ایم۔ ایف حسین

کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا جس میں APPRECIATION OF

ART AND UNDERSTANDING کے موضوع پر ایک مباحثہ ہوا۔

ماڈرن آرٹ کے بارے میں ایک مباحثہ ۱۹۶۵ء میں سرینگر کے

ٹیچرس ٹریننگ کالج میں ہوا جہاں شری ایس، اے کرشن نے ایک

SLIDE SHOW بھی پیش کیا۔

اکادمی نے اردو کے نامور ادیب جناب کرشن چندر کے اعزاز میں ایک

عصرانے کا اہتمام لال منڈی کے خوبصورت پارک میں کیا۔

مشہور فلمی اداکار دلیپ کمار کے اعزاز میں ایک عصرانے کا اہتمام

سری نگر کے براڈوے ہوٹل میں کیا گیا۔ اس محفل میں ادیبوں اور شاعروں

کے علاوہ شہر کے معززین نے بھی شرکت کی۔

مشہور کشمیری صوفی شاعر احد زرگر کے اعزاز میں ایک عصرانہ دولت کدہ

احد زرگر پر دیا گیا۔ جہاں صوفی شاعری اور غیر صوفی شاعری سے متعلق موازنہ و

مقابلہ پر ایک دلچسپ بحث ہوئی۔ محفل میں بزرگ شاعر احد زرگر کے

علاوہ جناب دینا ناتھ نادم، رحمان راہی اور غلام رسول نازکی نے بھی اپنا

کلام سنا کر سامعین کو محظوظ کیا۔ اس محفل کی صدابندی اکادمی کے

آرکائیوز میں محفوظ کی گئی۔

اردو زبان کے مشہور نقاد جناب شمس الرحمان فاروقی کے اعزاز

میں ایک عصرانہ لال منڈی آفس میں دیا گیا جس میں اور لوگوں کے علاوہ
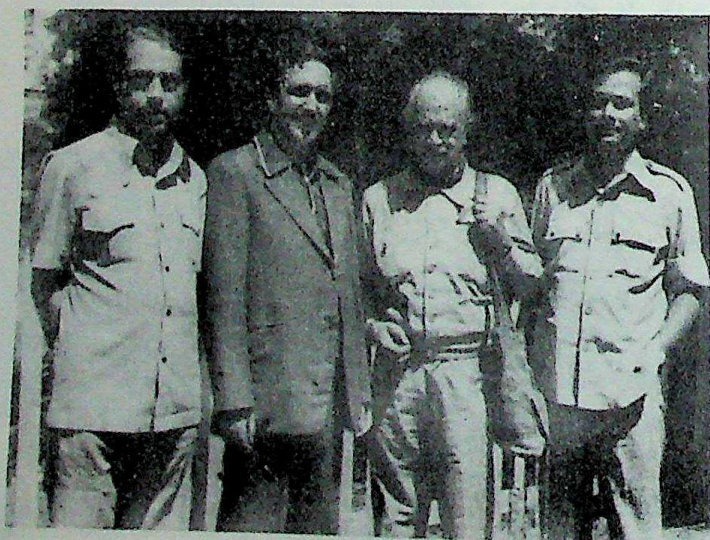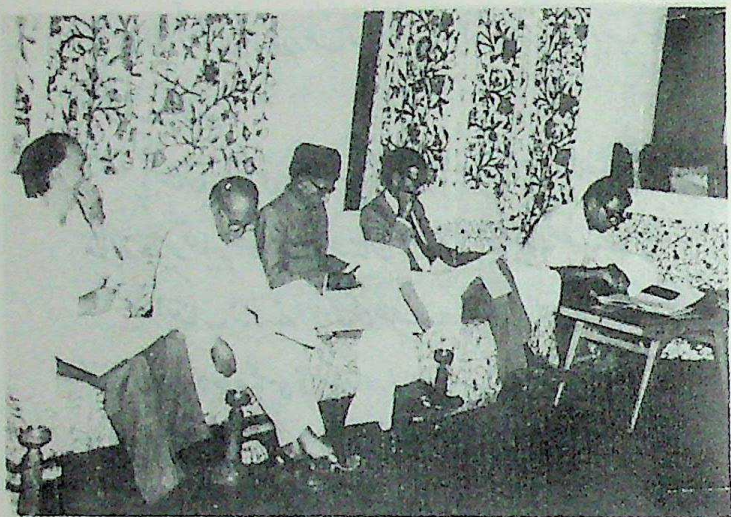
جناب آل احمد سرور، عالم خوندمیری، اور دوسرے ادیب حضرات نے شرکت کی۔

پاکستان سے آئی ہوئی سربرآوردہ شخصیتوں میں سلام الدین نیاز سابقہ وزیرِ تعلیم حکومتِ پاکستان کے اعزاز میں ایک عصرانے کا اہتمام کیا گیا۔

جناب نیاز نے اکادمی کی طرف سے کشمیری زبان میں طبع کرائی گئی کتابوں میں از حد دلچسپی ظاہر کی اور اپنے ملک میں کشمیری زبان کی ترقی و ترویج کے لئے اکادمی سے ملتا جلتا ادارہ قائم کروانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ اکادمی نے خیر سگالی کے طور کشمیری کتابوں کا ایک سیٹ سلام الدین نیاز کو بطورِ تحفہ بھی پیش کیا۔

راولپنڈی سے نکلنے والے ہفت روزہ "کشمیر" کے ایڈیٹر خواجہ عبدالصمد وانی کے اعزاز میں ایک عصرانے کا اہتمام کیا گیا جس میں سرحد کے دونوں اطراف میں ہو رہے کشمیری زبان کے کام پر کھُل کر بات ہوئی۔

اس کے علاوہ مشہور و معروف ادیبوں اور فنکاروں کے اعزاز میں اکادمی عصرانے دے چکی ہے اُن میں محترمہ سلمیٰ صدیقی، علی سردار جعفری، عصمت چغتائی، ابراہیم القاضی، ناگ ارجن نیمچند جین، کنول کرشن، ایم۔ آر آنند، دینا ناتھ نادم، مبارک شاہ فطرت، میر غلام رسول نازکی، غلام حسن بیگ عارف، مہیپ سنگھ، رام درشن مشرا، میر عبدالعزیز (ایڈیٹر 'انصاف' راولپنڈی) وغیرہ شامل ہیں۔

کنڑ زبان کے مشہور طنزیہ شاعر اور ریڈیو کشمیر سری نگر کے ڈائریکٹر جناب اے، پی۔ اٹیگی کے اعزاز میں ایک عصرانے کا اہتمام اکادمی کے لانز میں کیا گیا جہاں اُنہوں نے اپنی مزاحیہ نظمیں سُنائیں۔

ہندوستان کے مشہور ادیب اور ماہر تعلیم جناب بدرالدین طیب جی کے اعزاز میں دئے گئے عصرانے میں ہندوستانی تاریخ و تمدن پر بحث کی گئی۔ مشہور تاریخ نویس جناب محب الحسن کے ساتھ ایک محفل بھی منعقد کی گئی۔ یاد رہے کہ کلچرل اکادمی نے جناب محب الحسن کو اُنکی مشہور کتاب KASHMIR UNDER SULTANS ترتیب دینے میں کافی معاونت کی ہے۔

غیر ملکی وفود اور ڈیلی گیشنز میں حکومت روس کی طرف سے بھیجا گیا ایک وفد اور ایرانی وفود کے اعزاز میں بھی خوبصورت محفلیں آراستہ کی گئی ہیں۔ ملک کی دیگر ریاستوں کی طرف سے بھی ہماری گلپوش وادی میں کئی ایک وفود آچکے ہیں۔ حال ہی میں ملیالم ادیبوں کا ایک وفد کشمیر کے دورے پر آیا تھا جس میں کھفکازی شنکر پلیسے، پروفیسر او۔ این کروپ اور ڈاکٹر ایم۔ ایم بشیر کے علاوہ وادی سے آئے ہوئے مختلف زبانوں کے ادیبوں نے بھی شرکت کی:
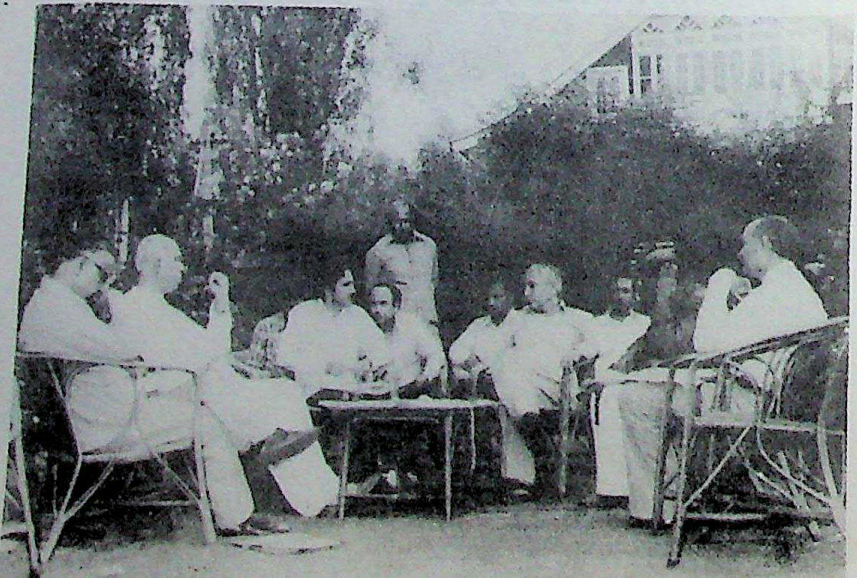
"بزمِ شیرازہ"

اکادمی نے 'بزمِ شیرازہ' میں ریاست اور بیرونِ ریاست کے سرکردہ ادیبوں کی اعزاز میں اِستقبالیہ محفلیں منعقد کی ہیں۔ اِس سلسلے میں اس کا ایک اندازہ وہ تھا جو ۷۲-۱۹۷۱ء تک جاری رہا۔ اکادمی نے سری نگر کے 'لالہ رُخ' ہوٹل کا جو شہر کے قلب میں واقع ہے، ہال حاصل کیا۔ جسمیں ہر ہفتے ادب و ثقافت کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں۔ حاضرین کی تواضع روایتی انداز میں کشمیری قہوے اور قندی کلچے سے کی جاتی تھی۔ بعد میں کوئی اہم ادبی شخصیت کسی موضوع پر مقالہ پیش کرتی تھی۔ جس پر خوب بحث ہوتی۔ اِن محفلوں میں پروفیسر رحمان راہی، شمیم احمد شمیم مرحوم، پیر محمد افضل مخدومی، شمس الرحمان فاروقی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور دوسرے مشاہیر نے اپنے مقالے پڑھے۔ جو بعد میں 'شیرازہ' کے مختلف ایڈیشنوں میں شایع کیے گئے۔

کُل ہند کشمیری کانفرنس

کُل ہند کشمیری کانفرنس پہلی اور دوسری جولائی ۱۹۷۸ء کو ٹیگور ہال سری نگر میں ہوئی جسکا افتتاح مرزا محمد افضل بیگ نے کیا۔

• کانفرنس میں جن لوگوں نے مقالات پیش کئے اُن میں شری اوتار کرشن رہبر، جناب ناجی منور، جناب مشعل سلطانپوری، پروفیسر پی، این پشپ، جناب غلام نبی خیال، شری رحمان راہی اور پروفیسر سیف الدین سوز شامل تھے۔

مقالات کی نشستوں کی صدارت کے فرائض شری دینا ناتھ نادم اور غلام نبی فراق نے انجام دیے۔

کانفرنس میں جناب بشیر اختر، جناب بشیر احمد بشیر، شری ہری کرشن کول، جناب شمس الدین شمیم اور شری ہردے کول بھارتی نے اپنی کہانیاں پڑھیں۔

کانفرنس کے دوران اکادمی کے سکریٹری نے شرکا کو دعوت دی کہ وہ اکادمی کی اُن سرگرمیوں اور پروگراموں کا تجزیہ کریں جو وہ کشمیری زبان اور ادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں کر رہی ہے۔ درجنوں کی تعداد میں ادیبوں نے سٹیج پر آکر اکادمی کے مختلف پروگراموں اور انعامات کے سلسلے میں اپنائے گئے طریقہ کار، ادیبوں اور مصوّروں کو دی جانے والی مالی امداد کے بارے میں سوالات کئے۔ یہ بحث چار گھنٹے تک جاری رہی۔

دوسری جولائی ۱۹۷۸ء کو ایک کشمیری مشاعرہ ہوا جسمیں ریاست کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے شعرا نے شرکت کی، اسی دن ایک خاص عصرانے کا اہتمام بھی کیا گیا جسمیں وزیرِ اعلیٰ جناب شیخ محمد عبداللہ کے علاوہ

ریاست کے اعلیٰ افسروں نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں کُل ملا کر ۳۵۰ مندوبین نے شرکت کی جنمیں شعرا اور ادبا کے علاوہ کشمیری زبان کے چاہنے والے بھی شامل تھے۔

کشمیری زبان کی تاریخ میں آیک پُر رونق کانفرنس کے طور پر یاد کیجائیگی جس نے کشمیری زبان کی اہمیت اور ضرورت کو اور زیادہ واضح اور گہرا کر دیا۔ اس کانفرنس نے اُس تحریک کے لئے راستہ ہموار کر دیا جسکے نتیجہ کے طور پر کشمیری کو مڈل، ہائی اور ہایر سکینڈری سطح پر ایک مضمون کے طور پر تسلیم کیا گیا، جو کہ ایک نمایاں کامیابی ہے۔

کُل ہند سطح پر منظم کی گئی یہ کشمیری کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی:

•
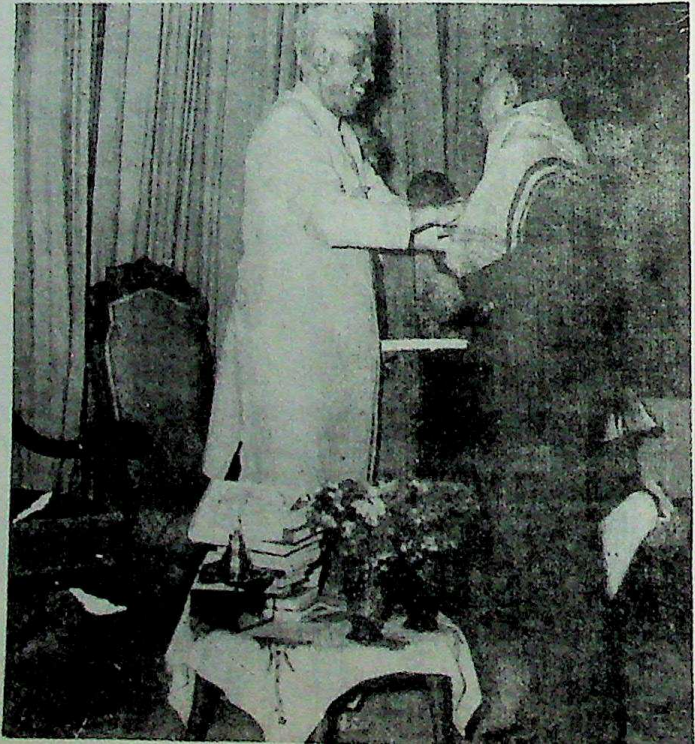
کُل ہند ڈوگری کانفرنس

کُل ہند ڈوگری کانفرنس کا انعقاد ابھنو تھیٹر جموں میں ۲۰ اور ۲۱ جنوری ۱۹۸۰ء کو ہوا جسمیں ریاست کے علاوہ ہماچل پردیش اور دہلی سے ڈوگری ادیبوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ابتدائی تقریر اکادمی کے سیکریٹری جناب محمد یوسف ٹینگ نے کی جسمیں اُنھوں نے حاضرین کو اُن گوناگوں سرگرمیوں سے روشناس کیا جو سرگرمیاں اکادمی ڈوگری زبان کو ترقی دینے کے لیئے کر رہی ہے۔ سیکریٹری نے ڈوگروں کے تمدنی ورثے کو زوردار الفاظ میں سراہا۔

کانفرنس کا افتتاح تعلیم کے وزیرِ مملکت جناب محمد شفیع نے کیا۔ افتتاحی اجلاس کے بعد مقالے پڑھے گئے۔ مشاعرہ ہوا اور کہانیوں کی ایک محفل بھی ہوئی۔ کانفرنس کی مختلف نشستوں میں مندرجہ ذیل مقالے پڑھے گئے جن پر تفصیل سے بحث ہوئی اور مندوبین حضرات نے بحث میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا:-

۱۔ ڈوگری بھاشا نکاس تے وِکاس — ڈاکٹر بال کرشن شاستری

۲۔ ڈوگری ناٹک اک پریچول — پروفیسر این۔ ڈی۔ شرما

۳۔ ڈوگری ناول ایک جائزہ — پروفیسر اشوک جیرت۔

۴۔ کانگڑی ساہتیہ اِک سروے — ڈاکٹر گوتم ویتھت

کانفرنس کے پہلے دن تیسری نشست میں ایک مشاعرہ ہوا جسمیں ۲۱ نامور شعرا نے اپنا کلام سُنایا۔ مشاعرے کی صدارت کے فرائض ڈوگری کے مشہور شاعر دینو بھائی پنت نے انجام دیئے۔ کہانی گوشٹھی ۲۱ جنوری ۱۹۸۰ء کو

ہوئی جو دو بجے دن شروع ہوئی اور شام تک جاری رہی۔ اس محفل میں جن افسانہ نگاروں نے اپنی کہانیاں سُنائیں۔ اُن میں پروفیسر مدن موہن شرما، شری او، پی شرما، سارتھی، بندھو شرما، شری چھتر پال، ڈاکٹر منوج اور شری چمن اروڑا شامل تھے۔ محفلِ افسانہ کی صدارت شری ہنسراج بنڈو نترا نے کی اور اس میں کافی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ اِس کانفرنس نے دوسری بانوں کے علاوہ ڈوگری ادیبوں کو خیالات کے تبادلے کا موقعہ فراہم کیا اور اس اعتبار سے اِس کانفرنس کو ایک سنگِ میل قرار دیا گیا۔
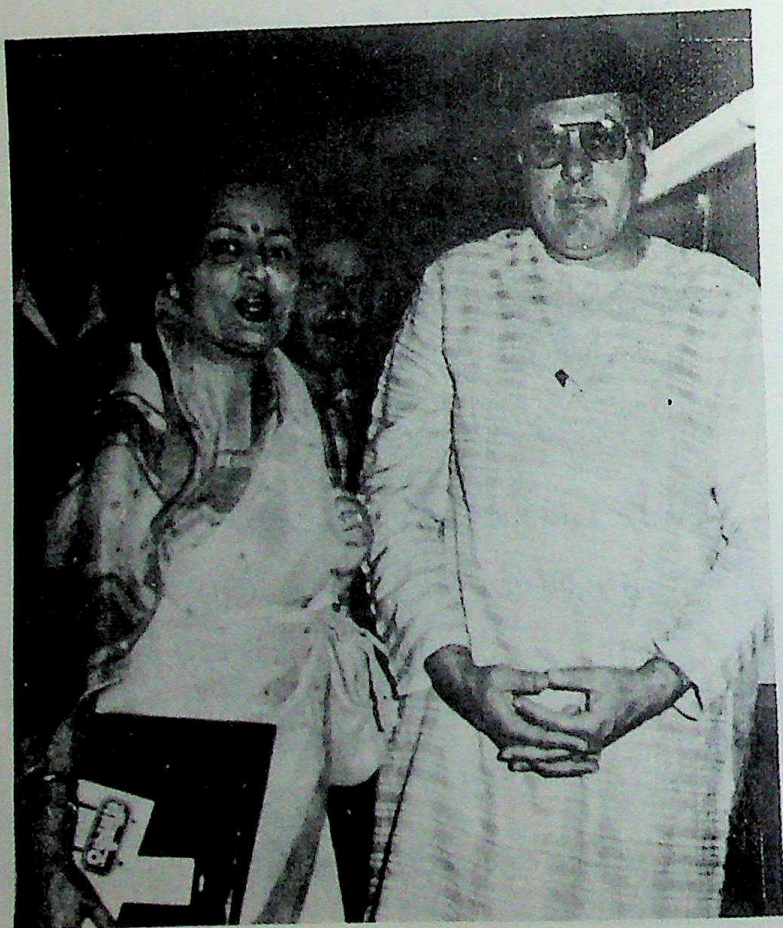
ہندی ادیبوں کی کُل ہند کانفرنس

ہندی ادیبوں کی کُل ہند کانفرنس ۱۶ اور ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء کو جموں کے ابھینو تھیٹر میں ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح ہندی کے نامور ادیب شری اجیت کمار نے کیا۔ افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات کی محفل ہوئی جسمیں ڈاکٹر رتن لال شانت (سرینگر)، شبھانش بھاردواج (جموں) نے اپنے مقالے پڑھے اور ڈاکٹر رمیش کمار شرما جو کہ موجود نہیں تھے کا مقالہ بھی پڑھا گیا۔ کانفرنس کی صدارت کے فرائض شری اجیت کمار، ڈاکٹر او، پی گپتا اور پروفیسر پُشپ نے انجام دئے۔

کوی سمیلن

کوی سمیلن ۱۶ مارچ ۱۹۸۰ء کی شام کو ہوا، اس کی صدارت ڈاکٹر وِنے نے کی۔ کوی سمیلن میں جن شعرا نے شرکت کی اُن کے نام یوں ہیں:۔ شری اجیت کمار (دہلی)، ڈاکٹر وِنے (دہلی)، شری بلدیو ونشی (دہلی)، ڈاکٹر ایوب پریمی (سرینگر)، ڈاکٹر اگنی شیکھر (سرینگر) شری موہن تراش (سرینگر)، شری ششی شیکھر توشخانی (سری نگر)۔ ڈاکٹر آدرش (اودھمپور)، شری راج کمار (جموں)، ڈاکٹر او، پی گپتا (جموں)، شری نرمل ونود (جموں)، شری پی، این مدھوپ (جموں)، شری جوتیشور پتھک (جموں)۔

کہانی گوشٹھی

کہانی گوشٹھی کی نشست کی صدارت شری بلدیو ونشی نے کی۔ اس

محفل کا اہتمام ۱۷ ؍ مارچ ۱۹۸۰ء کو بعد دوپہر کیا گیا اور اس میں مندرجہ ذیل کہانی کاروں نے شرکت کی:۔

شری ہیمانشو جوشی (دہلی)، شری ہری کرشن کول (سرینگر)، شری اشوک جیرتھ (جموں)، شری مہاراج کرشن شاہ (سرینگر) اور شریمتی اوشا ویاس (جموں) ۔

کہانی گوشٹھی کے بعد سیکریٹری اکادمی نے مہمانوں کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔

۱۷ ؍ مارچ ۱۹۸۲ء کی شام کو مندوبین کے تفنن طبع کے لئے ایک رنگا رنگ پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔

•
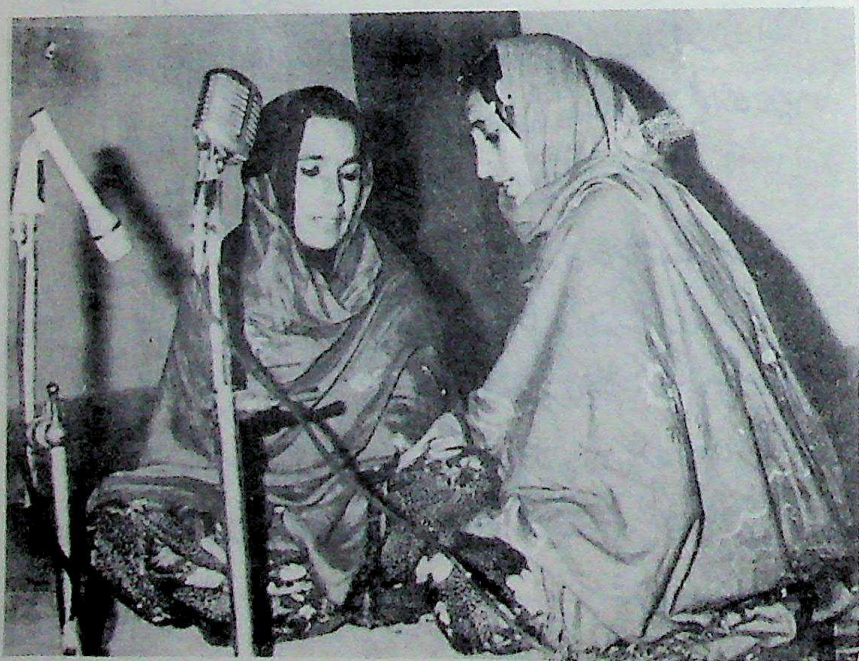
کُل ہند اُردو کانفرنس

۲۷ر اور ۲۸ر جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کو جموں کے ابھینو تھیٹر میں دو روزہ کُل ہند اُردو کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اِس کانفرنس میں شمولیت کے لئے ملک کے مختلف حصوں سے مقالہ نگاروں، شعرا اور افسانہ نگاروں کو دعوت دی گئی تھی۔ کانفرنس میں شرکا کی تفصیل اسطرح ہے :-

I- مقالہ نگار

۱۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ ۲۔ ڈاکٹر شارب ردولوی۔ ۳۔ ڈاکٹر قمر رئیس۔ ۴۔ ڈاکٹر ظہور الدین۔ ۵۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد۔ ۶۔ پروفیسر سیف الدین سوز۔ ۷۔ ڈاکٹر منظر اعظمی اور ڈاکٹر حامدی کاشمیری۔

II- افسانہ نِگار

۱۔ شری جوگندر پال۔ ۲۔ شری پُشکر ناتھ۔ ۳۔ شری مالک رام آنند۔ ۴۔ شری شیام سُندر لہر۔ ۵۔ شری کشوری منچندہ۔ ۶۔ شری وریندر پٹواری۔

III- شعرا

۱۔ شری شہریار۔ ۲۔ شری راج نراین راز۔ ۳۔ شری غلام محمد آجر۔ ۴۔ شری کمار پاشی۔ ۵۔ شری بشیر بدر۔ ۶۔ شری عابد مناوری۔ ۷۔ شری حکیم منظور۔ ۸۔ شری عرش صہبائی۔ ۹۔ شری پرتپال سنگھ بیتاب۔ ۱۰۔ شری محمد یاسین بیگ۔ ۱۱۔ شری میکش کشمیری۔ ۱۲۔ شری فاروق نازکی۔ ۱۳۔ شری مظفر ابرج۔ ۱۴۔ شری پروین کمار اشک۔ ۱۵۔ شری ودیا رتن عاصی۔ ۱۶۔ شری کرشن موہن۔ ۱۷۔ شری شُجاع سلطان۔ ۱۸۔ شری امداد ساقی اور

شری ساغر صحرائی۔

مبصرین

۱۔شری طالب امین عابدی۔ ۲۔شری مہیندر رینہ۔ ۳۔شری وید پال دیپ۔
۴۔شری خالد حُسین۔ ۵۔شری سلام الدین۔ ۶۔شری وید بھسین۔ ۷۔شری شہباز راجوروی۔ ۸۔شری شبیر مرزا۔ ۹۔شری خورشید بسمل۔ ۱۰۔
شری محمد امین شکیب۔ ۱۱۔شری بشیر بھدرواہی۔ ۱۲۔شری آنند سروپ انجم۔
۱۳۔شری بلراج کمار۔ ۱۴۔شری رشید قدآ۔ ۱۵۔شری منشور بانہالی۔ ۱۶۔
شری وفا بھدرواہی۔ ۱۷۔شری کیہر سنگھ مدھوکر۔ ۱۸۔شری بلراج پوری۔
۱۹۔شری محمد زمان آزردہ۔ ۲۰۔شری بشیر شاہ۔ ۲۱۔محترمہ عابدہ احمد۔
۲۲۔شری غلام رسول بچہ۔ ۲۳۔شری غلام نبی ناظر۔ ۲۴۔شری علی محمد لون۔

کانفرنس کا افتتاح جناب شیخ محمد عبداللہ نے کیا۔ ابتدا میں ایک محفلِ رامش ورنگ کا اہتمام کیا گیا تھا جسکا سواگت ناظرین نے زوردار تالیاں بجا کر کیا۔ رقص وسُرود کی اس محفل کو فیض احمد فیض کی نظم "رہگزر، سایۂ شجر۔۔۔" کی بُنیاد پر آراستہ کیا گیا تھا۔

اِس نظم کو رقص کے سانچے میں ڈال کر پیش کرنے کی یہ اولین کوشش تھی جسے جیوتی فوطیدار، جاگرتی دیوی، اندوبالا اور اُنکی سکھیوں نے نہایت نفاست کے ساتھ پیش کیا۔ سرینگر جموں قومی شاہراہ کے یکایک بند ہونے کی وجہ سے کشمیر سے آنے والے اکثر مندوبین کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے۔

•

کُل ہند پنجابی ادیبوں کی کانفرنس

یہ کانفرنس ۱۲ ار اور ۱۳ ار فروری سنہ ۱۹۸۲ء کو جموں کے ابھنو تھیٹر میں ہوئی۔

آغاز کے طور پر ایک مختصر مگر چُست کلچرل پروگرام مقامی فنکاروں نے پیش کیا۔ کانفرنس کا افتتاح وزیرِ صنعت جناب موہن کشن ٹکو نے کیا اور اجلاس کی صدارت کے فرائض بیگم شیخ محمد عبداللہ نے انجام دیئے۔ پنجابی کے مشہور کہانی کار پروفیسر سجان سنگھ نے بھی افتتاحی اجلاس میں تقریر کی۔ افتتاحی تقریر کے بعد محفلِ مقالات ہوئی جسمیں پروفیسر سیوا سنگھ (سرینگر)۔ ڈاکٹر دلجیت سنگھ (جموں)، ڈاکٹر ڈی، پی سنگل (جالندھر) اور پروفیسر گُرچرن سنگھ گلشن نے اپنے مقالات پڑھے۔ ڈاکٹر آر، ایل آہوجہ، (جالندھر)، ڈاکٹر ایم، پی کوہلی (پٹیالہ) اور ڈاکٹر جگ تار (ہوشیارپور) کو بھی مختلف موضوعات پر مقالات لکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ مقالات موصول ہوئے تھے مگر یہ لوگ کانفرنس میں اپنے مقالات نہیں پڑھ سکے۔

کہانی گوشٹھی

یہ نشست ۱۳ ار فروری سنہ ۱۹۸۲ء کو دوپہر کے بعد ہوئی جسکی صدارت ڈی، سی پرشانت، پروفیسر این، ڈی، شرما اور پروفیسر سیوا سنگھ نے کی۔

اس اجلاس میں جن کہانی کاروں نے اپنی کہانیاں سنائیں اُن کے اسمائے گرامی ہیں:-

پروفیسر سُجان سنگھ (گرُرداسپور)۔ شری جسونت سنگھ وردی (کپورتھلہ)۔ شری پریم پرکاش (جالندھر)۔ شری خالد حُسین شریمتی سکھبیر کور (جموں)۔ شری ایچ۔ ایس ساگر (سرینگر)۔ شری کنول کشمیری (سرینگر)

شری بھوپندر سُودن (جموں)۔ شری کے، ڈی مینی (پونچھ)

شری پریم سنگھ ناموافق موسم کی وجہ سے جموں تشریف نہیں لا سکے۔

کوی دربار

کانفرنس کا اختتامی اجلاس کوی دربار سے ہوا۔ اس کی صدارت پروفیسر سُجان سنگھ نے کی اور مندرجہ ذیل شعراء نے اس میں شرکت کی۔

۱۔ شری جسونت سنگھ راہی (ڈیرہ بابا نانک) ۔ ۲۔ شری ڈی سی منبگلانی (روہتک ہریانہ) ۔ ۳۔ پروفیسر مشتاق وارثی (مالیر کوٹلہ) ۔ ۴۔ پرنسپل تخت سنگھ (پنجاب) ۔ ۵۔ شریمتی سُرجیت ساکھی (جموں) ۔ ۶۔ شری ٹھاکر سنگھ زخمی (پلوامہ) ۔ ۷۔ شری کے، ایس انقلابی (بارہ مولہ) ۔ ۸۔ شری سربندر سیرت (سنگل) ۔ ۹۔ شری مان بھارگو (جموں) ۔ ۱۰۔ شری درشن سنگھ اکالی (پونچھ) ۔ ۱۱۔ شری کے، ایس کسالی (جموں) ۔ ۱۲۔ شری سُمیر سنگھ مستانہ (بارہ مولہ) ۔ ۱۳۔ شری ہرچیرن سنگھ مہر (جموں) ۔ ۱۴۔ شری ایچ، ایس رہبر (جموں) ۔ ۱۵۔ شری یو، ایس مہک (جموں) ۔ ۱۶۔ شری اوتار سنگھ چندن (سرینگر) ۔ ۱۷۔ شری کے، کے شبلکھر (کالاکوٹ) ۔ ۱۸۔ بھائی جگدیو سنگھ دت (پونچھ) ۔ ۱۹۔ شری بشیر احمد بشیر (جموں) ۔ ۲۰۔ شری دلیش راج دنیش (جموں) ۔

مندوبین۔

مندرجہ ذیل ادیبوں نے کانفرنس میں مندوبین کے طور پر شرکت کی:۔

۱۔ شری البشر سنگھ عطری۔ شری جگدیش سنگھ (جالندھر) ۔ شری جاگیر سنگھ جگتار (بارہ مولہ) ۔ شری سوہندر سنگھ ببیر (امرتسر) ۔ شری انجمن قادری (مالیر کوٹلہ) ۔ شری کنور امتیاز (کپورتھلہ) ۔ شری ایچ، ایس جاچک (نوشہرہ) ۔ شری دلجیت سنگھ (راجوری)

ڈاکٹر منجیت (اکھنور)۔ شری وی۔ای۔ دِل (آر۔ ایس پورہ) •

شری آر۔ ایس مُکت (جموں)۔ شری دیدپال دیپ (جموں) •

شری بلراج پوری (جموں)۔ شری دینو بھائی پنت (جموں)۔ شری سرن سنگھ (سرینگر)۔

چند مشاہدین پونچھ، سرینگر اور جموں سے سڑک بند ہونے کی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے۔

عصرانہ

کلچرل اکیڈمی کے سیکریٹری نے کہانی گوشٹھی کے اختتام پر کانفرنس میں شرکا کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔

•

لداخی ادیبوں کی کُل ہند کانفرنس

لداخی ادیبوں کی پہلی کُل ہند کانفرنس ۵ر اور ۶ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو سرینگر کے (ٹیگور ہال) میں ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے کیا۔ وزیرِ سیاحت و خاطر تواضع صنم وانچُک نے بھی کانفرنس سے خطاب کیا۔

کانفرنس میں مندرجہ ذیل ادیبوں نے مختلف موضوعات پر مقالے پیش کئے :۔

۱۔ یئزلو برانگ ژھوانگ	لداخی زبان اور ادب
۲۔ شری پھا لیس پالدن	لداخ کی لوک روایات
۳۔ شری تاشی پھُن زگ زھدے	لداخی شاعری میں نئے رجحانات
۴۔ شری تاشی ربگیاس	لداخ کی تاریخ اور ثقافت کی خصوصیات
۵۔ شری گرگن کُنچگ صونم	لداخ اور کشمیر میں بدھ مت۔ ایک مطالعہ
۶۔ جناب عبدالغنی شیخ	لداخ کی زندگی، تمدن اور تاریخ پر اسلام کے اثرات۔
۷۔ شری جنیانگ گیالسن	لداخی فن
۸۔ شری ژھانگ دورجے	لداخی رقص اور موسیقی
۹۔ شری ژھانگ رگزن	آزادی کے بعد لداخ میں تھیٹر تحریک

۶ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو حسبِ ذیل لداخی شعرا نے مشاعرے میں شرکت کی :۔

۱۔ شری ژھانگ رگزن۔ ۲۔ شری تاشی ژھومو شریمتی بنگزن ڈولما

۴۔ شری تھوپسن جان پھان۔ ۵۔ تھوپس چھوتنگ

۶۔ شری ژھرنگ نربو۔ ۷۔ شری بیچوک ژھرنگ

۸۔ شریمتی ینگ چک پالکت۔ ۹۔ شری عبد الحمید

۱۰۔ شری سمان سلا چلتن۔ ۱۱۔ شری ناشی دورجے

لداخی کلچرل ٹروپ کے ارکان، شہر سرینگر میں مقیم لداخیوں اور طالب علموں کے علاوہ حسبِ ذیل لوگ مشاہدین کے طور پر کانفرنس میں موجود تھے۔

۱۔ شری آخون محمد رضا ۔۲۔ جناب غلام رسول گلوان ۔۳۔ شری اے، جی ستوپدن ۴۔ شری پھنچک ستوپدن ۔ ۵۔ شری ژھرنگ ستوپدن ینپا۔ ۶۔ شری ناشی وانگیل نیمو ۔ ۷۔ شری ژھوانگ رگزن لکرک۔ ۸۔ شری ناشی نربو ۔ ۹۔ شری ژھرنگ دورجے ۔ ۱۰۔ شری ژھرنگ گومبو۔ ۱۱۔ پروفیسر پی، این۔ پشپ ۔ ۱۲۔ پروفیسر فدا محمد حسنین ۔۱۳۔ جناب محمد امین پنڈت

۶ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو شام کے چھ بجے سیکریٹری کی طرف سے مندوبین، ادیبوں، فنکاروں اور دوسرے معززین کے اعزاز میں ٹیگور ہال کے باغ میں ایک عصرانہ دیا گیا۔

لداخی کلچرل ٹروپ کا پروگرام شری سومناتھ سادھو کے تئیں خراجِ عقیدت کے طور پر منسوخ کیا گیا۔ شری سادھو ۵ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو دہلی میں انتقال کر گئے تھے۔

•

لل دید پر قومی سیمنار

سال ۸۱-۱۹۸۰ء میں ساہتیہ اکادمی نے چودھویں صدی عیسوی کی عظیم شاعرہ کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے ۲۸ر اکتوبر کو سرینگر کے کالیج آف ایجوکیشن میں ایک سیمنار کا اہتمام کیا جسکا موضوع تھا "آج کے دور میں بھگتی کی مناسبت"۔ سیمنار میں جن لوگوں نے اپنے مقالات پڑھے، اُن میں اوماشنکر جوشی، پروفیسر جیالال کول، پربھجوت کور۔ تیل کنٹھ ستگھ۔ پروفیسر کے۔ این۔ در اور جناب محمد یوسف ٹینگ شامل تھے۔ اس سیمنار کو منظم کرنے میں ساہتیہ اکادمی کو ریاستی اکادمی کا اشتراک حاصل تھا۔

یہ سیمنار دراصل اُن تقریبات کی ہی توسیع تھا جن کا اہتمام کلچرل اکادمی نے سال لل دید کے دوران کیا۔ کلچرل اکادمی کی سرگرمیوں سے تاثر لیکر ہی ساہتیہ اکادمی نے لل دید پر قومی سیمنار کے انعقاد کا فیصلہ کیا تھا۔ سال لل دید کے دوران جہاں اکادمی نے سیمنار اور شاعرے منعقد کئے اور مختلف زبانوں میں شایع ہونے والے 'شیرازہ' کے خصوصی نمبر شایع کئے وہاں لل دید کے واکیوں کا پنجابی ترجمہ پہلی بار شایع کیا گیا۔

•

شیخ العالم قومی سیمنار

ساہتیہ اکادمی دہلی نے کلچرل اکادمی کے اشتراک سے ۲۵ ر ۲۶ ر

اکتوبر سنہ ۱۹۷۹ء کو سری نگر کے کالج آف ایجوکیشن میں ایک سیمنار کا اہتمام کیا۔

جسمیں مختلف زبانوں اور علاقوں کے ادیبوں نے شرکت کی۔ شیخ العالم کی یاد میں

منعقد کئے گئے اِس سیمنار میں وسطی دور میں ہندوستانی شاعری میں سیرت

کے موضوع پر ممتاز لوگوں نے مقالے پڑھے۔ سیمینار کا خطبۂ صدارت

ساہتیہ اکادمی کے صدر شری اوما شنکر جوشی نے پڑھا۔

سیمنار کا افتتاح جناب شیخ محمد عبداللہ نے کیا اور اُنہوں نے اِس بات

پر حیرت کا اظہار کیا کہ مرکزی وزارتِ ڈاک و تار نے ابھی تک حضرت شیخؒ کا

یادگاری ٹکٹ جاری نہیں کیا۔

سیمنار میں جن لوگوں نے اپنے مقالے پیش کئے اُنکے اسمائے گرامی

اِس طرح ہیں:-

۱۔ میگھ راج موکل (راجستھانی ۔ ۲۔ آر۔ اے۔ دیش پانڈے انل (مراٹھی)

۳۔ کے ایاپا ۔ پانیکر (ملیالم) ۔۴۔ نرنجن بھگت (گجراتی)

۵۔ جسٹس ایس۔ مہاراجن (تامل) ۔۶۔ مہیشر نیوگ (آسامی)

۶۔ بی۔ کے ایڈوانی (سندھی)۔ ۸۔ پربھجوت کور (پنجابی)

۹۔ پروفیسر پی ۔ این پُشپ (کشمیری) ۔۹۔ محمد یوسف ٹینگ

حضرت شیخ کے شلوکوں پر مبنی مصوری کے نمونوں کی نمائش کا

اہتمام کلچرل اکادمی نے اِس قومی سیمنار کے ایک حصّے کے طور پر اِس موقع پر

کیا تھا جو کالج آف ایجوکیشن میں منعقد ہوئی۔

•

مُصنّفوں کو مالی امداد

اکادمی کا آیئن مصنفوں کو اُنکی تصنیفات چھاپنے کی غرض سے مالی امداد فراہم کرنے کی سفارش کرتا ہے ۔ اِس سکیم کو ۱۹۶۵ء میں لاگو کیا گیا تھا۔ اور آج تک اِس کے تحت ۳۲۵۷۵۴ روپے مختلف ادیبوں کو اپنے مسودے چھاپنے کیلئے امداد کے طور پر دیئے گئے۔ اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری بن جاتا ہے کہ اکادمی ریاست میں مختلف زبانوں میں چھاپ کی جانے والی کتابوں میں سے تقریباً ۹۵ فیصدی کتابوں کیلئے مالی امداد فراہم کرتی ہے ۔
اب تک جن کتابوں کیلئے اکادمی نے مالی امداد دی ہے، اُنکی تفصیل یوں ہے :-

ڈوگری

عنوان	مُصنّف	مالی امداد کی منظوری
نند اولی	شری آر۔ این شاستری	415 - 00 روپے
اِک بندگی ترسے پنچھی	شری ٹی۔ این المست	160 - 00 روپے
لِکھ لیہاری	شری آر۔ این شاستری	270 - 00 روپے
تھرمارا ز	شری این۔ ڈی جموال	390 - 00 روپے
پہلا پھُول	شری بی۔ پی ساتھی	256 - 00 روپے
ڈگردا جیون درشن	شری وشوا ناتھ کھجوریہ	650 - 00 روپے
بھاو چویل	شری پریم دیو جموال	200 - 00 روپے
ساہتیہ چرچہ	شری لکشمی نرائن	345 - 00 روپے
سجاری پھُول	شری موہن لال سپولیہ	420 - 00 روپے
خالی گود	شری بی۔ پی ساتھی	400 - 00 روپے

میری کویتا میرے گیت	شریمتی پدما سچدیو	۷۰۰ روپے
پنچ پرمیشور	شری پورن سنگھ پورن	۳۰۰ روپے
گورکی دی کتھن نی لیکھ	انڈو سوویٹ کلچرل سوسائٹی	۵۰۰ روپے
مان	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍	۷۵۰ روپے
باٹل باست	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍	۳۵۰ روپے
میکبتھ	شری سنیہ پال شری وانتوا	۴۵۰ روپے
شاما جلے کی دھرکی	شری این۔ڈی۔جموال	۳۶۰ روپے
سیہاراں	شریمتی شکتی شرما	۴۲۰ روپے
سپتک	شری وشوا ناتھ کھجوریہ	۷۵۰ روپے
ڈوگری کوی چرچا	شریمتی چمپا شرما	۵۶۰ روپے
ڈوگری لیکھ مالا	شری لکشمی نرائن	۸۰۰ روپے
کتھا کیاری	شری جیتندر شرما	۵۰۰ روپے
نو کہانیاں	شری نریندر کھجوریہ	۵۶۰ روپے
دُھوپ چھاں	شری چرن سنگھ	۵۲۰ روپے
کویتا کیاری	شری رام لال شرما	۳۲۰ روپے
تین آوارہ	شری اونکر سنگھ آوارہ	۵۴۰ روپے
ننداولی	شری کیدار ناتھ شاستری	۹۰۰ روپے
پھول بناڈالی	شری وانس وِکال	۲،۰۰۰ روپے
اندر دھنک	شری رام لال شرما	۴۲۰ روپے
اَنا یُگ	شری آر۔این شاستری	۶۰۰ روپے
پنج رنگ	شری جیتندر شرما	۴۵۰ روپے

شریمد بھگوت گیتا	شری چکر دھر شاستری	۰۰ - ۵۶۰ روپے
چیٹی	شری گوتم شرما	۰۰ - ۴۲۰ روپے
ہِت اُپدیش	شری ہری ونش چوپڑا	۰۰ - ۶۰۰ روپے
مین دی لو	پنڈت کیدار ناتھ مصرا	۰۰ - ۴۰۰ روپے
مین دا پاپ	شری شنکر داس شرما	۰۰ - ۴۲۰ روپے
بد ماتا دی لیکھ	شری کِشن داس دُبے	۰۰ - ۵۴۰ روپے
نیا نداولی	شری شام لال شرما	۰۰ - ۲۵۰ روپے
بیری نیتنا	کماری سُدیش شرما	۰۰ - ۶۶۰ روپے
ہر کھی دِیا	شری بسنت رام	۰۰ - ۳۰۰ روپے
تمن نندھ	پروفیسر بلدیو سنگھ	۰۰ - ۵۵۰ روپے
چوتوی ڈوگری کہانیاں	شری مدن موہن	۰۰ - ۶۰۰ روپے
دھرتی دارِن	شری آر۔ این شاستری	۰۰ - ۸۷۵ روپے
گیتن دی سیر	شری کانت برتوش	۰۰ - ۲۶۶ روپے
بنیم رنگ	شری نر بیندر کھجوریہ	۰۰ - ۶۷۵ روپے
ہتیری راستے چنان ہے	شری کے۔ ایس جیندراہیہ	۰۰ - ۵۶۰ روپے
شوکھا بارُود	شری او۔ پی۔ شرما	۰۰ - ۶۲۴ روپے
کِتش کندی کِتش کالیاں	شری جگن ناتھ	۰۰ - ۳۱۰ روپے
بہاران دی آکھرو	شری گوتم شرما	۰۰ - ۴۲۴ روپے
سوتا تی سوار اتھ	شری جیتندر شرما	۰۰ - ۵۸۵ روپے
پاپیہی دی پُکار	شری رام لال پپیہا	۰۰ - ۴۵۰ روپے
جِس اِلے نرا پپیا	شری لشواری لال گپتا	۰۰ - ۵۵۰ روپے

بادبیس	شریمتی شکنتلا شرما	۲۸۰۔۰۰ روپے
کوراج	شری این۔ڈی۔ جموال	۷۰۰۔۰۰ روپے
اِک ڈایری دی موت	شری کلدیپ سنگھ	۳۵۰۔۰۰ روپے
دیکھنی علی اکھ نائے	شری جوگہ رام ساتھی	۳۵۰۔۰۰ روپے
دوُدھ، لہو، زہر	شری ورن موہن	۶۲۰۔۰۰ روپے
سپج موتی	شری منشی رام	۳۱۵۔۰۰ روپے
پرشنیم	شری بندھو شرما	۴۳۲۔۰۰ روپے
رینگ دی پیر	شری کلبُوشن چندر	۴۹۰۔۰۰ روپے
نظر اپنی اپنی	شری چنچل شرما	۴۲۰۔۰۰ روپے
کوُنج کنارن	شری شیورام دیپ	۵۳۰۔۰۰ روپے
باواجتو جیون تی کارک	شری آر۔این شاستری	۵۸۰۔۰۰ روپے
پرنان	شری او۔پی شرما	۴۰۰۔۰۰ روپے
ناپوداآدمی	شری چھتر پال	۴۲۰۔۰۰ روپے
بدنامی دِی چھان	شری آر۔این شاستری	۵۰۰۔۰۰ روپے
کھیتیاں	شری اشوتی مگوترہ	۳۰۰۔۰۰ روپے
دھرن دِی آلی	شری لبِش داس ڈُبے	۳۰۰۔۰۰ روپے
نہری دا سمندر	شری اوم گوسوامی	۵۸۰۔۰۰ روپے
دھرن تی پھوہرن	شری دُونی چند شرما	۵۸۰۔۰۰ روپے
نریندر درپن	ڈاکٹر وید کماری گھئی	۴۷۵۔۰۰ روپے
ترچولی	شریمتی سنتوش کھجوریہ	۵۱۵۔۰۰ روپے
آن ہر بادا	شری این ڈی جموال	۴۵۰۔۰۰ روپے

پنجا رنگ	شری دیورتن شاستری	۔۔۔ ۴۹۰ روپے
ہری دی لڈو	ڈاکٹر سنسار چند	۔۔۔ ۴۰ روپے
چل منی دیا موجیا	شری آر۔ این شاستری	۔۔۔ ۵۰۰ روپے
پھیکا امرت مِٹھا زہر	” ” ”	۔۔۔ ۴۲۵ روپے
بنجاری	شری جیتندر اُودھم پوری	۔۔۔ ۳۷۵ روپے
چندراولی	کُماری سُریا ساتھی	۔۔۔ ۱۳۰۰ روپے
کھِرلی بُوند	شری اشونی منگوترہ	۔۔۔ ۳۸۰ روپے
ڈوگری ستیہ دا اتہاس	شری شیوناتھ	۔۔۔ ۱۵۲۵ روپے
سرگم	شری رام لال شرما	۔۔۔ ۴۶۵ روپے
اپنے پرائے	شری دنیش کھجوریہ	۔۔۔ ۶۵۰ روپے
جھلکدیاں کرناں	شری رام ناتھ شاستری	۔۔۔ ۶۵۰ روپے
جرمن لوک کتھن	شری رام کرشن شاستری	۔۔۔ ۷۵۰ روپے
پھُوہراں	شری پردومان سنگھ	۔۔۔ ۶۰۰ روپے
یاترو	شری مدن موہن شرما	۔۔۔ ۹۷۰ روپے
سوادلیاں کہانیاں	شری خوشی رام شرما	۔۔۔ ۷۵۰ روپے
پھُول باریتی دا	شری ست پال سھرا	۔۔۔ ۵۰۰ روپے
لہراں	شری اشونی منگوترہ	۔۔۔ ۵۵۰ روپے
سہراتی تُو	شریمتی کانتا بھنوترہ	۔۔۔ ۶۶۵ روپے
نیند ھا سُشما	شری بندھو شرما	۔۔۔ ۷۰۰ روپے
نوی تی چینن	شریمتی پدما سچدیو	۔۔۔ ۸۰۰ روپے
سُرتال	شریمتی کرشنا شرما	۔۔۔ ۷۰۰ روپے

کتاب	لکھاری		انعام
کنگری	شری چیٹرپال	...	۷۰۰ روپے
مین ملی دا جنون	شری کے۔ این مدھوکر	...	۶۲۰ روپے
میری چیتن دی سوُرج مکھی	شری جینندر اُودھمپوری	...	۵۴۰ روپے
انگاری دی لو	شری مدن موہن شرما	...	۷۲۰ روپے
ڈوگری کاویا ویوچان	شریمتی چمپا شرما	...	۴۴۰ روپے
سنجھی دھرتی باکھلی ماتو	شری این۔ ڈی جموال	...	۱۷۰۰ روپے
چینانی دا سیک	شری این۔ ڈی۔ جموال	...	۱۵۵۰ روپے
سمبل اس کلی دی	شری وی۔ آر کھجوریہ	...	۱۰۵۰ روپے
ڈگر دھرتی	ڈاکٹر چمپا شرما	...	۶۰۰ روپے
کل بُھد	شری آر۔ این شاستری	...	۷۰۰ روپے
جادُن درف پاندی اے	شری نریندر شرما	...	۱،۰۰۰ روپے
پنچان	شری ستیہ پال	...	۸۰۰ روپے
لوہی دیاں فینگران	شری سی۔ ایل اروڑا	...	۵۵۰ روپے
بگل دا تاج محل	شری او۔ پی شرما	...	۸۰۰ روپے
اُس لوک	شری موہن سنگھ	...	۶۵۰ روپے
کاچ	شریمتی شانتا شرما	...	۷۵۰ روپے
ٹھنڈیاں دھرن مکری انگارے	شری وشنو بھاردواج	...	۱،۰۰۰ روپے
اک پرشمادلی دا	شری مدن موہن	...	۸۲۹ روپے
میری مٹی دی کھٹولی	شری سریندر پال	...	۱۱۶۵ روپے

پریم داسں	شری رام لال پپیہا	... ۶۶۱ روپے
قیدی	شری دیش بندھو ڈوگرہ	... ۳۱۷۵ روپے
گیلا بالن	شری وریندر کیسر	... ۶۶۱ روپے
ٹرمیان	شری پرکاش پریمی	... ۸۲۹ روپے
چاسر	شری این، ڈی جموال	... ۱۱۶۵ روپے
اِک شہار یادان دا	شری جیتندر اُودھمپوری	... ۷۷۹ روپے
کالنزان	شری سُدرشن رتن پوری	... ۸۳۵ روپے
بنجاری	شری مدن موہن	... ۱۱۵۳ روپے
نیل کنٹھ	شری وشوا ناتھ کھجوریہ	... ۱۲۷۶ روپے
میری بستی میرے لوک	شری اشونی منگوترہ	... ۶۶۷ روپے
کاکابی	شری دینو بھائی پنت	... ۷۵۴ روپے
جمالن دی کیکٹس	شری شیو رام دیپ	... ۶۶۷ روپے
آنسیان	شری شیو کھجوریہ	... ۵۸۱ روپے
کالا سُورج	شری موہن سنگھ	... ۶۵۰ روپے
کانی برسانت	شری نرسنگھ دیو جموال	... ۲۰۵۰ روپے
کاسی سناتان	شری کنوار ویوگی	... ۱۲۵۰ روپے
اہلری دامہو	شری جگدیپ ڈُبے	... ۶۰۰ روپے
بھاو پُوپیل	شری شیو رام پریمی	... ۶۵۰ روپے
ہرکائی دیئے	شری گوگہ رام ساتھی	... ۱۰۵۰ روپے
کُنگلی بیار کھردی پھُول	شری ٹھرو رام منگوترہ	... ۶۵۰ روپے

ہندی

عنوان	مُصنّف	مالی امداد کی منظوری روپے
بُدھ اور شانتی	شری اوم پرکاش گپتا	۲۳۰
سنطور کی سوار	شری چمن لال سپرو	۳۰۲
سیما کا پنچھی	شری شنکر داس شرما	۳۵۰
پرتیدان	شریمتی اوشا ویاس چھاوی	۴۷۰
بِن موتی کے سیپ	شری سُبھاش بھاردواج	۴۷۵
سپنا پران	شری سُبھاش بھاردواج	۵۴۰
جموں کشمیر میں ہندی	شری پی۔ این رازدان	۱۰۰۰
رشی پیر کا جیون چیرت	شری رگھوناتھ دھر	۲۳۰
دیکھتی آکاش آنکھیں	شری سُتنیکتال آنندام	۳۲۰
لہر لہر ہار بنیا ناچ	شری اوم پرکاش گپتا	۳۲۰
شیوالوک کا ویا	شری برہمچاری شیو پرشاد ترپاٹھی	۶۰۰
نیا گئون	شری بال کرشن چوہان	۳۲۴
کسی سے نا کہنا	شری چنچل شرما	۴۴۰
اُپاسنا	شری پریم ساگر بھیتی	۵۴۰
لکشیاہین	شریمتی سنتوش کول	۳۷۰
جیون کا سپارش	شری نند گوپال باوا	۵۰۰
بھیم	شری پی۔ ڈی ہانس	۱۰۰۰
کرشنا میرا پریایا	شری موہن تراش	۴۲۰

کتاب	مصنف		قیمت
کانگڑہ کا لوک ساہتیہ	شری۔ او۔ پی شرما	.. ـ	۶۳۰ روپے
کشمیری اور ہندی لوک ساہتیہ	ڈاکٹر۔ جی۔ این ہنڈو	.. ـ	۲۱۰۰
ارچنا	شری پریتم کرشن	.. ـ	۳۶۰
دھند ھلکی	شری دیدار سنگھ	.. ـ	۵۱۰
ہیںیان	شری بال کرشن چوہان	.. ـ	۵۴۰
بھدلاہی شکشا	شری مدھولال پادا	.. ـ	۳۰۰
کھُلی کامری بند دیوار	شری رمیش مہتہ	.. ـ	۴۰۰
بھدرواہی اور اِشالوک ساہتیہ	شری پریتم کرشن	.. ـ	۴۰۰
خوشبو کا دھواں	شری شیو رینہ	.. ـ	۴۶۰
ہندی ڈوگری پرا پرتیا	شری اوم پرکاش گپتا	.. ـ	۱۹۰۰
کھویا چہرہ	شری پرتھوی ناتھ مدھوپ	.. ـ	۳۰۰
کشمیر شایا درشن	ڈاکٹر بلجی ناتھ پنڈت	.. ـ	۵۲۰ روپے
نو کا کا اتہاس	شری ایس۔ کے شرما	.. ـ	۴۵۰
شکایت	شری وِجے کمار کھجوریہ	.. ـ	۱۳۲۰
پراشن تُمسے	شری آدرش ہیبوش	.. ـ	۴۹۰
گرو سدھنت پر تجت آتنک	شری رام کرشن شاستری	.. ـ	۱۰۰۰
چوراہی پار کھید یارہ چہرے	شری جواہر رینہ	.. ـ	۶۰۰

نوی کی آر پار	شری نرمل ونود	۷۵۰-۰۰ روپے
لوک ساہتیہ	شری پریتم کرشن	۱۱۵۰-۰۰
بنگا وادھو	شری سادھو سنگھ سینھی	۵۱۰-۰۰
مینیاواد کی پچیسیا اور بھارتیہ پر میرا	شری دیوراج پالی	۵۲۵-۰۰
نئی کہانی کی سندھاری میں ڈوگری کہانی	شری اوم پرکاش گوسوامی	۸۰۰-۰۰
بابر کی بیٹھکوں میں	شری نرمل ونود	۶۰۰-۰۰
بھگو کے دروازے	شری سُبھاش بھاردواج	۵۰۰-۰۰
سُچان کی کھوج	شری او۔ پی گُپتا	۳۴۰-۰۰
ادھوری کہانی کا ہیرو	شری انیل سہگل	۶۰۰-۰۰ روپے
ڈاکٹر اور راجنتگیا	شری ناپان مہاجن	۳۴۰-۰۰
کشمیری للیت کلائیں اُدبھیو اور وِکاس	شری اوتار کرشن رازدان	۱۲۰۰-۰۰
آوازوں کی جنگل میں ندی کی دویپ	شریمتی چینچل شرما	۷۲۰-۰۰
چندر بھگا کی تانورتی پاروتی بولیاں	شری پریتم کرشن	۷۰۰-۰۰
الانکارن کا منو ویگیانک ادھایاین	ڈاکٹر سنسار چندر	۱۵۰۰-۰۰
پشا پادی	شری دیورتن شرما	۶۵۰-۰۰

مانو بھنڈاری کی کہانیاں اِک ادھیان	کماری انیل گوئل	۸۰۰ - ۰۰ روپے
یہ تصویریں	شریمتی راج بھالا	۵۰۰ - ۰۰
دِیوِن ثابت	شری اے۔این رینہ	۴۵۰ - ۰۰
دھدرواہ اور بھدرواہی	شری مدھولال پادھا	۱۰۰۰ - ۰۰
ڈُوبے ہوئے سُورج کی تلاش	شری اشوک کمار	۸۰۰ - ۰۰
اودانا سانگرایا	ڈاکٹر مدھوبالا	۱۳۵۰ - ۰۰
جموں کی یرو ونتریا پرداش کا لوک ساہتیہ	ڈاکٹر پریتم کرشن	۲۱۴۳ - ۰۰
ڈوگری لوک گیتوں میں جھُولا اور ڈولا۔	شری آر۔این شاستری	۱۱۱۵ - ۰۰
ٹوٹی کشتیوں کے سلئے	شری نرمل ونودی	۵۳۶ - ۰۰
ہندی ناٹک ساہتیہ میں جیوادی چیتنا	ڈاکٹر سمیّ گپتا	۲۱۸۹ - ۰۰
آہت چتر سن	شری اشوک جراتھ	۵۶۱ - ۰۰
جانے انجانے	شری وِشنو بھاردواج	۷۴۹ - ۰۰
اِس بار شاید	شری مہاراج سنتوشی	۵۸۱ - ۰۰
آخری پانے	شری ایس۔کے شرما	۸۴۵ - ۰۰
بارہ کہانیاں	شری اوم گوسوامی	۱۳۲۰ - ۰۰
چیری کے پھول	شری اشوک جراتھ	۶۷۵ - ۰۰

ہڈیوں کے تاج محل	شری مہاراج کے سنتوشی	۰۰-۹۲-۴ روپے
واسو کی پُہران	شری پریتم کرشن	۰۰-۱۶۶۴
سواتنتر ویاترا کہانی ہیں		
ناری کی سماجک بھومیکا	کماری انیل گوئل	۰۰-۳۷۷۰
جاوالیون کی تلاش	ڈاکٹر آدرشش	۰۰-۶۰۰
سپن مالا	کماری سریتا شرما	۰۰-۶۰۰
سانپ میرے ساتھی ہیں	شری راجکمار	۰۰-۷۱۰
ساکشی سندھیوں کے	شری نرمل ونود	۰۰-۸۰۰
جموں کشمیر کا کتھا آنچل	شری ایس۔ کے کول	۰۰-۹۳۰
ڈوگرہ کی لوک کتھاین	شری شیو نرموہی	۰۰-۲۱۷۵
اندھیرے سے اندھیرے تک	ڈاکٹر ششی شیکھر توشخانی	۰۰-۷۰۰

پنجابی

عنوان	مُصنّف	مالی امداد کی منظوری
کنک دے گُلاب	شریمتی سکھبیر کور	۲۰۰ - ۰۰ روپے
مہکا دے دھرتی	شری جسونت سنگھ رہبر	۲۵۰ - ۰۰
کیبن بین	شری ٹھاکر سنگھ زخمی	۲۵۰ - ۰۰
نیلا امیر چٹی تنیری	شری کمل کشمیری	۲۵۵ - ۰۰
لشن داساگر	شری اُجاگر سنگھ مہک	۲۵۵ - ۰۰
اُڈیک	شری پریتم سنگھ گیانی	۳۷۵ - ۰۰
پیدیاں تارن	شری راشپال سنگھ بالی	۴۵۰ - ۰۰
کالیاں رتن	شری گرچرن سنگھ گلشن	۳۲۰ - ۰۰
درد دلاں دی	شری مان سنگھ بھارگو	۲۲۰ - ۰۰
سنت درشن	شری پریتم سنگھ گیانی	۳۵۰ - ۰۰
اُس تی بدلہ لائی لیا	شری اُجاگر سنگھ سُدھن	۳۵۰ - ۰۰
کارساچ	شری اُجاگر سنگھ سُدھن	۸۰۰ - ۰۰
سنگھرش	شری مان سنگھ بھارگو	۴۸۰ - ۰۰
کشمیر دی پنجابی ساہت		
تن دین	کماری سنجیت کور وزیر	۴۸۰ - ۰۰
پگڈنڈیاں دی بھالیکھی	شری دیدار سنگھ	۵۴۰ - ۰۰
بٹ بولدی یاں	شری گلشن سنگھ گلشن	۴۰۰ - ۰۰
کشمیر میرا اسپن دیش	شری درشن سنگھ آوارہ	۴۳۰ - ۰۰

کالے چِٹّے وال	شری بھوپندر سنگھ	۳۰۰ روپے
گورونانک کا وچار		
نتی دا سنکلاپ	شریمتی راج کور رینہ	۷۵۰
پاپ دی جانچ	شری سرن سنگھ	۳۵۰
نویں نظرانے	پروفیسر پریم سنگھ	۵۵۰
اِک ہور اسا	شری بھوپندر سنگھ سُدھن	۴۹۰
بھائی وِیر سنگھ دی کویتا وِچ کشمیر	شریمتی راجیندر کور وزیر	۴۹۰
لہار فقیر دی	شری فقیر چند ترموہی	۳۷۵
نواں سویرا	شری اُجاگر سنگھ مہک	۴۲۰
پرچھاواں	شری کیول کرشن شنکر	۳۸۵
میرے رنگ دا پانی	شری بھوپندر سنگھ سُدھن	۵۵۰
اُگھار دی نُوہار	شری کرپال سنگھ	۳۵۰
ٹی جہلم واگدا رہا	شری خالد حُسین	۶۰۰
ساتویں رُت	شری امریک سنگھ سُکھی	۵۴۰
میرا اپا مورے دے	شریمتی چندن نگی	۸۰۰
زندگی دے مار	شری بشن سنگھ	۵۵۰
چِہت گیت	شری چندن نگی	۱۱۰۰
یُوپخ تے پنجابی ساہت	شری جے دیو سنگھ رت	۹۰۰
سمن دیاں سادھرن	شری جوگا سنگھ کاشش	۷۵۰
آرائش اُچھالے	شری اُجاگر سنگھ مہک	۸۰۰

ڈیرے	شری ایچ۔ ایس ساگر	.. ۔ ۸۰۰ روپے
ونجارے	شری بھوپندر سنگھ	.. ۔ ۱۳۵۰

جموں کشمیر دی پنجابی کویتا

اِک ادھیان	شری جی۔ ایس گُلشن	.. ۔ ۱۳۰۰
مانس بیر	شری کرپال سنگھ کسالی	.. ۔ ٦۵۰
انسایات میری نان	شری دیدار سنگھ	.. ۔ ۹۰۰
لکیراں	شری جے۔ ایس کرنی	.. ۔ ٦۵۰
چالان	شری سُربیندر سنگھ	.. ۔ ۵۲۰
کرنان	شری سُرجیت ساکھی	.. ۔ ٦۰۵
ارمانان دے بھمبیر	شری امریک سنگھ ساتھی	.. ۔ ۵٦۷
دُور دی آواز	شری دیدار سنگھ	.. ۔ ۵٦۷
دُوجی کوبتا	ڈاکٹر منوج	.. ۔ ٦۸۱
تناوان	شری اکچو پال	.. ۔ ۵۲۹
سُلچھن	شری ست پرکاش آنند	.. ۔ ۵۳٦
پتیاں گُلاب دیاں	شری جرنیل سنگھ گُلاب	.. ۔ ٦۸۱
کہدے لائی	شری بھوپندر سنگھ سدُھن	.. ۔ ٦۸۱
سکھی ہور چلی	شری جی۔ ایس۔ گُلشن	.. ۔ ۸۵۷
پیاسے اتھرو	شری موہندر سنگھ	.. ۔ ٦۰۵
تماشتراں	شری کلونت سنگھ	.. ۔ ۵۲۴

لنگوسٹک اور سٹرکچرل سٹڈی

آف پنجابی لینگوئج (اِن انگلش آن پنجابی)	شری بلدیوراج گُپتا	.. ۔ ۳۲۵۵

دِل دریا سمندر		
ڈو نگھے	شری وِجے سُمن	۰۰ ۔ ۱۲۱۵ روپے
دِل دے		
بھمبر	شری راج پال سنگھ مستانہ	۰۰ ۔ ۸۹۸
انّو کھارا سس	شری یوگا سنگھ کاشش	۰۰ ۔ ۶۰۵
بلکن دے		
اوہلے	کماری سوارنجیت کور	۰۰ ۔ ۶۴۲
پنجابی لوک ساہت	پروفیسر ہردیو سنگھ کھجوریہ	۰۰ ۔ ۱۳۳۲
پرکارما	شری ڈی۔ ایس۔ اکالی	۰۰ ۔ ۶۵۰

کشمیری

نمبر شمار	عنوان	مصنّف	مالی امداد کی منظوری
۱۔	رباعیاتِ عمر خیام	شری جی۔ این خیالؔ	۵۰۰۔۰۰ روپے
۲۔	گُلریز	شری مرزا عارف	۲۰۰۔۰۰
۳۔	کاشُر گلستان	شری جی۔ آر۔ نازکی	۵۰۰۔۰۰
		(۶۰-۱۹۶۱)	
۴۔	مسدسِ حالیؔ	پروفیسر جی۔ ایم۔ ڈی حاجنی	۵۰۰۔۰۰
۵۔	لوسۍ ہتۍ تارکھ	صوفی غلام احمد	۵۰۰۔۰۰
۶۔	آدم چھُ بیٖخھ بدنام	شری بنسی نردوش	۵۰۰۔۰۰
		۶۲-۱۹۶۳ء	
۷۔	کاشِری منار	شری جی۔ این خیالؔ	۷۰۰۔۰۰
۸۔	زولانہٕ	شری مظفر عازمؔ	۵۰۰۔۰۰
۹۔	شبنمُ شار	شری سی۔ ایل چمنؔ	۵۰۰۔۰۰
		۶۳-۱۹۶۴ء	
۱۰۔	شمعِ وطن	فاضل کشمیری	۳۰۰۔۰۰
		۶۴-۱۹۶۵ء	
۱۱۔	کتھِ منز کتھ	امین کامل	۴۰۰۔۰۰
۱۲۔	کوٚتہٕ پٔژو	امین کامل	۴۰۰۔۰۰
۱۳۔	چشمہ تر	فاضل کشمیری	۳۰۰۔۰۰
۱۴۔	یوشہِ گوٗتد	سدرشن کاشکاری	۲۵۰۔۰۰
۱۵۔	شب گرِد	واسدیو ریہہ	۴۰۰۔۰۰

۱۶- ژے گبر	او۔این۔در	۳۰۰۔۰۰ روپے
۱۷- ژوٚک موٚدُر	شنکر رینہ	۴۵۰۔۰۰
۱۸- کأشرِ یک علاقہٕ واد پھیر	ٹاک زینہ گیری	۹۰۰۔۰۰

۶۵-۱۹۶۶

۱۹-

۱۹- کاروان	فاضل کشمیری	۲۲۰۔۰۰
۲۰- کھوُٹ	رحمان راہی	۴۹۰۔۰۰
۲۱- جُولیس سیزر	ناجی مُنوّر	۲۶۰۔۰۰
۲۲- بیربل	پروفیسر ایس۔ایل سادھو	۲۳۰۔۰۰
۲۳- بے سوکھ روٗح	غلام رسول سنتوش	۲۶۰۔۰۰
۲۴- روُح القرآن	حکیم غلام نبی	۲۲۰۔۰۰
۲۵- سُرور وشعور	دوارکا ناتھ در	۲۱۰۔۰۰
۲۶- موٚڈرِ خاب	ایم۔ایل ساقی	

۷۶-۱۹۶۷ء

۲۷- پژشیٖچھ	سیّد شمس الدین غمگین	۲۲۵۔۰۰
۲۸- سَتھ سوٚدر	غلام نبی بابا	۲۲۵۔۰۰
۲۹- ٹُوماسٹرس	جانکی ناتھ بخشی	۳۹۰۔۰۰
۳۰- مچامہٕ	شری پُشکر بھان	۴۵۰۔۰۰
۳۱- شُسیا	شری علی محمد لون	۳۰۰۔۰۰
۳۲- کأشرِ	شری موتی لال ساقی	۴۵۰۔۰۰

۶۷-۱۹۶۸

۳۳- گُل ریز	غلام رسول سنتوش	۲۴۰۔۰۰

۳۴۔	شیشہجار	سجود سیلانی	۲۱۰ – ۰۰ روپے
۳۵۔	وینھ چھیے وُہان	ایس۔ایل سادھو	۲۶۰ – ۰۰
۳۶۔	مینا	جے۔ایل۔کول	۲۰۰ – ۰۰
۳۷۔	بیاضِ خاموشی	عبدالجبار خاموش	۲۴۰ – ۰۰
۳۸۔	دُبراے	مشعل سُلطانپوری	۲۶۰ – ۰۰

۱۹۶۷ – ۶۸ء

۳۹۔	مثِیل	شری غلام نبی گوہر	۴۵۰ – ۰۰
۴۰۔	تژُ نوو	شری موتی لال کیمو	۳۲۰ – ۰۰
۴۱۔	پوشنۍ ٹوری	شری پی۔این کول	۳۰۰ – ۰۰
۴۲۔	کیوٗپڈ تہٕ سایکی	شری نند لال چٹا	۳۰۰ – ۰۰
۴۳۔	یدِس پوٗد ژھاے	شری محمد امین کامل	۳۲۰ – ۰۰

۱۹۶۹ – ۷۰ء

۴۴۔	ایحساس	پروفیسر ایس ایل سادھو	۲۶۰ – ۰۰
۴۵۔	تقدیر	شری محمد سُبحان بھگت	۵۲۰ – ۰۰
۴۶۔	ژھاے	شری ایم۔ایل کیمو	۳۰۰ – ۰۰
۴۷۔	لول تہٕ حُسن	شری این۔ایل امبار دار	۳۹۰ – ۰۰
۴۸۔	ریٚہہ تہٕ سریٚہہ	شری جی۔ایم غمگین	۲۶۶ – ۰۰
۴۹۔	گنجِ وحدت	شری الیف۔اے کریم	۶۰۰ – ۰۰
۵۰۔	امن تہٕ آشتی	شری این۔ایل۔چٹا	۳۰۰ – ۰۰
۵۱۔	سلاوا میر	شری اختر محی الدین	۷۵۰ – ۰۰
۵۲۔	مَس ہلر	شری آر۔این۔کُستور	۲۱۵ – ۰۰

۷۰ - ۱۹۷۱ء

۵۳- فُرات	شری نشاط انصاری	۳۴۵-۰۰ روپے
۵۴- پوشہِ بہار	شری غلام نبی ناظر	۴۰۰-۰۰
۵۵- اُچھر والن پیٹھ کوہ	شری رتن لال کنول	۳۲۴-۰۰
۵۶- ٹیلی یاد ہاوس	شری فاروق مسعودی	۳۷۸-۰۰
۵۷- بینہہ داو	شری مکھن لال کنول	۳۶۰-۰۰
۵۸- بیتہ لاران پربت	شری ہری کرشن کول	۴۰۰-۰۰
۵۹- ناگہ راد	شری ناجی مُنور	۳۷۵-۰۰

۷۲ - ۱۹۷۳ء

۶۰- انہاری خاب	شری تنہا نظامی	۵۲۰-۰۰
۶۱- کواپریٹو مارکیٹنگ تہٕ اَچھ ترقی	شری سیف الدین سوز	۲۵۰-۰۰
۶۲- انصاف	شری اکبر علی انصاری	۵۰۰-۰۰
۶۳- نوٚو کلام	کشمیر کلچرل لیگ سرینگر	۵۰۰-۰۰
۶۴- عاری نانہ	شری غلام حسن تسکین	۳۶۰-۰۰
۶۵- لل یہ دزِ الیس لوکرے	شری موتی لال کیمو	۴۵۰-۰۰
۶۶- کاشرس ادبس پیٹھ اکھ نظر	شری عبدالاحد حاجنی	۴۷۰-۰۰
۶۷- ہی وَن	شری مشعل سلطانپوری	۴۲۰-۰۰
۶۸- آدمی ہوٚر	مرزا جی۔ ایچ۔ بیگ عارف	۵۵۰-۰۰

۷۳-۱۹۷۴ء

۶۹۔	سمے چھ سوران	شری اختر محی الدین	۳۹۰-۰۰ روپے
۷۰۔	وولرکی ملر	محمد احسن احسن	۴۵۰-۰۰
۷۱۔	کاشُر شاعری	شری غلام نبی ناظر	۷۱۵-۰۰
۷۲۔	عرشہ بیٹھ فرشس تام	شری شفیع شوق	۴۱۰-۰۰
۷۳۔	میراث	شری فاضل کشمیری	۳۹۰-۰۰
۷۴۔	میانی وژن	شری واسدیو ریہہ	۳۵۰-۰۰
۷۵۔	سوم سوٗدر	شری رگھوناتھ کسنور	۳۵۰-۰۰
۷۶۔	آبِ حیات	شری مرغوب بانہالی	۳۸۰-۰۰

۷۴-۱۹۷۵ء

۷۷۔	اَنکہٕ وَن	شری ایم۔ایل ساقی	۴۲۵-۰۰
۷۸۔	واری دات	شری جی۔این ناظر	۳۵۰-۰۰
۷۹۔	پاردٕ اَچھر	شری غلام محمد آجر	۴۰۰-۰۰
۸۰۔	کلامِ سائل	شری عبدالشعبان نائیکو	۳۷۵-۰۰
۸۱۔	کاشُر ادب تہٕ مرثی نِگاری	شری سید محمد انیس کاظمی	۴۰۰-۰۰
۸۲۔	تنزیش تہٕ تنزِپَن	شری امر مالموہی	۹۰۰-۰۰
۸۳۔	مولوی علی شاہ ہرِل	سکریٹری ادبی مرکز کمراز	۳۵۰-۰۰
۸۴۔	منہٕ کامن	شری مظفر عازم	۴۰۰-۰۰
۸۵۔	ژراکھ	شری ایوب صابر	۴۰۰-۰۰

۷۵-۱۹۷۶ء

۸۶-	زعفران زار	شری منظور ہاشمی	۵۰۰-۰۰ روپے
۸۷-	جامِ ساقی	شری لالہ آرگامی	۵۰۰-۰۰
۸۸-	کیتہٕ غزلہ کیتہٕ نظمہٕ	شری ایم۔ ایل ناز	۴۶۰-۰۰
۸۹-	ہکہٕ نتہٕ ووش	شری ایس۔ ایم اینس کاظمی	۴۴۰-۰۰

۷۶-۱۹۷۷ء

۹۰-

۹۰-	شب رنگ	شری سومناتھ ویر	۳۰۰-۰۰
۹۱-	حالس چھُ رونل	شری ہری کرشن کول	۳۰۰-۰۰
۹۲-	گُلنار	شری نشاط انصاری	۵۰۰-۰۰
۹۳-	سراب	شری سعدالدین سعدی	۴۰۰-۰۰
۹۴-	ارضِ وطن	شری منظور ہاشمی	۶۰۰-۰۰
۹۵-	باغ و بہار	شری زناردن کول بیکس	۷۰۰-۰۰

۷۷-۱۹۷۸ء

۹۶-	شکر ریشی	شری سعدالدین سعدی	۳۰۰-۰۰
۹۷-	زُتنہٕ زول	شری غلام نبی آتش	۳۶۰-۰۰
۹۸-	گیتا نجلی	شری موتی لال ناز	۷۵۰-۰۰
۹۹-	داج	شری سیف الدین سوز	۴۰۰-۰۰
۱۰۰-	نوٚوٚ کاشُر گرامر	شری نشاط انصاری	۳۶۰-۰۰
۱۰۱-	من سر	شری موتی لال ساقی	۳۹۰-۰۰
۱۰۲-	پٲری زان	شری ایس ڈی اندرابی	۳۹۰-۰۰

۱۰۳۔	گمہٕ ہٕنز ہمہٕ کمان	شری سومناتھ وِیر	۰۰ ۔ ۳۹۰ روپے
۱۰۴۔	ہی گوٚنْد	شری غلام نبی ناظر	۰۰ ۔ ۴۵۰
۱۰۵۔	کِتھہٕ نارٕ	شری ایوب صابر	۰۰ ۔ ۳۵۰
۱۰۶۔	زبان تہٕ ادب	شری شفیع شوق	۰۰ ۔ ۵۵۰
۱۰۷۔	وہٕژھنے	شری مشعل سلطانپوری	۰۰ ۔ ۷۵۰
۱۰۸۔	پینچ تنتر	شری ایس ایل ساھو	۰۰ ۔ ۳۹۰
۱۰۹۔	کشمیری ڈراما	شری بمنی شملہ مُفتی	۰۰ ۔ ۱۰۰۰

۱۹۷۷ - ۷۸ء

۱۱۰۔	عشقہٕ مَس	شری سلام الدین عاجز	۰۰ ۔ ۳۳۰
۱۱۱۔	رَ ٹینچ وٚہراتھ	شری ایس۔ایم ہادی	۰۰ ۔ ۱۱۹۰
۱۱۲۔	نارکھب	شری ایوب صابر	۰۰ ۔ ۱۱۹۰
۱۱۳۔	دگرِ ہِنزٕ وہتھ	شری غلام احمد گاش	۰۰ ۔ ۳۳۵
۱۱۴۔	ناٹک تُرَج	شری موتی لال کیمو	۰۰ ۔ ۱۱۰۳
۱۱۵۔	کاشرِ مرتی ھند تواریخ	شری شاہد بڈگامی	۰۰ ۔ ۱۵۰۰

۱۹۸۰ - ۷۹ء

۱۱۶۔

۱۱۶۔	بانڈٕ جشن	محمد سُبحان بھگت	۰۰ ۔ ۱۵۳۰
۱۱۷۔	کلیات غالب ترالی	جوگندر سنگھ شان	۰۰ ۔ ۱۰۰۰
۱۱۸۔	ویدا کھ	انیس کاظمی	۰۰ ۔ ۱۸۶۰
۱۱۹۔	اَتہٕ گژھہٕ چہِ نَنہٕ کتھہٕ	بشیر اختر	۰۰ ۔ ۸۶۷
۱۲۰۔	دِوبہٕ رنگ	محمد سُبحان بھگت	۰۰ ۔ ۱۴۶۸
۱۲۱۔	اسہار	عبدالرحمان آزاد	۰۰ ۔ ۱۴۶۸

۱۲۲-	کتاب	غلام نبی ناظر	۔۔ ۱۳۳۱ روپے
۱۲۳-	ہری ساوکس پرستان	مشتاق عبدالعزیز	۔۔ ۷۲۵
۱۲۴-	نارکہ جبین	عبدالجبار منظور	۔۔ ۶۶۸

۸۰ - ۱۹۸۱ء

۱۲۵-	شُرِل	ایوب صابر	۔۔ ۱۰۹۹
۱۲۶-	لُولک سرگم	منظور ہاشمی	۔۔ ۱۰۱۴
۱۲۷-	لولہ وہ ہزار	مرزا عارف بیگ	۔۔ ۱۴۳۸
۱۲۸-	عفوٗ پروردگارا	شریف الدین پرواز	۔۔ ۱۲۶۹
۱۲۹-	ژھانڈو	غلام نبی آتش	۔۔ ۱۶۹۳
۱۳۰-	پانژہ ڈراما	بشیر دادا	۔۔ ۲۱۱۷
۱۳۱-	رژ دیہ	ہری کرشن کول	۔۔ ۱۳۶۳
۱۳۲-	کاشرس منز تذکیر و تانیث	بشیر بشر	۔۔ ۱۵۲۳
۱۳۳-	کٲشِر پیٹھ کربلا نام	فارق بڈگامی	۔۔ ۱۱۸۴

۸۱ - ۱۹۸۲ء

۱۳۴-	رتہٕ ژاٹگی	ایس۔ ایم۔ ہادی	۔۔ ۱۲۰۰
۱۳۵-	دَشہِ ہار	اے۔ ڈی۔ مجبور	۔۔ ۸۱۲
۱۳۶-	رہ پیہ رؤد	سجود سیلانی	۔۔ ۱۵۰۰

۱۳۷۔	دون اَنن		
	درمیان	ایچ۔ کے کھارتی	.. – ۱۰۰۰ روپے
۱۳۸۔	زخمہٕ	ایوب صابر	.. – ۱۵۰۰
۱۳۹۔	پانٕ ژادر	ایس۔ کے پریمی	.. – ۸۰۰
۱۴۰۔	وَنٛدٕ تہٕ		
	کاشُر کلچر	رشید راشد	.. – ۸۰۰
۱۴۱۔	ویوٚر	جی۔ ایم رفیق	.. – ۸۰۰
۱۴۲۔	وۄجوٗد تہٕ		
	ژھائے	انیس ہمدانی	.. – ۸۰۰ روپے
۱۴۳۔	روٗنہٕ روٗتل	غلام نبی ناظر	.. – ۹۰۰
۱۴۴۔	سفید سنگر	رسول پونپُر	.. – ۱۴۰۰

●

اُردو (۶۰ - ۱۹۶۱ء)

نمبر شمار	عنوان	مُصنّف	مالی امداد کی منظوری
۱-	پولیٹیکل ورکس آف پروفیسر تلوک چند محروم	شری جی۔ این آزاد	۵۰۰ - ۰۰ روپے
۲-	خرامِ حیات	شری مہندر رینہ	۵۰۰ - ۰۰
۳-	عرسِ تمنّا	پروفیسر ایچ یو حامدی	۳۰۰ - ۰۰
۴-	اورادِ فتحیہ	مولانا عبد الکبیر	۵۰۰ - ۰۰
	۶۱ - ۱۹۶۲ء		
۵-	جہلم اور توی	شری موہن یاور	۵۰۰ - ۰۰
۶-	**۶۲ - ۱۹۶۳ء**		
۶-	سازِ جمال	شری قیصر قلندر	۵۰۰ - ۰۰
۷-	رموزِ بیخودی	شری جی آر کامگار	۱۰۰۰ - ۰۰
۸-	نظم ثریا	رسا جاودانی	۵۰۰ - ۰۰
۹-	آریجن آف ہندوستانی ماڈرن لٹریچر	عتیق صدیقی	۱۰۰۰ - ۰۰
۱۰-	یادگار کلثوم	اکبر جے پوری	۴۰۰ - ۰۰
۱۱-	تاریخ کشمیر	محمد امین پنڈت	۴۰۰ - ۰۰
۱۲-	نورِ سحر	بسمل دہلوی	۱۰۰۰ - ۰۰
	۶۳ - ۱۹۶۴ء		
۱۳-	سمندر پیاسا ہے	شری جی۔ آر سنتوش	۶۹۵ - ۰۰

۱۴۔ ادبی قدریں اور نفسیات	ڈاکٹر شکیل الرحمان	۶۵۰۔۰۰ روپے
۱۵۔ دُرجِ بہار	قیصر قلندر	۲۷۵۔۰۰
۱۶۔ پائل کے زخم	نُور شاہ	۲۷۵۔۰۰
۱۷۔ سلیکٹیڈ شارٹ سٹوریز	دیپک کول	۱۸۰۔۰۰

۶۴۔ ۱۹۶۵ء

۱۸۔ سازِ شکست	اکبر جے پوری	۴۵۰۔۰۰
۱۹۔ بلندیوں کے خواب	ایچ۔ یو حامدی	۷۰۔۰۰
۲۰۔ ہسٹری آف کشتواڑ	عشرت کاشمیری	۳۵۰۔۰۰
۲۱۔ آزاد نظم	کنول کشن بالی	۳۰۰۔۰۰
۲۲۔ جنرل زوراور سنگھ	سیاح سونامی	۳۰۰۔۰۰
۲۳۔ مُطالعہ زور	اکبر حیدری	۴۰۰۔۰۰
۲۴۔ دو آتشی	فاروق نازکی	۴۰۰۔۰۰
۲۵۔ دیوانہ سالک	اے۔ این رینہ	۶۰۰۔۰۰
۲۶۔ زعفران زار	امر مالموہی	۵۰۰۔۰۰
۲۷۔ اے جنت کشمیر	عابد مناوری	۵۰۰۔۰۰
۲۸۔ بہارِ کشمیر	ہر بھگوان شاد	۳۵۰۔۰۰

۶۵۔ ۱۹۶۶ء

۲۹۔ تحقیق و تنقید	ڈاکٹر اکبر حیدری	۵۹۰۔۰۰
۳۰۔ اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا	کشوری منچندا	۲۳۰۔۰۰
۳۱۔ کیفی اعظمی	شاہ زور کشمیری	۳۵۰۔۰۰

۳۲۔ بکھرے خواب	کلدیپ رینہ	.. ۔	۳۹۰ روپے

۷۶ - ۱۹۶۷ء

۳۳۔ شمیمِ گل	عابد مناوری	.. ۔	۲۵۰
۳۴۔ جدید اُردو نظم کا ارتقاء	ڈاکٹر حامدی کشمیری	.. ۔	۶۷۵
۳۵۔ ہرے پودے بنجر زمین	کشوری منچندا	.. ۔	۲۶۰
۳۶۔ متاع خیال	محمد حسن محمود	.. ۔	۲۰۰
۳۷۔ چشمِ نیم باز	عرش صہبائی	.. ۔	۳۶۰
۳۸۔ انجمن	وِجے سمن	.. ۔	۲۲۵
۳۹۔ شاخِ صنوبر کے تلے	محمد یاسین بیگ	.. ۔	۲۰۰
۴۰۔ ہندو مذہب کی جھانکیاں	ڈاکٹر محمد یاسین	.. ۔	۲۵۰
۴۱۔ میر ضمیر	ڈاکٹر اکبر حیدری	.. ۔	۸۷۵
۴۲۔ یہ میری دُنیا	شری نُور شاہ	.. ۔	۳۸۰

۶۷ - ۱۹۶۸ء

۴۳۔ تنہائی سے تماشہ تک	آفاق احمد	..	۳۶۰
۴۴۔ میر تقی میر کی مثنویاں	ضیا آفریدی	.. ۔	۴۰۰
۴۵۔ دھان کی بالیاں	ساگر کشمیری	.. ۔	۲۰۰
۴۶۔ سراب	حامدی کشمیری	.. ۔	۳۴۰
۴۷۔ زاویہ	رفیقہ منظور الامین	.. ۔	۶۰۰
۴۸۔ گلاب اور کانٹے	ایچ۔ ایس ساگر	.. ۔	۲۶۰

۴۹۔	عصرِ جدید اور شاعری	کمال احمد صدیقی	... ۲۶۰ روپے
۵۰۔	تحقیقی مطالعہ	اکبر حیدری	.. ۔ ۹۰۰
۵۱۔	لاوا کا سمندر	شکیل الرحمان	.. ۔ ۵۵۰
۵۲۔	آتشِ چنار	شبیب زیدپوری	.. ۔ ۶۲۰
۵۳۔	تاریخ ہند کے چند خاکے	ڈاکٹر محمد یاسین	.. ۔ ۳۸۰
۵۴۔	کشمیر میں پنجابی زبان اور ادب	پروفیسر سیوا سنگھ	.. ۔ ۴۰۰
۵۵۔	کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ	اے۔ کیو۔ سروری	.. ۔ ۵۰۰
۵۶۔	دیوانِ صرفی	شری حبیب اللہ	.. ۔ ۱۴۴۰

۶۸ - ۱۹۶۹ء

۵۷۔	کشمیر اور کشمیری ادب	شری ایم۔ وے ٹینگ	.. ۔ ۴۳۰
۵۸۔	جہلم کے کنارے	مس منظور اختر	.. ۔ ۳۰۰
۵۹۔	جانے وہ کیسے لوگ تھے	ملک رام آنند	.. ۔ ۳۵۰
۶۰۔	دو خط ایک کہانی	سومناتھ ڈوگرہ	.. ۔ ۳۰۰
۶۱۔	دیوی کا بلیدان	شری سریندر دت عزیز	.. ۔ ۳۴۰
۶۲۔	بہروپ	شری محمد یاسین	.. ۔ ۳۰۰
۶۳۔	تین ڈرامے	آفاق احمد	.. ۔ ۴۵۰
۶۴۔	اُفقِ نو	منظر اعظمی	.. ۔ ۳۷۰

۶۵۔	بنجر دھرتی پتھر لوگ	گیان چند	.. ۔ ۳۰۰ روپے

۷۰ - ۱۹۶۹ء

۶۶۔	اپنا اپنا نصیب	شریمتی این۔اے بیگم	.. ۔ ۹۵۰
۶۷۔	جوہرِ آئینہ	پروفیسر این۔ایل۔کے طالب	.. ۔ ۱۱۰۰
۶۸۔	لداخ کی کہانیاں	شری ایم۔اے پنڈت	.. ۔ ۷۵۰
۶۹۔	سنبل و ریحان	ڈی۔ این رفیق	.. ۔ ۴۹۰
۷۰۔	صرف پانچ ہزار	بھوشن لال بھوشن	.. ۔ ۶۵۰
۷۱۔	اپنا گھر	موہن یاور	.. ۔ ۷۵۰
۷۲۔	غالب کی جمالیات	شکیل الرّحمان	.. ۔ ۷۵۰
۷۳۔	کلامِ دلگیر	اکبر حیدری	.. ۔ ۱۱۵۰

۷۰ - ۱۹۷۱ء

۷۴۔	خواجہ حافظ شیرازی کا مفصل مطالعہ	کے۔ این پنڈتا	.. ۔ ۱۰۰۰
۷۵۔	سڑک انصاف کرتی ہے	کشوری منچندا	.. ۔ ۳۰۰
۷۶۔	دیوانِ نامی	ڈاکٹر اکبر حیدری	.. ۔ ۱۷۵۰
۷۷۔	ایک زخم اور سہی	شبنم قیوم	.. ۔ ۴۲۰
۷۸۔	شبستان	نشاط انصاری	.. ۔ ۳۳۵
۷۹۔	منظوماتِ دلگیر	ڈاکٹر اکبر حیدری	.. ۔ ۱۱۵۰
۸۰۔	سڑک جا رہی ہے۔	وحشی سعید ساحل	.. ۔ ۹۵۰

۷۲-۱۹۷۳ء

۸۱-	افسانے	پریم ناتھ در	۰۰ - ۸۰۰ روپے
۸۲-	شاہکار	سجود سیلانی	۰۰ - ۵۵۰

۷۳-۱۹۷۴ء

۸۳-	وِردُ المریدین (متاعِ نور)	سعید الدین قاری	۰۰ - ۱۲۰۰
۸۴-	ہوا کے دوش پر	وِجے سُمن	۰۰ - ۳۴۰
۸۵-	خاطرِ احباب	شری سعد الدین قاری	۰۰ - ۱۲۰۰
۸۶-	اقبال نمبر	ایڈیٹر علم و دانش	۰۰ - ۱۰۰۰

۷۴- ۱۹۷۵

۸۷-	گلدستۂ نِسأ	میمون النِسأ	۰۰ - ۴۳۵
۸۸-	ویرانہ	شمس الدین شمیم	۰۰ - ۴۱۰
۸۹-	تحقیقی نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری	۰۰ - ۱۲۰۰
۹۰-	شیریں کے خطوط	مرزا محمد زمان آزردہ	۰۰ - ۴۲۰
۹۱-	پیامِ ولی	امر چند ولی	۰۰ - ۴۲۰
۹۲-	نشۂ گُل	سُلطان الحق شہیدی	۰۰ - ۳۸۰

۷۵ - ۱۹۷۶ء

۹۳-	قدیم تحقیقی سرمایہ	اکبر حیدری	۰۰ - ۱۰۰۰
۹۴-	تفکرات	ظہور الدین	۰۰ - ۹۰۰
۹۵-	زوجیلا کے آر پار	عبد الغنی شیخ	۰۰ - ۷۰۰
۹۶-	ارمغان المست	دینا ناتھ المست	۰۰ - ۸۰۰

۷۶ - ۱۹۷۷ء

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۹۷۔	احساس کے گھاؤ	کشوری منچندا	۳۰۰۔۰۰ روپے
۹۸۔	ناریوزنگپو	کاچوسکندر خان سکندر	۹۰۰۔۰۰
۹۹۔	بیسویں صدی کے انگریزی ادب میں اُردو ادب کے رجحانات	ڈاکٹر ظہورالدین	۸۰۰۔۰۰
۱۰۰۔	سنگ وآئینہ	شیخ فاروق مضطر	۳۰۰۔۰۰
۱۰۱۔	پیامِ مشرق اقبال مترجم	سُلطان الحق شہیدی	۱۵۰۰۔۰۰
۱۰۲۔	الانور	عبدالرحمان کوندو	۱۰۰۰۔۰۰
۱۰۳۔	اقبال اور غالب	ڈاکٹر حامدی کشمیری	۲۰۰۰۔۰۰

۷۸ - ۱۹۷۸ء

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱۰۴۔	خیابان	قاضی ہلال دلنوی	۷۴۰۔۰۰
۱۰۵۔	باقیات ابتس	ڈاکٹر اکبر حیدری	۲۵۵۹۔۰۰
۱۰۶۔	شناخت	مظفر ایرج	۶۵۵۔۰۰
۱۰۷۔	جوشِ جنون	شوریدہ کشمیری	۸۷۹۔۰۰
۱۰۸۔	چادر	کے۔ ڈی۔ مینی	۶۵۵۔۰۰
۱۰۹۔	وقت کا گھاؤ	واجدہ تبسم	۶۱۰۔۰۰

۸۰ - ۱۹۷۹ء

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱۱۰۔	پیش خیمہ	پرتیپال سنگھ بیتاب	۸۶۷۔۰۰
۱۱۱۔	پونچھ	شری کے۔ ڈی مینی	۱۱۳۲۔۰۰

۱۱۲۔	غبارِ کاروان	مرزا محمد زمان آزردہ	۱۵۳۰ ۔ ۰۰ روپے
۱۱۳۔	وادیاں اور ویرانے	جان محمد آزاد	۱۰۰۰ ۔ ۰۰
۱۱۴۔	میری پسند	پدم ناتھ گنجو	۱۵۳۰ ۔ ۰۰

۸۰ - ۱۹۸۱ء

۱۱۵۔	ٹھنڈی کانگڑی کا دھواں	خالد حسین	۱۴۳۸ ۔ ۰۰
۱۱۶۔	صوفیانہ موسیقی اور وادن سنگیت	نور محمد بٹ	۱۴۳۸ ۔ ۰۰
۱۱۷۔	حرفِ جستجو	ڈاکٹر برج پریمی	۱۶۹۴ ۔ ۰۰
۱۱۸۔	تاریخی ڈرامہ	آفاق احمد	۲۵۵۰ ۔ ۰۰
۱۱۹۔	اُردو شاعری کی نئی جہتیں	پریمی رومانی	۱۳۶۳ ۔ ۰۰
۱۲۰۔	تکون کا کرب	کشوری منچندا	۹۲۹ ۔ ۰۰
۱۲۱۔	تحقیقاتِ حیدری	ڈاکٹر اکبر حیدری	۲۰۰۰ ۔ ۰۰
۱۲۲۔	چراغِ معرفت	عبدالسلام	۱۷۷۸ ۔ ۰۰
۱۲۳۔	متعلقاتِ انشا	ڈاکٹر ایس۔ ایل کالرا	۳۸۱۵ ۔ ۰۰
۱۲۴۔	تلاش و تعبیر	منظر اعظمی	۲۵۴۲ ۔ ۰۰
۱۲۵۔	جہاں دھرتی ملے آکاش سے	سکھدیو سنگھ	۱۵۰۰ ۔ ۰۰

۸۱ - ۱۹۸۲ء

۱۲۶۔	لہو لمس چنار	حکیم منظور	۱۲۰۰ ۔ ۰۰

۱۲۷۔	سبز شعلے	صابر مرزا	۸۰۰ ـ ۰۰ روپے
۱۲۸۔	آخری سکور	آفاق احمد	۱۲۰۰ ـ ۰۰
۱۲۹۔	گُلشنِ خضر	خضر مغربی	۱۱۴۲ ـ ۰۰
۱۳۰۔	لل دید	جے۔ ایل۔ گیرو	۱۲۰۰ ـ ۰۰
۱۳۱۔	مضامین حیدری	اکبر حیدری	۱۲۰۰ ـ ۰۰
۱۳۲۔	دیارِ غزل	عابد مناوری	۹۰۰ ـ ۰۰
۱۳۳۔	شیشے کی دیوار	شیخ بشیر احمد	۷۰۰ ـ ۰۰
۱۳۴۔	کارگہہ شیشہ گری	حامدی کشمیری	۱۶۰۰ ـ ۰۰

فارسی

(۶۱-۱۹۶۲ء)

نمبر شمار	عنوان	مصنّف	مالی امداد کی منظوری
۱۔	بحر العرفان	شری حبیب اللہ کاملی	۱۰۰۰-۰۰ روپے
۲۔	دیوانِ فانی	شری گردھاری لال ٹکو	۱۵۰۰-۰۰
۳۔			

(۷۷-۱۹۷۸ء)

نمبر شمار	عنوان	مصنّف	مالی امداد کی منظوری
۳۔	کُلیات صرفی	شری جی۔ این خیال	۲۹۰۰-۰۰
۴۔	ریشی نامہ	شری اسد اللہ ریشی	۱۴۵۰-۰۰
۵۔	چشمۂ شیرین	سید شمس الدین اندرابی	۲۵۰۰-۰۰

انگریزی

(۶۵-۱۹۶۶ء)

نمبر شمار	عنوان	مصنّف	مالی امداد کی منظوری
۱۔	سٹڈیز اِن کشمیری	پروفیسر جے ایل کول	۲۶۰۰-۰۰
۲۔	ٹیلز فرام راج ترنگنی	پروفیسر ایس ایل ساڈھو	۷۵۰-۰۰

(۶۷-۱۹۶۸ء)

نمبر شمار	عنوان	مصنّف	مالی امداد کی منظوری
۳۔	اے سوشو ایکنامک سروے اِن گُرِیز	سیتد الدین	۲۵۰-۰۰
۴۔	دی پراگریس آف ہندی اِن جے اینڈ کے سٹیٹ	شری پرتھوی ناتھ رازدان	۲۵۰-۰۰

(۷۰-۱۹۷۱ء)

پیٹر تہ بھگنیا کا سکا اُتپل دیو	ڈاکٹر آر۔ کے کاو	۰۰۔ ۱۸۰۰ روپے

۶- این اینتھالوجی آف

کشمیری پوئٹری	شری ٹی این رینہ	۰۰۔ ۲۵۶۰

(۷۲-۱۹۷۳ء)

۷- کشمیری فونٹیک ریڈرس

اینڈ سلیکٹیڈ وکیبلری	شری جواہر لال ہنڈو	۰۰۔ ۷۵۰

(۸۰-۱۹۸۱ء)	(۷۹-۱۹۸۰ء)

۸- چشمۂ شیرین	سید شمس الدین اندرابی	۰۰۔ ۲۵۰۰

۹- کارپس آف شاردا

انسکرپشنز آف کشمیر	ڈاکٹر بی۔ کے ڈیمی	۰۰۔ ۵۴۵

۱۰- کنٹری بیوشن ٹو ڈوگری (۸۰-۱۹۸۱ء)

فونٹکس اینڈ فونولاجی	ڈاکٹر وید کماری گھئی	۰۰۔ ۲۴۸۹

۱۱- ریسرچ ان انڈین لنگوسٹکس	ڈاکٹر بلدیو راج گپتا	۰۰۔ ۳۰۰۰

لداخی (۷۸-۱۹۷۹ء)

۱- این انٹروڈکشن ٹو ہسٹری	۱- کاچی لوبدان زیدپا

اینڈ مونیسٹریز آف

زانسکار۔	۲- نونگ نیتسرنگ	۰۰۔ ۷۹۰

۸۰-۱۹۸۱ء

۲- رگ زھاگ — چھن پُو — ایم - جی گیاسن — ۲۳۷۲.۰۰ روپے

پہاڑی
۷۸-۱۹۷۹ء

۱- یارن اَوازان — گرچرن سنگھ گلشن — ۷۷۵.۰۰

۸۰-۱۹۸۱ء

۲- اویکیاں — خوشدیو — ۱۴۳۸.۰۰

لداخی
۸۱-۱۹۸۲ء

۱- انٹروڈکشن ٹو نوبرا — نوانگ ژھرنگ — ۱۸۰۰.۰۰

ریاست کی ادبی اور تمدنی تنظیموں کو مالی امداد

اپنی تہذیبی میراث کی ہمہ جہتی اور رنگا رنگی کی ترویج اور آئینی ذمہ واریوں کو پورا کرنے کے لئے اکادمی نے رضاکارانہ ادبی اور ثقافتی تنظیموں کو عبوری امداد دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ امداد ایسی تنظیموں کو دی جاتی ہے جو ریاست میں موسیقی، رقص، ادب اور زبانوں کے فروغ کیلئے کام کرتی ہیں۔

۶۲-۱۹۶۱ء میں یہ امداد مندرجہ ذیل تنظیموں کو پہلی بار دی گئی:-

۱۔ درگا سنگیت اکادمی، جموں	۲۰۰/ روپے
۲۔ پریم سنگیت نکیتن سرینگر	۲۰۰/ روپے
۳۔ سنگیت مہا ودیالیہ سرینگر	۲۰۰/ روپے
کُل رقم	۶۰۰/ روپے

سال ۷۱-۱۹۷۰ء میں مالی امداد کی رقم جو کہ تنظیموں کو دی گئی ۲۶۲۰۰ روپے تک پہنچ گئی اور اسی طرح ۱۹۷۰ء کے خاتمے تک مالی امداد میں کئی گُنا اضافہ ہوا اور یہ برابر بڑھتا ہی گیا۔ چنانچہ اس وقت اکادمی اِس مد پر سالانہ ایک لاکھ روپے خرچ کرتی ہے۔ یہ رقم سنگیت، مصوری، ادب اور فنونِ لطیفہ سے وابستہ ایسی رضاکارانہ تنظیموں کو دی جاتی ہے جو فنونِ لطیفہ کی ترویج، ترقی اور اشاعت کے لئے کام کرتی ہے۔ ذیل میں ایسی تنظیموں کی ایک فہرست دی جاتی ہے جو جموں، کشمیر اور لداخ کے خطوں میں اِس مالی امداد سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔ اور اُردو، ہندی، کشمیری، ڈوگری، پنجابی، پہاڑی اور لداخی زبانوں کی ترقی کے لئے کام کرتی ہیں۔ اِس طرح سے اکادمی نے اب تک

دس لاکھ روپے سے زیادہ رقم اکادمی کے قیام سے آج تک خرچ کی ہے۔
۸۱-۱۹۸۰ء میں جن ادبی اور ثقافتی تنظیموں کو امداد دی گئی ہے، اُس کی تفصیل اِسطرح ہے:-

۱۔ کرشن چندر میموریل بزمِ ادب سورنکوٹ	۱۵۵۰/- روپے
۲۔ انجمنِ ترقی پہاڑی ادب سورنکوٹ پونچھ	۵۰۰/- روپے
۳۔ پنجابی ساہتیہ سبھا پونچھ	۱۶۰۰/- روپے
۴۔ کرشن چندر میموریل کلب پونچھ	۱۲۰۰/- روپے
۵۔ انجمنِ ترقی پہاڑی ادب پونچھ	۸۰۰/- روپے
۶۔ کلچرل فورم راجوری	۵۰۰/- روپے
۷۔ مجلسِ ادب بہروٹ راجوری	۵۰۰/- روپے
۸۔ کاشر مرکز بہروٹ	۸۰۰/- روپے
۹۔ شنکر ڈرامیٹک کلب	۱۵۰۰/- روپے
۱۰۔ رام لیلا کلب رام نگر	۱۰۰۰/- روپے
۱۱۔ بندرالتا ساہتیہ منڈل رام نگر	۲۳۰۰/- روپے
۱۲۔ رام کلا مندر	۱۰۰۰/- روپے
۱۳۔ مہاویر یوتھ کلا کیندر گری۔ اُودھم پور	۱۲۰۰/- روپے
۱۴۔ ہندی ساہتیہ منڈل۔ جموں۔	۹۰۰/- روپے
۱۵۔ ڈوگری سنستھا۔ جموں	۷۵۰۰/- روپے
۱۶۔ دُرگا سنگیت اکادمی جموں	۸۰۰/- روپے
۱۷۔ یوا ہندی لیکھک سنگ جموں	۳۰۰۰/- روپے
۱۸۔ سرواسنی سنگیت کلا مندر۔ جموں	۱۳۰۰/- روپے

۱۹۔ پنجابی لیکھک سبھا جموں	۱۶۰۰/- روپے
۲۰۔ ڈوگری ریسرچ انسٹیچوٹ جموں	۱۰۰۰/- روپے
۲۱۔ انجمنِ گوجری زبان وادب بلاور	۸۰۰/- روپے
۲۲۔ کمل تھیٹر۔ سری نگر	۶۰۰/- روپے
۲۳۔ پنجابی ساہتیہ سبھا۔ سری نگر	۲۲۰۰/- روپے
۲۴۔ کشمیر کونسل آف ریسرچ۔ سری نگر	۱۷۰۰/- روپے
۲۵۔ گلشنِ ادب پہاڑی جونا دلی دار	۷۰۰/- روپے
۲۶۔ کاروانِ ادب۔ داوگاندربل کشمیر۔	۱۰۰۰/- روپے
۲۷۔ نیو کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ پاترن چاڈورہ۔	۵۰۰/- روپے
۲۸۔ آزاد کلچرل فورم چاڈورہ۔ کشمیر	۲۰۰۰/- روپے
۲۹۔ کشمیر صوفیانہ سوسائٹی واہتھورہ۔	۵۰۰/- روپے
۳۰۔ شہناز کلب ناگام۔	۷۰۰/- روپے
۳۱۔ کشمیر بانڈ تھیٹر حاجی گنڈ واہتھورہ۔	۸۰۰/- روپے
۳۲۔ دمالی رقص سنٹر گوپالپورہ۔ زولو	۸۰۰/- روپے
۳۳۔ نیشنل بانڈ تھیٹر واہتھورہ۔	۱۸۰۰/- روپے
۳۴۔ صمد تھیٹر نوپورہ	۱۰۰۰/- روپے
۳۵۔ کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ چاڈورہ۔	۶۰۰/- روپے
۳۶۔ مقبول تھیٹر کرالہ واری	۱۰۰۰/- روپے
۳۷۔ انجمن ترقی ادب بڈگام	۷۰۰/- روپے
۳۸۔ کشمیر گلشنِ ادب شاہ آباد۔ چوندہ پورہ	۹۰۰/- روپے
۳۹۔ گوجری مجلسِ ادب گوجر نگر جموں	۸۰۰/- روپے

۴۰۔ ہمالین کلچرل سوسائیٹی جموں ۔/۵۰۰ روپے

۴۱۔ آل جموں وکشمیر یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن جموں ۔/۸۰۰ روپے

۴۲۔ انجمن ترقی گوجری ادب چانڈک پونچھ ۔/۵۰۰ روپے

۴۳۔ رنگین ڈرامیٹک کلب فیروزپورہ ٹنگمرگ ۔/۵۰۰ روپے

۴۴۔ بزمِ ادب بٹہ پورہ ۔ کانہامہ ۔/۶۰۰ روپے

۴۵۔ نیوکنسٹرکشن یوتھ کلب بدرن بیروہ ۔/۵۰۰ روپے

۴۶۔ شاہین کلچرل فرنٹ بدرن ۔/۸۰۰ روپے

۴۷۔ گلمرگ لوک تھیٹر بلہالن پٹن ۔/۹۰۰ روپے

۴۸۔ اربہ مال تھیٹر بلہالن ۔/۱۱۰۰ روپے

۴۹۔ کلچرل فورم کریری پٹن ۔/۱۳۰۰ روپے

۵۰۔ دیارِ ادب دلنہ بارہ مولہ ۔/۱۰۰۰ روپے

۵۱۔ پنجابی ساہتیہ سبھا بارہ مولہ ۔/۸۰۰ روپے

۵۲۔ محبوب کلچرل سوسائٹی رام گھاٹ بارہ مولہ ۔/۴۰۰ روپے

۵۳۔ پہاڑی کلچرل سوسائیٹی چندن واری اوڑی ۔/۸۰۰ روپے

۵۴۔ پہاڑی مجلسِ ادب پالمر زچل ڈارہ ۔/۴۰۰ روپے

۵۵۔ کپوارہ کلچرل سوسائٹی کپوارہ ۔ ۔/۵۰۰ روپے

۵۶۔ گوجری فردوس ڈرامیٹک کلب آوورہ ۔/۴۰۰ روپے

۵۷۔ گوجری مجلسِ ادب ناچھن کرناہ ۔ ۔/۵۰۰ روپے

۵۸۔ پہاڑی کلچرل فورم کرناہ ۔/۵۰۰ روپے

۵۹۔ شاہ ولی لوک رنگ درگمولہ ۔ ۔/۶۰۰ روپے

۶۰۔ نجمے لوک تھیٹر۔ سوپور ۔/۸۰۰ روپے

۶۱۔ وُلر تھیٹر زینہ گیر
۱۴۰۰/- روپے

۶۲۔ ادبی مرکز کمراز سوپور
۴۹۰۰/- روپے

۶۳۔ مجلسِ النسائ سوپور
۸۰۰/- روپے

۶۴۔ وہاب ڈرامیٹک کلب حاجن
۴۰۰/- روپے

۶۵۔ حلقہ ادب سوناواری حاجن
۴۷۰۰/- روپے

۶۶۔ لٹریری فورم بانڈی پورہ کشمیر
۸۰۰/- روپے

۶۷۔ مانسبل ڈرامیٹک کلب صفاپورہ کشمیر
۱۶۰۰/- روپے

۶۸۔ گُلستانِ ادب پاہنور
۵۰۰/- روپے

۶۹۔ گُلستان تھیٹر بالہ پورہ۔
۱۰۰۰/- روپے

۷۰۔ یوسمرگ فوق تھیٹر ٹھوکر پورہ
پلوامہ
۷۰۰/- روپے

۷۱۔ کاشُر تھیٹر تکیہ امام صاحب
۷۰۰/- روپے

۷۲۔ بزم شیخ العالم
کئی جوگی پورہ۔
۳۰۰/- روپے

۷۳۔ کاشُر محفل یاری پورہ
۵۰۰/- روپے

۷۴۔ اُردو کاشُر بزمِ ادب
عیش مقام
۵۰۰/- روپے

۷۵۔ کنول تھیٹر اننت ناگ
۵۰۰/- روپے

۷۶۔ آرٹسٹس ایسوسی ایشن
اننت ناگ
۵۰۰/- روپے

۷۷۔ کشمیر وجیہ تھیٹر۔ ساگام
۱۰۰۰/- روپے

۷۸۔ نیشنل گلشن تھیٹر صوف شالی -/۴۰۰ روپے

۷۹۔ کشمیر بھگت تھیٹر اکنگام -/۱۲۰۰ روپے

۸۰۔ مراز کلچر اینڈ آرٹ سنٹر
ڈُورو -/۱۳۰۰ روپے

۸۱۔ واسکھ ناگ کاشر بزم ادب چھادگام -/۱۲۰۰ روپے

۸۲۔ کلچرل فورم لیہہ لداخ -/۱۵۰ روپے

۸۳۔ نامدل سوگسپا. آیو سایلو
لیہہ -/۷۰ روپے

ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ عرصہ جوش و خروش سے کام کرنے کے بعد کچھ تنظیمیں بے عملی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اُن کی جگہ نئی تنظیمیں وجود میں آتی ہیں، سالانہ معائنہ کرتے وقت ان تنظیموں کا بھی (اگر اُنہوں نے مالی امداد کے لئے درخواست دی ہو) معائنہ کیا جاتا ہے۔ اور تسلی بخش کارکردگی کی بنا پر ان کے حق میں بھی مالی امداد منظور کیجاتی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل فہرست سے بھی عیاں ہے۔ چنانچہ سال سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں کُل ۱۰۷ تنظیموں نے مالی امداد کیلئے درخواست دی تھی اور اُن میں سے ۸۹ تنظیموں کو بہتر کارکردگی کی بنا پر مالی امداد کے لئے چُنا گیا۔ تنظیموں کے نام اور مالی امداد کی رقم درج ذیل ہے :-

I : جموں

۱۔ درگا سنگیت اکیڈیمی۔ جموں =/۱۰۰۰ روپے

۲۔ ڈوگری سنستھا جموں =/۶۵۰۰ "

۳۔ بھورنگی۔ جموں =/۱۵۰۰ روپے

۴۔ جے۔ کے یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن جموں .. — ۷۰۰ روپے

۵۔ رگھناتھ رام لیلا اینڈ ڈرامیٹک
کلب۔ رام کوٹ .. — ۵۰۰ ،،

۶۔ شنکر ڈرامیٹک کلب رام کوٹ .. — ۱۰۰۰ روپے

۷۔ بھارتیہ ودیالیہ بھون۔ جموں .. — ۱۰۰۰ ،،

۸۔ سرسوتی سنگیت کلا مندر۔ جموں .. — ۱۶۰۰ روپے

۹۔ یوا ہندی لیکھک سنگھ۔ جموں .. — ۵۰۰ ،،

۱۰۔ وکاس ٹورنگ گروپ۔ جموں .. — ۵۰۰ ،،

۱۱۔ ڈوگری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جموں .. — ۲۳۰۰ روپے

۱۲۔ پنجابی ساہتیہ سبھا راجوری .. — ۱۰۰۰ ،،

۱۳۔ مجلسِ ادب بہروٹ۔ راجوری .. — ۹۰۰ روپے

۱۴۔ کوشر مرکز بہروٹ۔ راجوری .. — ۱۲۰۰ ،،

۱۵۔ کرشن چندر میموریل بزم ادب۔ پونچھ .. — ۷۰۰ ،،

۱۶۔ کرشن چندر میموریل کلب پونچھ .. — ۷۰۰ روپے

۱۷۔ پنجابی ساہتیہ سبھا۔ پونچھ .. — ۱۰۰۰ روپے

۱۸۔ دادا بھالکے ڈرامیٹک اینڈ
کلچرل کلب۔ جموں .. — ۶۰۰ روپے

۱۹۔ پنجابی لیکھک سبھا۔ جموں .. .. ۱۰۰۰ ،،

۲۰۔ مہاویر یوتھ کلا مندر اُودھم پور .. — ۱۱۰۰ روپے

۲۱۔ رام کلا مندر۔ اُودھم پور .. — ۱۱۰۰ ،،

۲۲۔ بندرالٹا ساہتیہ منڈل اُودھم پور .. — ۱۰۰۰ روپے

۲۳۔	رام لیلا کلب ۔ رام نگر	۰۰ ـــ ۱۱۰۰ روپے
۲۴۔	اقبال بزم ادب کھیدرواہ	۰۰ ـــ ۱۰۰۰ روپے
۲۵۔	انجمنِ ترقی گوجری ادب پونچھ (عارضی طور پر تسلیم کیا گیا)	۰۰ ـــ ۵۰۰ ″
۲۶۔	انجمن ترقی گوجری پونچھ	۰۰ ـــ ۹۰۰ روپے

کشمیر

۱۔	اُردو کوشر بزم ادب اننت ناگ	۰۰ ـــ ۱۰۰۰ روپے
۲۔	مراز ادبی سنگم بجبہاڑہ	۰۰ ـــ ۲۰۰۰ ″
۳۔	کشمیر بھگت تھیٹر۔ اکنگام	۰۰ ـــ ۱۴۰۰ روپے
۴۔	عزیز فوک بھگت تھیٹر۔ اکنگام	۰۰ ـــ ۷۰۰ ″
۵۔	شہباز کلچرل کلب گنڈ	۰۰ ـــ ۴۰۰ روپے
۶۔	وجے تھیٹر۔ ساکام	۰۰ ـــ ۸۰۰ ″
۷۔	یوتھ گلشن ڈرامیٹک کلب صوف ۔ شالی	۰۰ ـــ ۵۰۰ روپے
۸۔	نیشنل گلشن ڈرامیٹک کلب صوف ۔ شالی ۔	۰۰ ـــ ۵۰۰ ″
۹۔	مراز کلچرل اینڈ آرٹ سنٹر ڈورو	۰۰ ـــ ۳۱۰۰ روپے
۱۰۔	کاشر محفل یاری پورہ	۰۰ ـــ ۶۰۰ ″
۱۱۔	بزم شیخ العالم۔ کھی جوگی پورہ	۰۰ ـــ ۴۰۰ روپے
۱۲۔	کوشر تھیٹر تکیہ امام صاحب	۰۰ ـــ ۱۰۰۰ روپے

نمبر	نام	رقم
۱۳۔	گلشن تھیٹر بال پورہ	.. ۔ ۶۰۰ روپے
۱۴۔	واسک ناگ کوشُر بزمِ ادب ۔ ویپوسر	.. ۔ ۷۰۰ ״
۱۵۔	بزمِ ادب ۔ تنزال	.. ۔ ۴۰۰ روپے
۱۶۔	پنجابی لیکھک سبھا ۔ تنزال (عارضی طور پر تسلیم کیا گیا)	
۱۷۔	پنجابی لکھاری سبھا تنزال	.. ۔ ۴۰۰ روپے
۱۸۔	حبہ خاتون ڈرامیٹک کلب ۔ گُریز	.. ۔ ۱۰۰۰ روپے
۱۹۔	گلشنِ ادب ۔ پاپنور	.. ۔ ۵۰۰ ״
۲۰۔	سنگم تھیٹر ۔ سری نگر	.. ۔ ۵۰۰ روپے
۲۱۔	کمل تھیٹر ۔ سری نگر	.. ۔ ۱۰۰۰ روپے
۲۲۔	کلا کیندر ۔ سری نگر (عارضی طور پر تسلیم کیا گیا)	.. ۔ ۴۰۰ ״
۲۳۔	سنگرمال تھیٹر ۔ سری نگر	.. ۔ ۸۰۰ روپے
۲۴۔	کشمیر کلچرل آرگنائزیشن ۔ سری نگر	.. ۔ ۱۴۰۰ روپے
۲۵۔	پنجابی ساہتیہ سبھا ۔ سری نگر	.. ۔ ۲۷۰۰ ״
۲۶۔	کوشُر کونسل آف ریسرچ ۔ سری نگر	.. ۔ ۱۶۰۰ روپے
۲۷۔	آزاد کلچرل فورم ۔ چاڈورہ ۔	.. ۔ ۹۰۰ روپے
۲۸۔	کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ ۔ چاڈورہ	.. ۔ ۴۰۰ ״
۲۹۔	نیشنل باند تھیٹر واہتھورہ ۔	.. ۔ ۱۰۰۰ روپے
۳۰۔	گلشن ڈرامیٹک فورم چرار شریف ۔	.. ۔ ۴۰۰ ״
۳۱۔	اقبال میموریل یوتھ کلب ۔ سوگام (عارضی طور پر تسلیم کیا گیا)	.. ۔ ۴۰۰ روپے

۳۲۔ مقبول تھیٹر۔ کرالہ واری
۰۰ ۔ ۹۰۰ روپے

۳۳۔ فرینڈس یوتھ کلب ۔ یاری کلان
(عارضی طور پر تسلیم کیا گیا)

۳۴۔ کشمیر بھانڈ تھیٹر۔ حاجی گنڈ
۰۰ ۔ ۶۰۰ روپے

۳۵۔ دمالی ڈانس سینٹر گوپال پورہ
۰۰ ۔ ۹۰۰ روپے

۳۶۔ انجمنِ صوفیانہ کلام واہتھورہ
۰۰ ۔ ۸۰۰ روپے

۳۷۔ نورانی کلچرل فورم ۔ دڑیہ گام
۰۰ ۔ ۵۰۰ ״

۳۸۔ ہہتجور کلچرل فورم ۔ خان صاحب
۰۰ ۔ ۵۰۰ روپے

۳۹۔ شاہین کلچرل فرنٹ ۔ بیدرن
۰۰ ۔ ۴۰۰ ״

۴۰۔ نیو کشمیر کنسٹرکشن یوتھ کلب ۔ بیدرن
۰۰ ۔ ۸۰۰ روپے

۴۱۔ بزم ادب بٹہ پورہ ۔ ماگام
۰۰ ۔ ۴۰۰ ״

۴۲۔ گُلمرگ لکہ تھیٹر۔ پلہالن
۰۰ ۔ ۹۰۰ روپے

۴۳۔ اریہ مال تھیٹر۔ پلہالن
۰۰ ۔ ۷۰۰ ״

۴۴۔ فوک تھیٹر۔ بابا ریشی ۔ لال پورہ
۰۰ ۔ ۴۰۰ روپے

۴۵۔ کلچرل فورم کریری۔ پٹن
۰۰ ۔ ۷۰۰ روپے

۴۶۔ دائرہ ادب ۔ دلنہ
۰۰ ۔ ۱۰۰۰ ״

۴۷۔ جے۔ کے پنجابی سبھا۔ بارہ مولہ
۰۰ ۔ ۱۰۰۰ روپے

۴۸۔ پہاڑی کلچرل فورم ۔ چندن واڑی
۰۰ ۔ ۹۰۰ روپے

۴۹۔ کلچرل ٹرسٹ ۔ کیوارہ
۰۰ ۔ ۸۰۰ روپے

۵۰۔ شاہ ولی لکہ رنگ ۔ درگمولہ
۰۰ ۔ ۴۰۰ روپے

۵۱۔ وُلر تھیٹر ۔ نُمے
۰۰ ۔ ۱۶۰۰ روپے

۵۲۔ ہُمے لکہ تھیئیٹر۔ ہُمے ۔۔ ۔۔۸۰۰ روپے

۵۳۔ مجلس النساء۔ سوپور ۔۔ ۔۔ ۹۰۰ ۔۔ ،،

۵۴۔ انجمنِ گوجری شعروادب پانڈی پورہ۔ ۔۔ ۔۔ ۹۰۰ روپے

۵۵۔ وُلر کلچرل فورم۔ نادی ہل ۔۔ ۔۔ ۱۰۰۰روپے

۵۶۔ وہاب ڈرامیٹک کلب حاجن ۔۔ ۔۔ ۱۰۰۰ ،،

۵۷۔ ادبی مرکز کمراز۔ سوپور ۔۔ ۔۔ ۵۳۰۰ ،،

۵۸۔ حلقۂ ادب۔ حاجن ۔۔ ۔۔ ۴۵۰۰روپے

۵۹۔ مانسبل ڈرامیٹکس رصفاپور ۔۔ ۔۔ ۱۰۰۰ روپے

لداخ

۱۔ گیسکل کلچرل آرگنائزیشن سابو لیہہ ۔۔ ۔۔ ۷۰۰ روپے

۲۔ تیمدل سوسائٹی آیو سابو۔ لیہہ ۔۔ ۔۔ ۸۰۰ روپے

۳۔ لداخ کلچرل فورم۔ لیہہ ۔۔ ۔۔ ۱۴۰۰ روپے

۴۔ لمدن سوشل ویلفیئر سوسائٹی۔ لیہہ ۔۔ ۔۔ ۷۰۰ روپے

اسی طرح اور بھی بہت ساری ادبی تنظیموں کا رجسٹریشن ہوا ہے اور اکیڈیمی اُنھیں آج تک مالی معاونت فراہم کرتی رہی ہے ؏

نامساعد حالات کے شکار ادیبوں فنکاروں اور موسیقاروں کے حق میں مالی امداد

۱۹۷۱ء سے اکادمی اُن لوگوں کے حق میں مالی معاونت منظور کرتی رہی ہے۔ جنھوں نے ادب، فن اور دیگر شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور نامساعد حالات کے شکار ہیں۔ ایسے شعرا اور ادیبوں وغیرہ کے لواحقین کو بھی یہ مالی امداد دی جاتی ہے۔ جن کے لئے آمدنی کے دیگر وسائل نہ ہوں۔

ابتدائی طور اِس منصوبے کو اکادمی نے اِس بُنیاد پر ہاتھ میں لیا تھا، کہ کُل خرچے کا ۵۰ فیصدی مرکزی حکومت برداشت کریگی۔ مگر منصوبہ واپس لینے کے بعد مرکزی سرکار نے اِس ضمن میں کوئی مالی امداد فراہم نہیں کی۔ مگر اکادمی اپنے طور پر اِس سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اور آئین میں درج اغراض و مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے برابر ادیبوں اور فنکاروں کو مالی امداد دینا اِس کے پروگرام میں شامِل ہے۔ اِس پروگرام کو اکادمی کی باقاعدہ سرگرمی کے طور پر اکادمی کے اربابِ اختیار کی منظوری حاصل ہے۔

۱۹۷۱ء میں یہ امداد ۱۵ افراد کے حق میں منظور کی گئی اور مالی امداد کی ماہانہ رقم -/۲۵ اور -/۷۵ روپے کے درمیان تھی۔ آہستہ آہستہ تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور امداد کی رقم کو بڑھا کر -/۵۰ روپے اور -/۱۵۰ روپے درمیان ماہانہ کر دیا گیا۔

۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران اس قسم کی مالی امداد ۲۶ ادیبوں اور فنکاروں کے

حق میں منظور کی گئی :۔ اس منصوبے سے اب تک مندرجہ ذیل لوگ مستفید ہوئے ہیں :۔

۱۔ شری نرسنگھ سہائے شوق — جموں
۲۔ شری جگن ناتھ چارلی — جموں
۳۔ شری بسنت رام بسنت — جموں
۴۔ شری روپ چند سہا — اُودھمپور
۵۔ شری واسدیو ریہہ — سوپور
۶۔ مرحوم غلام نبی عارض کی بیوہ (رانگر) چاڈورہ۔
۷۔ مرحوم تنہا انصاری کی بیوہ (دلنہ) بارہمولہ۔
۸۔ مرحوم ثنا اللہ ربابی کے لواحقین (کریری) پٹن
۹۔ مرحوم جیالال کول ناظر کی بیوہ — سری نگر
۱۰۔ جناب شمس الدین غمگین (رتنی پورہ) پلوامہ
۱۱۔ مرحوم تریندر کھجوریہ کی بیوہ — جموں
۱۲۔ مرحوم چرن سنگھ کی بیوہ پُشپا دیوی۔ جموں
۱۳۔ مرحوم اسد گنائی کی بیوہ محترمہ مغل بی بی
۱۴۔ شریمتی کملا دیوی — اُودھم پور
۱۵۔ مرحوم نظام الدین کی بیوہ محترمہ فاطمہ بیگم
۱۶۔ مرحوم زار کی بیوہ محترمہ لیلاوتی رینہ
۱۷۔ شری گیان چند تناز — کٹھوعہ
۱۸۔ شری ہیم راج پنچھی — کٹھوعہ
۱۹۔ مرحوم پی۔ بی ساٹھے کی بیوہ شریمتی رتناولی ساٹھے۔ جموں۔
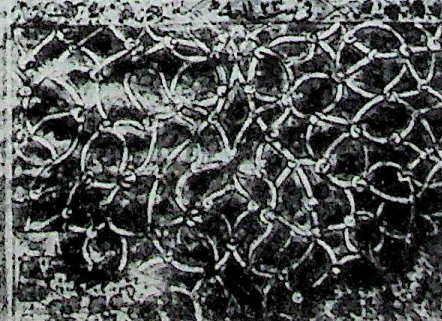
۲۰۔ جناب محمد شعبان شیخ۔ سرینگر۔ ۲۱۔ محترمہ سپین مالا۔ جموں۔ ۲۲۔ جناب بشیر احمد بشیر۔ جموں۔ ۲۳۔ مرحوم خاموش کریری کی بیوہ محترمہ سروا بیگم۔
۲۴۔ مرحوم اکبر علی انصاری کی بیوہ محترمہ خیرہ بیگم۔ ۲۵۔ شری برکت رام پہاڑی۔ جموں۔
۲۶۔ جناب حافظ محمد سُبحان نایکو۔ ہندوارہ۔ ۲۷۔ شری کرشن سمبلپوری۔ جموں۔
۲۸۔ جناب فتح علی سروری کسانہ۔ جموں۔
۲۹۔ جناب محمد افضل مخدومی سرینگر
۳۰۔ شری پرمانند المستؔ جموں
۳۱۔ جناب غلام نبی شاہ ظہورؔ۔ پلوامہ
۳۲۔ شری وجے سُمن جموں
۳۳۔ مرحوم شنکر داس کی بیوہ شریمتی سدھارانی
۳۴۔ شری اوتار کرشن رازدان سرینگر
۳۵۔ مرحوم عشرت کشتواڑی کی بیوہ محترمہ مہتاب عشرت
۳۶۔ مرحوم پرمانند المستؔ کی بیوہ شریمتی رام دائی
۳۷۔ شری کیدار ناتھ مشرا۔ سانبہ۔ ۳۸۔ مرحوم غلام نبی ظہور کی بیوہ محترمہ فاطمہ بانو۔

گوجری موسیقار:
۳۹۔ جناب سائیں محمد ساقی پونچھ۔ ۴۰۔ میر الدین ڈوولی۔ ڈوڈہ۔
۴۱۔ مولوی عبد القیوم راز پلوامہ۔ ۴۲۔ جناب برکت علی باگڑی جموں
۴۳۔ محمد حسین مراثی۔ جموں۔

مالی معاونت کے اس پروگرام سے جن غیر ریاستی اُردو شعرا نے استفادہ کیا ہے، اُن میں جناب اختر رضوانی (جالندھر) اور علامہ انور صابری (دہلی) شامل ہیں:۔

مِن الجنة والناس

وكان امیر المومنین علیه السلام اذا ختم القران یقول
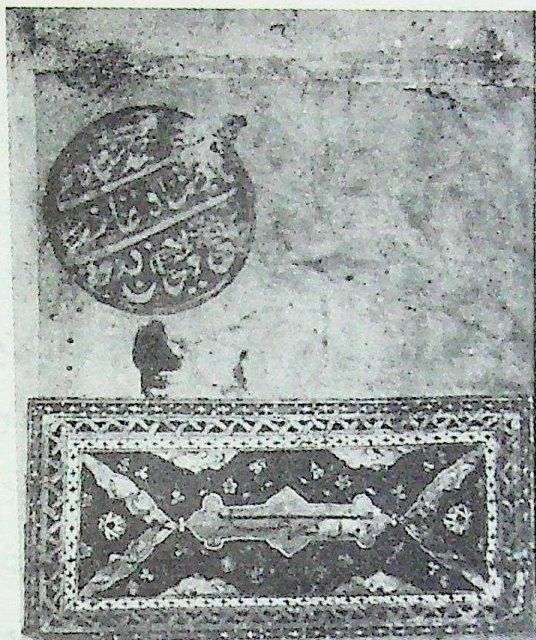
اللهم اشرح بالقران صدری واستعمل بالقران

بدنی ونور بالقران بصری واطلق بالقران

لسانی واعنی علیه ما ابقیتنی فانه لاحول

ولا قوة الا بالله العلی العظیم

اکادمی۔ ابتدا اور آئین

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام صدرِ ریاست کے حکمنامہ نمبر ۵۸/ SR - ۴ مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۵۸ء کو ریاست کے آئین کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت عمل میں آیا اور صدرِ ریاست اکادمی کے سرپرست بنے۔

اکادمی کا افتتاح ۴ر اگست ۱۹۵۸ء کو اُس وقت کے صدر ریاست اور اکادمی کے سرپرست ڈاکٹر کرن سنگھ نے اُن کی سرکاری رہائش گاہ 'طالع منزل' میں کیا۔ اس موقعے پر اکادمی کی مرکزی کمیٹی کے ارکان بھی جمع تھے۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے دفتر کا افتتاح وزیر اعظم جموں و کشمیر بخشی غلام محمد جو کہ مرکزی کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے، نے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو کیا۔ اکادمی کا یہ دفتر پرتاپ پارک کے سامنے میونسپل بلڈنگ کے اُس حصے میں تھا جو اب مرکزی حکومت کے پریس انفارمیشن بیورو کا دفتر ہے۔

وہ حکم جس کے تحت اکادمی قائم ہوئی، اِسطرح ہے :-

جموں و کشمیر کے آئین کی دفعہ نمبر ۱۴۶ کی عمل آوری کے سلسلے میں صدرِ ریاست کو اکادمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام عمل میں لانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ادارہ 'جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ اینڈ کلچر' کے نام سے موسوم ہوگا۔ اِس اکادمی کے سرپرست صدر ریاست ہونگے۔ اکادمی کی گیارہ ممبروں پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی ہوگی جو اکادمی کی (EXECUTIVE) کے طور پر کام کرے گی اور اسکے اخراجات، تنظیم اور انتظامیہ کو چلائے گی۔

کمیٹی کا چیئرمین وزیرِ اعظم ہوگا۔ فی الحال مرکزی کمیٹی کے ممبران مندرجہ ذیل اشخاص ہونگے :-

۱- شری کوشک بکولا (وزیرِ مملکت برائے امورِ لداخ)۔
۲- شری اے، اے، اے فیضی وائس چانسلر جموں وکشمیر یونیورسٹی
۳- شری علی جواد زیدی
۴- ماسٹر زندہ کول
۵- شری رام ناتھ شاستری
۶- جناب رسا جاودانی (بھدرواہ)
۷- شری کشن سمیلپوری
۸- شری اومادت شرما
۹- جناب غلام رسول سنتوش
۱۰- مِس ضیا دُرانی
۱۱- مرزا کمال الدین شیدا (ممبر سیکریٹری)

اکادمی کی دس سب کمیٹیاں ہونگی جو مندرجہ ذیل موضوعات کا احاطہ کریں گی:- (ا) کلاسیکی موسیقی (ب) لوک موسیقی۔
(ج) مصوری (د) ڈراما اور رقص
(ہ) اُردو (و) ہندی
(ز) کشمیری (ح) ڈوگری
(ط) بودھی (لداخی) (ی) دوسری زبانیں

ان میں سے ہر کمیٹی بشمولِ کنوینر پانچ ممبران پر مشتمل ہوگی۔ ان کمیٹیوں کا تقرر مرکزی کمیٹی کرے گی۔

مرکزی کمیٹی اور سب کمیٹیوں کی تشکیل کے لئے رقومات اور عملے کے تقرر کے سلسلے میں احکامات الگ سے جاری کئے جائینگے۔

ii۔ وہ تمام رقومات جو دوسرے ذرائع سے حاصل ہوں۔ اور

۴۷:۔ اس قسم کے تمام اقدامات اور کام کرنا، چاہے وہ مندرجہ بالا اختیارات کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہوں یا نہیں، جنگی اکادمی کے اغراض ومقاصد کی ترویج کے لئے ضرورت پڑے۔
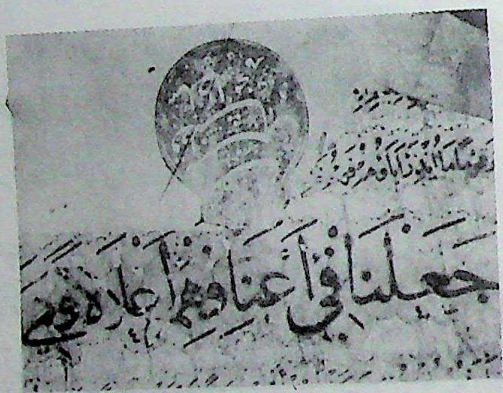
تہذیب محل

سری نگر میں تہذیب محل کی ضرورت اکادمی کے اربابِ اقتدار
کی توجہ کو کھینچتا رہا ہے۔ خواجہ غلام محمد صادق کی صدارت کے دوران تہذیب محل
کی تعمیر کے لئے لال منڈی باغ کو تجویز کیا گیا مگر بعد میں کچھ وجوہات کی بنا پر
اسے بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

تاہم سنہ ۱۹۷۸ء میں اُسوقت کے صدر اکادمی جناب شیرِ کشمیر
شیخ محمد عبداللہ نے کمالِ شفقت سے تہذیب محل کیلئے ایمپوریم باغ میں جگہ
عطا کی۔ اس بات پر غور کیا گیا کہ ایمپوریم کی موجودہ عمارت کو ڈھا دینے کی
ضرورت نہیں، کیونکہ اسے انتظامی امورات کو چلانے کے لئے دفتر کے طور پر
استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس معاملے کو محکمہ تعلیم کے ٹاسک فورس (TASK FORCE) کی
اور مرکزی کمیٹی متعدد نشستوں میں زیرِ بحث لایا گیا اور ایمپوریم باغ میں
تہذیب محل کی تعمیر کو منظوری دی گئی۔

چنانچہ میسرز قادری کنسلٹنٹس پرائیویٹ لمیٹیڈ بمبئی کو تہذیب محل کا
ڈیزائن تیار کرنے کے احکامات دئے گئے۔ آرکیٹکٹوں کے بنائے گئے
نمونے اور خاکے کو ایک ہائی لیول کمیٹی نے جسکی میٹنگ جناب وزیرِ اعلیٰ کی

صدارت میں ہوئی تھی، اکتوبر ۱۹۸۲ء میں منظور کیا گیا۔

اولین مرحلے میں تہذیب محل میں مندرجہ ذیل شعبوں کی گنجائش رکھی گئی تھی:-

۱- مرکزی آڈیٹوریم جسمیں آٹھ سو نشستیں ہوں۔

۲- چھوٹا آڈیٹوریم جسمیں ۱۲۰ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہو۔

۳- مستقل آرٹ گیلری ۴۲۰۰ مربع فٹ

۴- مصوری کی نمائش کیلئے گیلری ۳۵۲۰ مربع فٹ

۵- آرٹسٹ سٹوڈیو کم ورکشاپ ۲۰۱۵ مربع فٹ

۶- ساؤنڈ پروف ریکارڈنگ سٹوڈیو ۱۹۵۰ مربع فٹ

تخمینے کے مطابق اس منصوبے پر ایک کروڑ ۷۵ لاکھ روپے خرچ ہونے کا اندازہ تھا اور اسے پانچ سال کے عرصے میں ۱۹۸۲ء سے مرحلہ وار تکمیل کرنا تھا۔ تعمیر کا کام پروجیکٹس آرگنائزیشن کو کرنا تھا جسے ساڑھے سات لاکھ روپے مختلف قسطوں میں ادا کئے گئے تھے۔

اُسوقت کے صدر اکادمی نے اس کمپلیکس کا سنگِ بنیاد ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کو رکھا اور اُسی وقت اِسکا نام تہذیب محل رکھا گیا۔

اکادمی کا سکریٹری مختلف سرکاری محکموں میں اس پروجیکٹ کے لئے مزید رقومات کی منظوری کے لیے اس مسئلے کا پیچھا کرتا رہا۔ اِس معاملے کو اکادمی کی مرکزی کمیٹی میں بھی ۲۶ر جولائی ۱۹۸۳ء کو اُٹھایا گیا مگر گذشتہ سال جموں میں جشنِ سیمیں سیمنار میں صدرِ اکادمی نے اعلان کیا کہ تہذیب محل کو ایمپوریم باغ میں تعمیر نہیں کیا جائے گا اور اِس مقصد کیلئے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے گا۔ مگر اب تک کسی جگہ کا انتخاب نہیں کیا گیا ہے۔
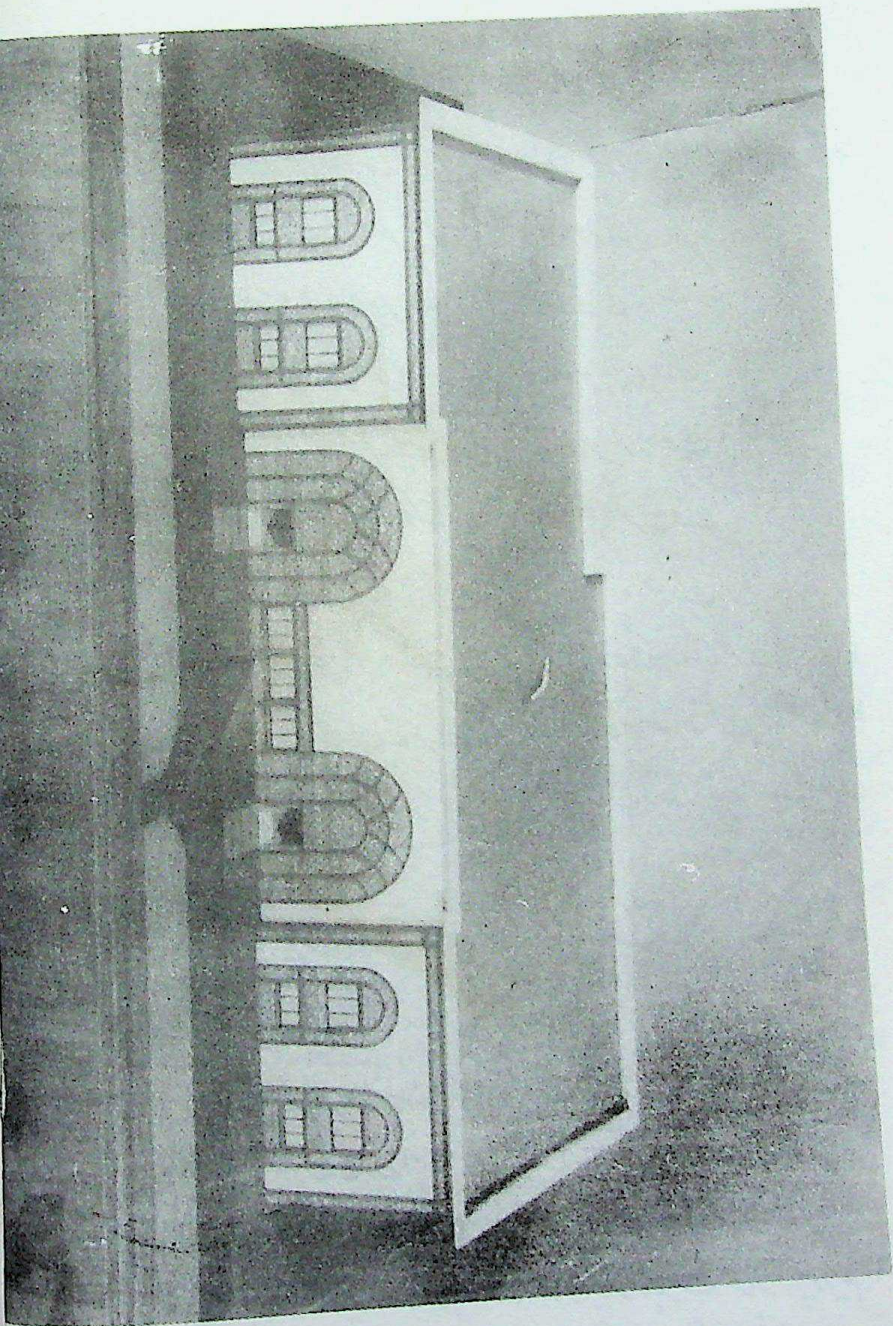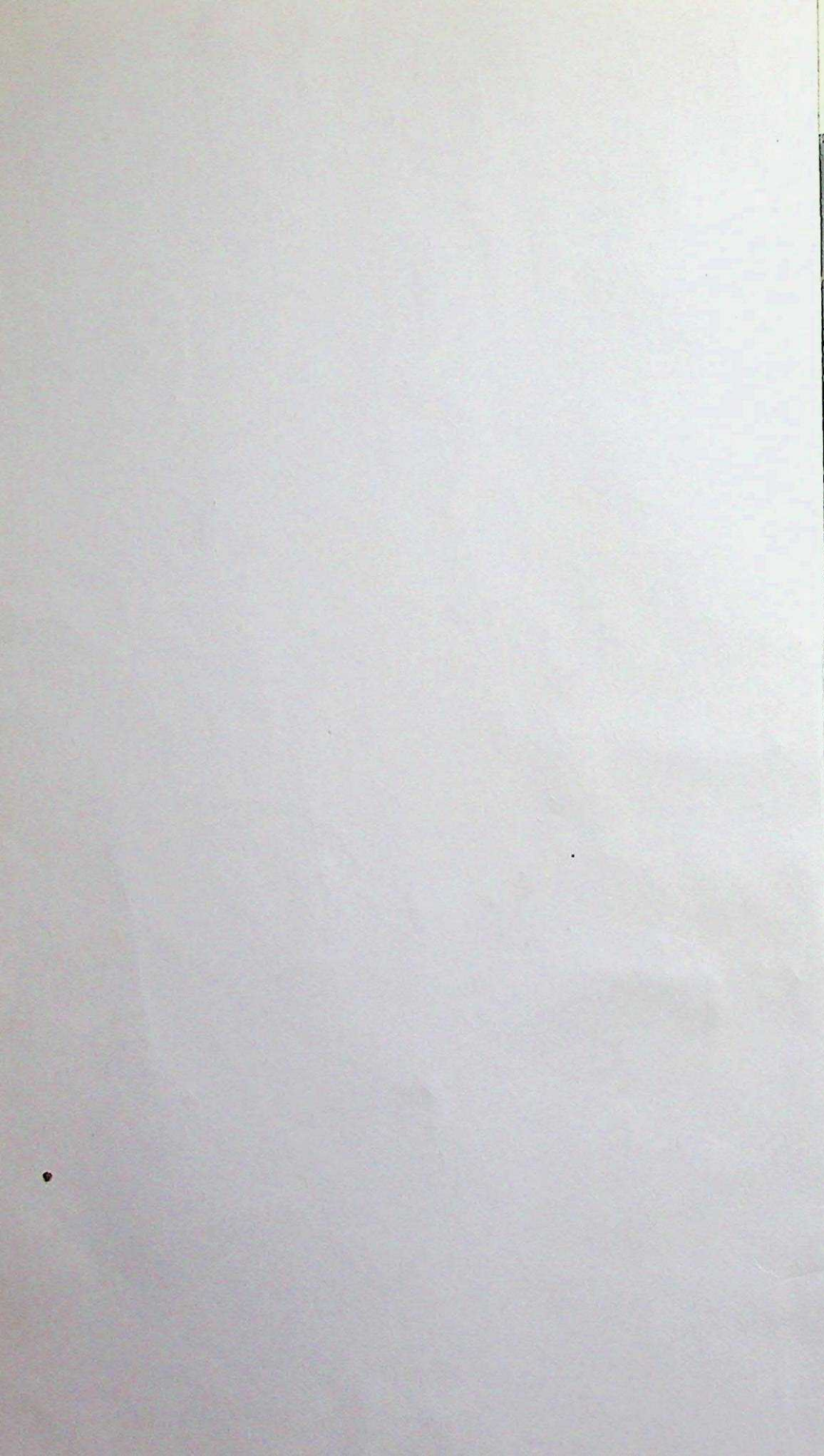
SILVER JUBILEE
1984-85
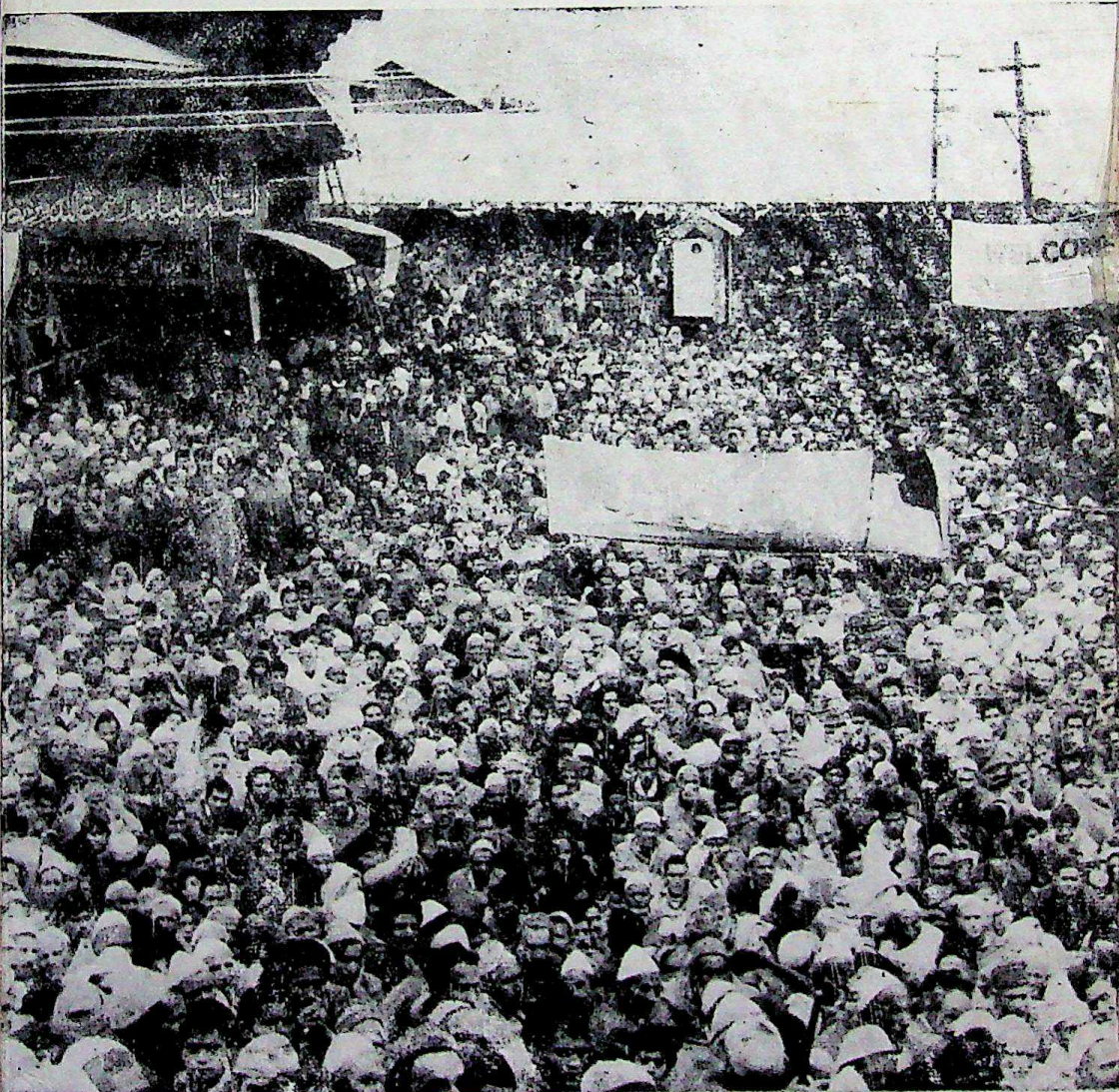
J. & K. Academy of Art Culture & Languages
Srinagar